MINHAJ-UL-QURAN PUBLICATIONS
منہاج القرآن پبلیکیشنز

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

✻✻✻✻✻

منہاج القرآن پبلی کیشنز
مرکزی سیکرٹریٹ ۳۶۵-ایم ماڈل ٹاؤن

نام کتاب	فلسفہ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ
خطبات	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین	محمد الیاس قادری
نظر ثانی	غلام مصطفیٰ بخاری
پروف ریڈنگ	محمد رفیق حبیب
کمپوزنگ	مقصود احمد ڈوگر، فیصل رفیق
اشاعت اول	جون 1993ء 2000
اشاعت دوم	دسمبر 1995ء 1100
اشاعت سوم	جون 1997ء 1100
اشاعت چہارم	ستمبر 1999ء 1100
اشاعت پنجم	جنوری 2001ء 1100
نگران طباعت	محمد جاوید کھٹانہ
مطبع	منہاج القرآن پرنٹرز
قیمت	-/90 روپے

نوٹ: پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے ریکارڈ شدہ آڈیو/ویڈیو کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی ان کی طرف سے ہمیشہ کے لئے تحریک منہاج القرآن کے لئے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر [illegible] اینڈ پبلیکیشنز)

صلی اللہ تعالی علیه وعلی آله واصحابه وبارک وسلم

فہرست

شاہ است حسینؓ پادشاہ است حسینؓ
دیں است حسینؓ دیں پناہ است حسینؓ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لَا اِلٰہ ہست حسینؓ

انساں کو بیدار تو ہو لینے دو!
ہر شخص پکارے گا ہمارے ہیں حسین

عرض مرتب

تاریخ حق و باطل میں خیرو شر کے لاکھوں معرکے برپا ہوئے۔ ہزاروں شہادتیں ہوئیں بالخصوص اسلام کا اولین دور لاتعداد عظیم شہادتوں سے لبریز ہے۔ تاہم یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ آج تک کسی اور شہادت کو اس قدر شہرت، قبولیت اور ہمہ گیر تذکرہ نصیب نہیں ہوسکا جتنا حضرت امام حسینؓ کی شہادت کو ہوا ہے۔ ساڑھے تیرہ سو سال گزر جانے کے باوجود بھی شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر زندہ و تابندہ ہے۔ اس کی شہرت اور تذکروں میں آج تک کمی نہیں ہوئی۔ یہ پھیلتا ہی جا رہا ہے یہاں تک کہ حسینیت ہر طبقہ میں حق اور یزیدیت ہر طبقہ میں فتنہ و فساد کی علامت بن گئی ہے۔

اس فانی دنیا میں کسی کا بظاہر کامیاب نظر آنا اور اقتدار حاصل کرلینا اصل کامیابی نہیں ۔ کافر، ظالم، فاسق و فاجر، منافق اور طاغوت صفت لوگ جو زمین پر نشہ اقتدار کے باعث اکڑ اکڑ کر چلتے ہیں ان کا کچھ دنوں کے لئے کامیاب نظر آنا محض اس لئے ہے کہ اللہ ان کو ڈھیل دیتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی گرفت کا وقت آتا ہے تو پھر انہیں نیست و نابود کر دیا جاتا ہے اور ایسا ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے کہ آنے والی نسلوں میں ان کا نام نشانِ عبرت کے طور پر لیا جاتا ہے۔

یزید بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی عارضی اور فانی زندگی میں اقتدار عطا کیا لیکن وہ نشہ اقتدار میں بدمست ہو کر اکڑ گیا اگرچہ وہ پہلے بھی کاہل، غافل اور لاپرواہ تھا، کھیل کود اور اوباش لوگوں میں وقت گزارتا تھا مگر مسند اقتدار پر بیٹھنے کے بعد تو اس میں فرعونیت اور قارونیت جیسی بھیانک صفات پیدا ہو گئی تھیں۔ اس نے دنیا کی چند روزہ حکومت اور اقتدار کی خاطر اپنے ایمان کا سودا کرتے ہوئے خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم و ستم کی انتہا کی اور کربلا کے تپتے ہوئے ریگزار میں

بھوک اور پیاس کی حالت میں اہل بیت نبوت اور ان کے انصار میں سے بہتر[۷۲] افراد کو شہید کیا تھا مگر اسی یزید پر یہ وقت بھی آیا کہ لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور بہتر افراد کے بدلے میں تقریباً ایک لاکھ ستر ہزار یزیدیوں کو قتل کیا گیا۔ یزید کہ جس نے مدینہ منورہ میں گھوڑوں اور اونٹوں کا لشکر بھیجا تھا' تین دن تک مسجد نبوی اور روضہ رسول ﷺ پر لشکر کے گھوڑوں کو باندھا گیا اور تین دن تک مسجد نبوی ﷺ میں نمازیں اور جماعتیں معطل رہیں۔ اسی یزید پر وہ وقت بھی آیا کہ اس کی اپنی قبر پر گھوڑے اور اونٹ باندھے گئے جہاں وہ پیشاب اور لیدیں کرتے تھے۔

زیر نظر کتاب استاذی المکرم' مفکر اسلام' مفسر قرآن' نابغہ عصر پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مد ظلہ العالی کی کوئی مستقل تصنیف نہیں بلکہ یہ ان کے ان خطبات کو مرتب کیا گیا ہے جو آپ نے شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر ارشاد فرمائے۔ اس سے قبل "شہادت امام حسینؓ حقائق و واقعات کی روشنی میں" کے عنوان سے قبلہ قادری صاحب کے چند خطبات زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں ان خطبات کو بھی ضروری اضافات اور حوالہ جات کی تحقیق کے ساتھ شامل کتاب کر کے ایک مستقل باب بنا دیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نابغہ عصر پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مد ظلہ العالی دور حاضر کے علمی و فکری میدان میں وہ بلند مقام اور مرتبہ رکھتے ہیں کہ ان کے بارے میں دلائل دینے کی چنداں ضرورت نہیں۔ آپ کا علمی و فکری اور تحقیقی کام ایسی جدت اور اسلوب لئے ہوئے ہے کہ مدتوں تک ہر ذی شعور آپ کی خدمات جلیلہ کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے گا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہر موضوع پر بات کرنے' اسے سمجھانے اور شکوک و شبہات کو زائل کرنے کا جو خاص ملکہ اور سلیقہ عطا فرمایا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

آپ جس موضوع پر بول دیں وہ حرف آخر ہوتا ہے۔ مجھے یہ بات کہنے میں کوئی باک نہیں کہ میں اپنی علمی کم مائیگی کے سبب اس کتاب کے مرتب کرنے کا حق ادا

نہیں کر سکا کیونکہ قبلہ قادری صاحب اپنی بات کو جس انداز میں ہر سامع کے لئے قابل فہم بنا کر پیش کرتے ہیں یقیناً میں اس طرح اس کتاب کو پیش کرنے سے قاصر رہا ہوں لہذا قارئین سے التماس ہے کہ اگر دوران مطالعہ وہ کوئی نقص، کوئی لفظی و فکری خامی ملاحظہ فرمائیں تو اسے فقط میری تنگ دامانی علم پر محمول کرتے ہوئے تعمیری اصلاح فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے۔

اللہ تعالٰی ہمیں اپنے دین کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

محمد الیاس قادری
خادم ڈاکٹر فرید الدین اسلامک
ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

باب اول

شہید کے مختلف معانی
اور
تصور شہادت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

شہادت امام حسین ؓ کے بارے میں براہ راست گفتگو کرنے سے پہلے ہم یہ اپنے احاطہ علم میں لاتے ہیں کہ شہید کسے کہتے ہیں؟ اس کے کون کون سے معانی ہیں اور ان معانی کے اعتبار سے اسلام میں شہادت کا تصور کیا ہے؟

شہید کا پہلا معنی اور تصور شہادت

شہید، شاہد، مشہود اور مشاہدہ یہ تمام الفاظ "شہود" مصدر سے مشتق ہیں۔ **شہد یشہد، شہودا** کے کئی معانی ہیں۔ اس کا ایک معنی "حاضر ہونا" ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ میں استعمال ہوا ہے:

اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ
(البقرۃ، ۲: ۱۳۳)

(اے بنی اسرائیل) کیا تم (اس وقت) موجود تھے جب یعقوب کے پاس موت حاضر ہوگئی (وہ قریب الوصال تھے)

اس آیت مبارکہ میں **شهداء** کا مصدر **شہود** حاضر ہونا کے معنی میں ہے اس معنی کے اعتبار سے شہید وہ ہوا جو حاضر و موجود ہو۔

اسی طرح دعا جنازہ میں ہم پڑھتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اغۡفِرۡ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا
(سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی الدعاء فی الصلوۃ علی الجنازۃ)

اے اللہ! ہمارے زندوں کو بخش دے اور ہمارے مردوں کو بخش دے اور ہمارے حاضروں کو بھی بخش دے اور ہمارے غائبوں کو بھی۔

یہاں بھی مشاہدہ بمعنی "حاضر" کے ہے اور وہ مقامات جہاں حجاج کرام مناسک حج کی ادائیگی کے لئے جمع ہوتے ہیں انہیں "مشاہد الحج" کہتے ہیں۔ اسی طرح وہ میدان جہاں لوگ حاضر ہوں "مشاہد" کہلاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شہید کہاں حاضر ہوتا ہے؟ جس کی مناسبت سے

اس کی موت شہادت کہلاتی ہے اور بایں معنی تصور شہادت کیا ہے؟

احادیث مبارکہ میں شہید کی موت میں حاضری کی دو جہتیں بیان کی گئی ہیں:

حاضری کی پہلی جہت

حاضری کی ایک جہت یہ بیان ہوئی ہے کہ جب انسان شہید ہوتا ہے اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرتی ہے تو اسی وقت اسکو براہ راست اللہ کی بارگاہ میں حاضر کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ، ابواب الجہاد میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب عبداللہ بن عمرو بن حرام احد کے دن شہید ہوئے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یا جابر الا اخبرک ماقال اللہ عزوجل لابیک قلت بلی قال ماکلم اللہ احدا الامن وراء حجاب و کلم اباک کفاحا فقال: یا عبدی تمن علی اعطک قال: یارب تحیینی فاقتل فیک ثانیۃ قال: انہ سبق منی انھم الیھا لا یرجعون قال یارب فابلغ من ورائی فانزل اللہ عزوجل ھذہ الایۃ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا الایۃ کلھا (سنن ابن ماجہ، ابواب الجہاد)

اے جابر: کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ تمہارے باپ سے اللہ تعالٰی نے کیا فرمایا ہے؟ میں نے عرض کیا "جی ہاں" آپ نے فرمایا "اللہ تعالٰی نے بغیر حجاب کے کسی سے کلام نہیں فرمایا لیکن تمہارے باپ سے بغیر حجاب کے کلام فرمایا اور فرمایا "اے میرے بندے! مجھ سے کچھ مانگ کہ میں تجھ کو عطا کروں" تیرے باپ نے عرض کیا: اے میرے رب! مجھے دوبارہ زندہ فرما دے تاکہ میں تیرے راستے میں دوبارہ قتل کیا جاؤں" اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ تو ہم پہلے ہی طے کر چکے ہیں کہ یہاں آنے کے بعد دنیا میں واپسی نہ ہو گی۔" اس نے عرض کیا "اے

میرے پروردگار! میری جانب سے
لوگوں کو میرا پیغام پہنچا دیجئے" تو اللہ
تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی "اور جو
اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں انہیں
مردہ خیال نہ کرو---- الخ"

مذکور حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ احد میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ
کو شہادت پاتے ہی اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں حاضر کر دیا گیا تھا اور انہوں نے بلا حجاب اللہ
تعالٰی کا دیدار کیا۔ اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں بوقت موت روح کا براہ راست حاضر ہونا یہ
سعادت فقط شہید کو نصیب ہوتی ہے ورنہ روح کے ہزاروں پردے ہوتے ہیں جو اللہ
تعالٰی کی بارگاہ تو درکنار عرش معلٰی تک پہنچنے میں بھی حائل ہوتے ہیں۔ یہ پردے بندے
کے اپنے دنیاوی اعمال' معاملات اوز احوال کے ہوتے ہیں لیکن شہادت کی موت ایک
ایسا عمل ہے کہ اس کے دروازے سے گزرتے ہی' سارے پردے اٹھا دیئے جاتے
ہیں' سارے حجابات ختم کر دیے جاتے ہیں۔ بندہ اپنے سابقہ اعمال کی بناء پر اس لائق نہ
تھا کہ اس کو بارگاہ خداوندی میں حاضری کی سعادت نصیب ہوتی لیکن شہادت کی موت
نے اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ لحہ بھر میں ہی دوریوں کو نزدیکیوں میں تبدیل کر کے
بارگاہ خداوندی میں پیش ہو جائے۔

چونکہ شہید کی روح وقت شہادت اللہ کی بارگاہ میں حاضر کر دی جاتی ہے اس
وجہ سے اسے شہید کہا جاتا ہے یعنی روحانی طور پر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جانے والا۔
اس طرح شہادت کا مفہوم ہوا "وہ موت جو بلا حجاب' بندے کو بارگاہ خداوندی میں
حاضر کر دے۔"

حاضری کی دوسری جہت

حاضری کی دوسری جہت حدیث پاک میں یہ بیان ہوئی ہے کہ جب شہید کی
روح قفس عنصری سے پرواز کرنے لگتی ہے تو ہزارہا ملائکہ کو اس کے پاس حاضر کر دیا

جاتا ہے جن کے سامنے بڑی شان کے ساتھ شہید کی روح قبض کر کے بارگاہ خداوندی میں پیش کردی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب (جنگ احد کے دن) میرے والد کی لاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس حال میں لائی گئی کہ کافروں نے ان کا مثلہ کر ڈالا تھا۔ جب جنازہ آپ کے سامنے تھا تو میں گھڑی گھڑی کفن کھول کر ان کا دیدار کرتا تھا جس پر لوگوں نے مجھے منع کیا۔ اتنے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی چیخ و پکار سنی۔ تفتیش حال پر پتہ چلا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بہن یا پھوپھی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یوں منع فرمایا:

فلا تبکی مازالت الملائکۃ تظلہ باجنحتہا	تومت رو اس (عبداللہ) پر تو فرشتے پروں سے سایہ کئے ہوئے ہیں۔

(صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب ظل الملائکۃ علی الشہید)

گویا شہید کی موت "مشہود بالملائکہ" ہوتی ہے لہٰذا اسے شہید اس لئے کہتے ہیں کہ اسکی موت پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے لفظ "شہید" کا استعمال

قرآن کریم میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ شہید حاضری بارگاہ، حجابات کا نہ ہونا اور شرف دیدار کے معانی میں ہی استعمال ہوا ہے یعنی جو مرتبہ شہداء کو سر قلم کروانے کے بعد ملتا ہے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بغیر ہی حاصل ہے کیونکہ شہادت کے یہ معنی در حقیقت درجہ کمال میں صرف آپ کی ذات میں ہی پایا جاتا ہے کہ باری تعالیٰ نے جب اپنے محبوب کو مقام **"او ادنیٰ"** تک بلایا اور پردے اٹھا دیئے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف شرف باریابی بلکہ دیدار بھی نصیب ہو گیا تھا۔ چونکہ شہادت کا یہ کمال کسی اور میں نہیں پایا جا سکتا تھا بناء بریں آپ کو آپ کی امت پر بھی حاضر اور گواہ بنا دیا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرۃ' ۲:۱۴۳)

اور ہمارا رسول تمہارا گواہ (نگران حال) رہے۔

آقائے دوجہاں ﷺ اپنی امت کے گواہ ہیں کیونکہ آپ اپنی امت کا مشاہدہ فرماتے رہتے ہیں۔ مشاہدہ ضروری نہیں ہے کہ سر کی آنکھ سے ہو' دل کی آنکھ سے بھی ہو سکتا ہے چنانچہ امام راغب اصفہانیؒ نے المفردات میں شہود کا معنی بیان کیا ہے:

الشھود والشھادۃ الحضور مع المشاھدۃ اما بالبصر او بالبصیرۃ
(المفردات للامام راغب الاصفہانی)

شہود اور شہادت مشاہدہ کے ساتھ حاضر ہونا ہے خواہ یہ (مشاہدہ) بصارت کے ساتھ ہو یا بصیرت کے ساتھ۔

شہید مر کر بھی زندہ کیسے ہوتا ہے

شہید پر جب جلوۂ حق آشکار ہوتا ہے اور اللہ تعالٰی کے حضور اس کی روح کو پیش کیا جاتا ہے تو اللہ تعالٰی اس پر ایسی تجلّیٔ نور کرتا ہے کہ جو اس کی روح کو چمک' تاثیر اور قوت عطا کر دیتی ہے اور یہ روح باوجودیکہ بدن سے بہت دور مقام علیین میں ہوتی ہے مگر جسم کو قبر میں صحیح و سلامت اور تروتازہ رکھتی ہے جیسے کہ سورج پودے سے کروڑوں میل فاصلہ ہونے کے باوجود اپنی تپش اور اثر سے زمین میں پودے کو زندہ سلامت رکھتا ہے۔

جب بندہ اللہ کیلئے مرجاتا ہے تو اللہ تعالٰی اپنے دیدار و وصال اور رضا کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والے اس بندے کی روح کو وہ نور' چمک' تاثیر اور قوت عطا فرماتا ہے کہ کروڑوں سورج بھی اس کے سامنے ہیچ ہوتے ہیں چنانچہ اللہ کے بندوں کا جسم زمین پر رہ کر بھی روح کے فیضان سے تروتازہ اور ابدالاباد تک زندہ و سلامت رہتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جس طرح سورج کا پودے کو روشنی پہنچانے کے لئے پودے کے اندر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ پودے کو تو صرف تپش اور

روشنی کی ضرورت ہوتی ہے' سورج کی نہیں کیونکہ اگر مصنوعی طریقے سے پودے کی ضروریات بالا پوری کردی جائیں تو پودا نشوونما و ارتقاء میں سورج کا محتاج نہیں رہتا اسی طرح روح جسم کے اندر رہے یا باہر' برابر ہے۔ کیونکہ جسم کو بھی روح کی ضرورت نہیں بلکہ اس اثر کی ضرورت ہے جس سے جسم سلامت اور تروتازہ رہے۔ چنانچہ اگر روح باہر رہ کر بھی اتنی طاقتور ہے کہ اپنے فیض کا اثر جسم کو پہنچا سکتی ہے تو جسم جس طرح زندگی میں صحیح اور سلامت تھا اسی طرح مرنے کے بعد بھی صحیح سلامت رہے گا۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں قرآن پاک میں بیان ہوا ہے کہ وہ ایک ہزاروں برس پرانی بستی کے قریب سے گزرے جہاں ہزاروں سال پرانی قبریں تھیں۔ مردوں کے اجسام کا نشان تک نہ تھا' ہر طرف خاک اڑ رہی تھی یہ دیکھ کر انہیں خیال ہوا کہ اللہ ایسی بے نشان ہستیوں اور بستیوں کو قیامت کے دن کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ان پر سو سال تک موت طاری کردی:

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ	پس اللہ نے ان کو سو سال کے لئے
(البقرۃ' ۲:۲۵۹)	مردہ رکھا۔

جسم انسانی جو چھ مہینے' سال میں گل سڑ جاتا ہے' قرآن شاہد ہے کہ وہی جسم بغیر روح کے ایک سو سال تک لق و دق صحرا میں پڑا رہا مگر جسم نہ سڑا تھا نہ گلنے پایا تھا جس سے معلوم ہوا کہ اگر روح کی طاقتِ تاثیر قائم رہے اور وہ جسم میں موجود نہ بھی ہو تو بھی جسم کی دنیاوی کیفیت تبدیل نہیں ہوتی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں قرآن کا بیان ہے کہ جنات کو آپ نے حکم دیا کہ وہ بیت المقدس کی مسجد تعمیر کریں۔ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے تابع تھے بموجب حکم پتھر' گارے اور اینٹوں سے مسجد کی تعمیر میں جت گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے عصا کے سہارے کھڑے ہو کر ان کی نگرانی فرمانے لگے۔ آپ کی ہیبت اور رعب و جلال کا یہ عالم تھا کہ جب اسی حالت میں حضرت سلیمان علیہ

السلام کا وصال ہو گیا اور بقول مفسرین آپ ایک سال تک وصال کے بعد بھی عصا کے سہارے کھڑے رہے اور جنات برابر کام میں لگے رہے کہ حضرت نگرانی فرما رہے ہیں۔ جب عصا گھن لگ جانے کی وجہ سے ٹوٹ گیا اور وہ گر پڑے تو جنات پر حقیقت کا انکشاف ہوا اور اپنی سال بھر کی ذلت پر کف افسوس ملنے لگے۔ جیساکہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَادَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝

(سباء '۳۴:۱۴)

پھر ہم نے جب ان کے لئے موت کا حکم صادر فرمایا تو کسی چیز نے ان (جنات) کو ان کی موت سے آگاہ نہ کیا بجز ایک گھن کے کیڑے کے جو ان (سلیمان) کے عصا کو کھاتا رہا۔ پھر (جب مسجد تعمیر ہو گئی) اور جب وہ گر پڑے تب جنوں کو معلوم ہوا کہ (حضرت سیلمانؑ کا وصال ہو چکا ہے اور ان پر یہ عقدہ کھلا) کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی تکلیف میں نہ (پھنسے) رہتے۔

مرنے کے بعد جسم کا سلامت رہنا صرف انبیاء علیہم السلام کے لئے ہی نہیں بلکہ غیر انبیاء کے لئے بھی ثابت ہے چنانچہ سورہ کہف میں ہے کہ دین عیسوی کے سات پیروکار دقیانوس کے ظلم و جبر سے تنگ آکر پناہ لینے کے لئے ایک غار میں چھپے اور وہ تین سو نو سال تک غار میں پڑے رہے جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَبِثُوْا فِىْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا

(الکھف '۱۸:۲۵)

اور وہ (اصحاب کہف) اپنے غار میں نو اوپر تین سو سال رہے (شمسی حساب سے تین سو سال اور قمری حساب سے

نو سال زیادہ)

ایک کھلے غار میں اتنی طویل مدت تک رہنے کے باوجود ان کے جسم گلنے سڑنے نہ پائے نہ صرف وہ بلکہ ان کے کتے کا جسم بھی سلامت رہا جس نے سختی سے دھتکارے جانے کے باوجود ان کا ساتھ نہ چھوڑا تھا۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو ایک نیکی لے کر آتا ہے ہم اسے اس جیسی دس نیکیاں عطا کرتے ہیں اور وہ دس نیکیوں کا اجر پاتا ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا	اور (اللہ کے دربار میں) جو کوئی ایک نیکی لاتا ہے تو اس کے لئے اس کا دس گنا (ثواب) ہے۔
(الانعام ۶: ۱۶۰)	

جب اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ وہ ایک کے بدلے میں دس عطا کرتا ہے تو اللہ کے لئے ایک زندگی قربان کرنے والا اللہ کی بارگاہ سے دس زندگیاں کیوں نہیں پائے گا؟ یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دس گنا زندگی عطا کرتا ہے۔

اولیاء اللہ اور اللہ کے نیک بندوں کے جسم کا سلامت رہنا قرآن و احادیث کے علاوہ تاریخی شواہد سے بھی ثابت ہے مثلاً ساٹھ ستر سال پہلے عراق میں بغداد کے قریب دو صحابہ کرام (حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ) کی قبریں کھولی گئیں تھیں کیونکہ وہ دریا کے کٹاؤ کی زد میں آگئی تھیں اور باوجودیکہ تیرہ سو سال گزر چکے تھے ان کے جسم تو جسم کفن تک سلامت تھے۔ اس واقعہ کو عالمی پریس نے کوریج (Coverage) دی۔ حکومت عراق نے اکیس توپوں کی سلامی کے سرکاری اعزاز کے ساتھ انہیں دوبارہ دفنایا اور اس واقعہ کی بنا پر سینکڑوں غیر مسلموں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسلام قبول کرلیا۔

شہید کا دوسرا معنی اور تصور شہادت

شہد یشہد شہوداً کا ایک معنی "کسی چیز کو پالینا" ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (البقرۃ ۲: ۱۸۵)

پس جو کوئی تم میں سے یہ مہینہ پاوے (رمضان میں زندہ ہو) تو وہ اس ماہ کے پورے روزے رکھے۔

اس معنی کے اعتبار سے شہید کا معنی ہو گا "کسی چیز کو پالینے والا"

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس معنی کے اعتبار سے شہادت کا مفہوم کیا ہے؟ اور شہید بالآخر کس چیز کو پالیتا ہے؟ اس سوال کا جواب ہمیں حدیث نبوی ﷺ سے ملتا ہے۔ اللہ رب العزت نے عالم برزخ، عالم عقبیٰ اور جنت میں ایک مرد مومن کے لئے جن انعامات اور احسانات کا وعدہ فرمایا ہے اور اس بندے کو جو نعمتیں اور سعادتیں عطا کی جائیں گی شہادت کی موت کے دروازے سے گزرتے ہی وہ اللہ تعالیٰ کے سارے وعدوں کو عملاً پالیتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

للشهيد عند الله ست خصال تغفر له في اول دفعة من دمه ويرى مقعده من الجنة و يجار من عذاب القبر و يامن من فزع الاكبر و يحلى حلة الايمان و يزوج من الحور العين و يشفع في سبعين انسانا من اقاربه

(سنن ترمذی، فضائل الجہاد)

اللہ کے ہاں شہید کے لئے چھ انعامات ہیں (اول تو) یہ کہ خون بہتے ہی اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے (دوم) وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے۔ (سوم) اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ (چہارم) قیامت کی گھبراہٹ اور خوف سے محفوظ رہے گا۔ (پنجم) اسے ایمان کا لباس پہنایا جاتا ہے اور حوروں سے اس کا نکاح کیا جاتا ہے (ششم) اسکے رشتہ داروں میں سے اسے ستر آدمیوں کی شفاعت کی اجازت دی جاتی ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ کے انعامات یوں تو ہر مومن پاتا ہے لیکن باقی

لوگوں کو اللہ کے انعامات حاصل کرنے میں وقت لگتا ہے۔ انہیں حساب و کتاب' نکیرین کے سوال و جواب اور ثواب و عذاب کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے تب کہیں ایک آدمی اللہ کے وعدوں کی منزل تک پہنچتا ہے لیکن شہادت کی موت وہ دروازہ ہے کہ جو ایک ہی قدم میں سارے مرحلوں کو عبور کرا دیتا ہے ادھر روح قفس عنصری سے پرواز کرتی ہے ادھر شہید اسی لمحے وہ سارے انعامات حاصل کرلیتا ہے جو عالم برزخ اور عالم آخرت سے متعلق ہیں اسی لئے اسے شہید کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اس سے وعدہ فرمایا تھا وقت شہادت اس نے وہ پالیا۔

شہید کا تیسرا معنی اور تصور شہادت

شهد يشهد شهودًا کا ایک معنی **الحضور مع المشاهدة اما بالبصر او بالبصيرة** (المفرادات للامام راغب اصفهانی) یعنی موجودگی' مشاہدہ کے ساتھ' خواہ یہ مشاهدہ سر کی آنکھ سے ہو خواہ دل کی آنکھ کے ساتھ' اس معنی کی رو سے شہید کا معنی ہو گا "مشاہدہ کرنے والا" قرآن و سنت کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ آخر شہید کس شئے کا مشاہدہ کرتا ہے کہ اسے شہید کہا جاتا ہے اور اس نسبت سے شہادت کا مفہوم کیا ہے؟

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ادھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے والے کی روح اس کے جسم کے پنجرے سے نکلتی ہے اور وہ جام شہادت نوش کرتا ہے' ادھر سارے حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں اور اس لمحے شہید اللہ تعالیٰ کے حسن مطلق کا مشاہدہ اور حسن صفات کا دیدار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار وہ نعمت ہے جو **(الا ماشاء الله)** ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی چونکہ شہادت کی موت اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کے صفاتی حسن کے جلووں کے حصول کا ذریعہ ہے لہٰذا اس مرنے والے شخص کو شہید اور اس کی موت کو شہادت کہتے ہیں۔

جنت مین لاتعداد لوگ داخل ہوں گے اور ایسے خوش و خرم ہوں گے کہ جنتیوں میں کوئی بھی شخص ایسا نہ ہو گا جو جنت میں پہنچ کر پھر دنیا میں واپس جانے کی

خواہش کرے اس لئے کہ جنت راحتوں کا مرکز ہے اور اللہ تعالٰی کے انعام و اکرام اور سرور و انبساط کا سرچشمہ ہے۔

جنت کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ أَنفُسُكُمْ (الفصّلٰت ۴۱:۳۱)

اور تمہارے لئے وہاں وہ سب کچھ موجود ہے جو تمہارا جی چاہے۔

دنیا میں تو انسان خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے مگر جنت میں چونکہ ہر خواہش پوری ہو گی لہٰذا اس کے بعد انسان کی جستجو ختم ہو جائے گی اور اس کی تلاش کا اختتام ہو جائے گا گویا یہ وہ مقام خوبی ہے جس سے بہتر مقام کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ البتہ شہید کا دل جنت میں بھی ہر وقت یہ چاہتا رہے گا کہ کاش! ایک بار پھر دنیا میں جاؤں۔ دس بار زندگی ملے اور دس بار شہید ہو جاؤں۔ پلٹ کر شہادت کی موت ہو اور شہادت کی موت کے وقت جو لذت ملی تھی وہ بار بار چکھوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما احد یدخل الجنۃ یحب ان یرجع الی الدنیا و لہ ما علی الارض من شئی الا الشھید یتمنی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات لما یری من الکرامۃ

(صحیح البخاری، کتاب الجہاد)

کوئی ایسا شخص نہیں جو جنت میں داخل ہو اور دنیا میں واپس لوٹنے کی تمنا کرے خواہ اسے دنیا کا سارا سازو سامان دے دیا جائے ماسوائے شہید کے۔ وہ آرزو کرتا ہے کہ دنیا کی طرف لوٹے پھر دس دفعہ قتل کیا جائے کیونکہ وہ شہادت کا درجہ دیکھ چکا

شہادت کی موت کا مزہ کیسا ہے؟ اگر ہمیں اس کا اندازہ و احساس ہو جائے تو شائد ہم ایک لمحہ بھی زندہ رہنے کی خواہش نہ کریں۔ شہادت کی موت کا مزہ تو ایسا مزہ

ہے کہ بندے کو جنت میں بھی قرار نہیں آتا' وہ جنت میں بھی دنیا میں واپس لوٹ جانے اور بار بار شہادت کی موت کا پیالہ پینے کی آرزو کرتا ہے۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یؤتیٰ بالرجل من اھل الجنۃ فیقول اللہ عز و جل یا ابن ادم کیف وجدت منزلک؟ فیقول ای رب خیر منزلٍ فیقول سل و تمن فیقول اسئلک ان تردنی الی الدنیا فاقتل فی سبیلک عشر مرات لما یری من فضل الشہادۃ

(سنن نسائی' کتاب الجہاد' باب ما یتمنیٰ اہل الجنۃ)

جنت والوں میں سے ایک شخص لایا جائے گا پھر اللہ رب العزت اسے ارشاد فرمائے گا "اے آدم کے بیٹے! تجھے کیسا ٹھکانا ملا؟" وہ کہے گا "اے مجھے بہترین جگہ ملی" پھر اسے خداوند قدوس فرمائے گا کہ "مانگو اور کسی چیز کی خواہش کرو۔" وہ کہے گا "میری آرزو یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے پھر دنیا کی طرف بھیج تاکہ میں تیری راہ میں دس دفعہ شہید کیا جاؤں" (یہ سوال وہ اس لئے کرے گا) کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کا مقام و مرتبہ دیکھ چکا ہو گا۔

وقت شہادت اپنے مولا کی بارگاہ میں جان کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے شہید کو جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ اسے جنت کی ساری نعمتوں سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ خواہش کرتا ہے کہ اسے بار بار دنیا میں واپس بھیجا جائے تاکہ وہ ہر بار اللہ کی راہ میں شہید ہو سکے۔

شہید کو وقت شہادت حسن مطلق کے جلوے کی جو لذت نصیب ہوتی ہے وہ ہر وقت اسی لذت میں کھویا رہتا ہے' اسی تصور میں مگن رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ کاش وہ لذت اسے بار بار حاصل ہو۔ جس طرح کوئی شخص موسم بہار میں کسی باغ کی سیر کرے۔

باغ میں خوب سبزہ ہو' ہر طرف خوبصورت پھول مہک رہے ہوں' کلیاں چٹک رہی ہوں' ٹھنڈی ٹھنڈی اور بھینی بھینی ہوا چل رہی ہو' پرسکون ماحول ہو' اور ایسے راحت افزا مناظر آدمی نے پہلے کبھی نہ دیکھے ہوں تو اس شخص کو یہ سماں اور نظارہ بڑا بھلا لگے گا۔ وہ سالہا سال بعد بھی آنکھیں بند کر کے ان مناظر کے تصور سے لطف اندوز ہو گا۔ یہ تصور اسے کبھی خواب میں بھی آجائے تو وہ ایک کیف محسوس کرتا ہے۔ یہ دنیا کی خوبصورتی اور حسن جو اس نے دیکھا ہے وہ ہے جو کہ فانی اور ناقص حسن ہے۔ اس ناقص اور فانی حسن کو دیکھ کر کیف و سرور آتا ہے اور سالہا سال بعد بھی انسان اس کا تصور کر کے لطف اندوز ہوتا ہے تو پھر اس حسن کے دیکھنے کا عالم کیا ہو گا جس سے سارے حسنوں نے جنم لیا ہے' جو سارے حسینوں اور جمیلوں کو حسن و جمال کی خیرات تقسیم کرنے والا ہے جب اس حسن کا جلوہ بے نقاب ہوتا ہو گا تو جو نگاہیں اس حسن کا دیدار کرتی ہوں گی ان کا کیا عالم ہوتا ہو گا!

شہادت میں موت کی تکلیف چیونٹی کے کاٹنے کے برابر

اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کی موت' ایسی خوش بختی اور سعادت کی موت ہے کہ روح کے قفس عنصری سے پرواز کرتے ہی حسن مطلق کا جلوہ بے نقاب ہو جاتا ہے اور بندہ اس کے دیدار میں گم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہید کو شہادت کے وقت محض اتنی تکلیف محسوس ہوتی ہے جتنی کہ کسی مچھر یا چیونٹی کے کاٹنے سے انسانی جسم کو محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مایجد الشهید من مس القتل الا کما یجد احدکم من مس القرصة

شہید کو بوقت شہادت اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی ایک کو چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔

(سنن ترمذی' ابواب الجهاد)

شہید کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دیتے ہوئے تکلیف محسوس نہ ہونے کی وجہ

یہ کہ وہ بندہ وقت شہادت اللہ تعالیٰ کے حسن کے جلوے اور مشاہدے میں غرق ہوتا ہے اس پر ایک تو کیا ہزاروں تلواریں چل جائیں تو بھی اسے تکلیف کا کوئی احساس تک نہ ہو۔

قرآن مجید سے دلیل

حسن الٰہی کے جلووں میں گم عشاق کی گردنیں بھی کاٹ دی جائیں تو انہیں کیونکر تکلیف محسوس ہو جب کہ اس سے بدرجہا کم تر حسن، حسن یوسف میں یہ تاثیر تھی کہ اس کا مشاہدہ کرنے والیوں نے بے خودی میں ہاتھ کاٹ لئے اور انہیں ذرا تکلیف کا احساس بھی نہ ہوا یہ واقعہ ایک واضح دلیل ہے کہ ایسی حالت میں تکلیف تو ہوتی ہے، احساس نہیں ہوتا۔

سورہ یوسف میں ہے کہ جب زنانِ مصر نے زلیخا پر حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت سے یہ الزام لگایا کہ تو شاہِ مصر کی بیوی ہو کر ایک غلام پر فریفتہ ہو گئی ہے تو اس نے اس تہمت سے اپنا دامن پاک اور زنان مصر میں اپنی قدر و منزلت بحال کرنے کی خاطر زنان مصر کو دعوت پر بلا کر اس پیکر حسن و جمال کی ایک جھلک ان کو بھی دکھانے کا فیصلہ کیا کیونکہ دلائل سے بات کسی کی سمجھ میں آنے والی نہ تھی۔ چنانچہ دعوت کے روز زلیخا نے زنان مصر کو قطار میں بٹھا کر ہاتھوں میں پھل اور چھریاں تھمادیں اور کہا کہ شروع کیجئے۔ جب ان خواتین نے پھل کھانا شروع کیا تو زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنی غلطی کا اعتراف کر کے آپ سے درخواست کی کہ آپ کی فطرت میں برائی کا جواب برائی سے دینا نہیں ہے۔ سو میری غلطی کو نظرانداز فرمایئے اور زنان مصر کے سامنے میری عزت بحال فرمادیجئے جس کی تدبیر یہ ہے کہ جہاں زنان مصر بیٹھی ہوئی ہیں وہاں سے چہرے پر سے پردہ ہٹا کر گزر جایئے تاکہ وہ ایک بار آپ کے چہرہ اقدس کو دیکھ سکیں۔ اس طرح انہیں میری مجبوری اور بے بسی کا اندازہ ہو جائے اور ان کی زبانیں بند ہو جائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام، زلیخا کی درخواست پر جب زنان مصر کے پاس سے گزرے تو زنان مصر کی کیفیت کو قرآن پاک نے یوں بیان

کیا ہے:

فَلَمَّا رَأَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ

(یوسف' ۱۲:۳۱)

پس جب انہوں نے یوسف کو دیکھا تو اس کی بڑائی بولنے لگیں اور (مبہوت ہو کر پھل کی جگہ) اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور (بے ساختہ) بول اٹھیں "خدا کی پناہ! یہ آدمی نہیں یہ تو کوئی بزرگ (نورانی) فرشتہ ہے"۔

حسن یوسف علیہ السلام کے نظارے کا یہ عالم ہے کہ زنان مصر نے اس میں گم ہو کر اپنے ہاتھوں کو کاٹ لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ یہ اس حسن کی تاثیر ہے جو کہ ناقص ہے تو حسن حقیقی اور حسن کامل کے دیدار کا عالم کیا ہو گا! یقیناً حسن الٰہی کے جلووں میں گم عشاق کی گردنیں اگر کٹ بھی جائیں تو انہیں پتہ بھی نہ چلتا ہو گا۔

شہید کا چوتھا معنی اور تصور شہادت

شھد یشھد شھوداً کا ایک معنی "مدد کرنا" ہے۔ اس اعتبار سے شہید کا معنی ہو گا "مددگار"۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیت کریمہ میں شہید "مددگار" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

(البقرة' ۲:۲۳)

اور اگر اس (قرآن کے من جانب اللہ ہونے) کے متعلق جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا تم شک و شبہ میں ہو تو اس جیسی ایک چھوٹی سورت تم (بھی) بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں (ان سب کو بھی) بلا لو اگر تم (اپنے شک اور انکار میں) سچے ہو۔

مذکورہ معنی کے اعتبار سے ہم دیکھتے ہیں کہ شہید کس کا مددگار ہوتا ہے اور اس معنی کی رو سے تصور شہادت کیا ہے؟

شہید اپنی جان کا نذرانہ اپنے مولا کی راہ میں پیش کر کے اللہ کے دین اپنی قوم اور ملک وملت کی مدد کرتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کا چراغ بجھا کر اپنی قوم کی زندگی کا چراغ روشن کر جاتا ہے۔ خود مر کر اوروں کو جینے کا سلیقہ سکھا جاتا ہے۔ اللہ کے دین اور ملک وملت کے لئے مرنا تو ظاہری اعتبار سے ہے ورنہ حقیقت میں وہ اس ظاہری موت کے دروازے سے گزر کر ایسی زندگی پالیتا ہے کہ جس کے بعد موت کا تصور ہی نہیں ہے اسی لئے قرآن مجید نے کہا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ
(البقرۃ ۲: ۱۵۴)

اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو (وہ مردہ نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو ان کی حیات کا شعور نہیں۔

اللہ کے راستے میں جان قربان کرنے والے کو مردہ نہ کہو کیونکہ اس نے تو ایسی موت قبول کی ہے جو ہزاروں مردوں کو زندہ رہنے کا سلیقہ سکھا گئی ہے اس نے خود موت کو گلے لگا کر قوم کو زندہ کر دیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص ماچس کے ذریعے چراغ جلائے اور آگے چراغ سے چراغ جلا تا جائے۔ اب اگر کوئی ماچس کی تیلی کے وجود کو دیکھے تو وہ سمجھے گا کہ یہ تو جل کر راکھ ہو گئی ہے لیکن اگر وہ اس ماچس کی تیلی کے جلنے کے انجام اور نتیجے کو دیکھے تو اسے پتہ چلے گا کہ اس ماچس کی ایک تیلی نے اپنے وجود کو جلا کر ہزاروں وجودوں کو روشن کیا ہے اور ہزاروں بجھے ہوئے چراغوں کو روشنی عطا کی ہے۔ اسی طرح شہید نے اپنی جان اپنے مولا کی راہ میں قربان کر کے بظاہر تو موت کو گلے لگایا ہے لیکن در حقیقت اس نے پوری قوم کو زندگی عطا کی ہے اور خود وہ ایسی زندگی میں داخل ہو گیا ہے جو کہ اس دنیا کی زندگی سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام ۶:۱۶۱)

اللہ کے دربار میں جو کوئی ایک نیکی لاتا ہے تو اس کے لئے اس کا دس گنا (ثواب) ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اصول مقرر فرمادیا ہے کہ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اسے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر عطا کیا جاتا ہے تو جو شخص ایک جان کا نذرانہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے تو اس سے بہتر دس جانیں عطا کی جانی چاہیں اور ایک جان رکھنے والے اگر زندہ ہیں تو ایک جان دے کر دس جانیں پانے والے کس طرح مردہ ہو سکتے ہیں؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران ۳:۱۶۹)

اور ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے تم (اپنے خیال و گمان میں) مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس (کیفیت حیات کے لطف اٹھا رہے ہیں) کھاتے پیتے ہیں۔

اللہ کی راہ میں جو شہید ہو گئے ہیں انہیں مردہ کہنا تو درکنار مردہ گمان بھی نہ کرو۔ کبھی بھول کر بھی نہ سوچو کہ وہ مر گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں رزق دیئے جاتے ہیں۔

نہ صرف یہ کہ بلکہ مزید فرمایا:

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (آل عمران ۳:۱۷۰)

خوش ہیں ان (نعمتوں) پر جو انہیں اللہ نے اپنے فضل (و کرم) سے عطا کی ہیں اور خود بھی اللہ کی طرف سے بشارتیں پاتے ہیں (اور بشارتیں دیتے ہیں) ان لوگوں کو جو ابھی ان سے نہیں ملے اور پیچھے رہ گئے ہیں (یعنی جن لوگوں کو

ابھی شہادت حاصل نہیں ہوئی لیکن
اللہ کے علم میں انکی شہادت ہے) کہ
ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ غم
وملال۔

وہ خود بھی خوش ہیں اور دوسروں کو بھی خوشخبری دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ راستہ بڑے لطف و کرم والا ہے۔ اس راستے میں غم، خوف اور ملال نہیں بلکہ خوشیاں اور راحتیں ہیں۔

شہید کا پانچواں معنی اور تصور شہادت

شھد یشھد شھودًا کا ایک معنی "گواہی دینا" ہے اس معنی کی رو سے شہید کا معنی ہوگا "گواہی دینے والا" یعنی گواہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (البقرۃ، ۲:۲۸۲)

(لین دین کے معاملات میں) اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ کرلیا کرو۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شہید کس بات کی گواہی دیتا ہے اور اس معنی کے اعتبار سے تصور شہادت کیا ہے؟

یوں تو زندگی میں انسان ہزارہا گواہیاں دیتا ہے کبھی اپنے قول سے گواہی دیتا ہے اور کبھی اپنے عمل سے گواہی دیتا ہے۔ مقصود یہ ہوتا ہے کہ حق بات ثابت ہو جائے۔ قول اور عمل سے بڑھ کر سب سے بڑی گواہی یہ ہے کہ انسان کسی بات کو حق ثابت کرنے کے لئے اپنی جان قربان کردے۔ اس کا جان قربان کردینا اس بات کی دلیل ہے کہ جس مقصد کے لئے اس نے جان قربان کی ہے اس مقصد کو اس نے حق جانا ہے۔ شہید اپنی جان پر کھیل کر اور جام شہادت نوش کر کے اللہ کے دین کے حق ہونے اور قوم کی قدروں کے حق ہونے پر گواہی دیتا ہے۔ اس گواہی پر اللہ رب العزت اسے جو صلہ عطا فرماتا ہے اسے ایک حدیث صحیحہ میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو سعید

خدری ؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یا ابا سعید من رضی باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد (ﷺ) نبیا وجبت له الجنة" فعجب لها ابو سعید فقال اعدها علی یا رسول اللہ (ﷺ) ففعل ثم قال واخری یرفع بها العبد مائة درجة فی الجنة ما بین کل درجتین کما بین السماء والارض قال: وما ھی یا رسول اللہ (ﷺ) قال الجهاد فی سبیل اللہ، الجهاد فی سبیل اللہ، الجهاد فی سبیل اللہ

(صحیح مسلم، کتاب الامارات، باب ما اعدّ اللہ تعالیٰ للمجاهد فی الجنة")

اے ابوسعید: جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے سے اور اسلام کے دین ہونے سے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے سے راضی ہوا اس کے لئے جنت واجب ہوئی۔ یہ سن کر حضرت ابو سعید خدری ؓ نے تعجب کیا اور کہا پھر فرمایئے یا رسول اللہ ﷺ آپ نے پھر فرمایا کہ ایک اور عمل ہے جس سے بندے کو سو درجے ملیں گے اور ہر درجہ سے دوسرے درجہ تک زمین اور آسمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدری ؓ نے عرض کیا وہ کون سا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا "اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔"

اللہ تعالیٰ شہید کی اس گواہی کے بدلے میں نہ صرف یہ کہ اس کی خطاؤں کو معاف اور گناہوں پر قلم عفو پھیر دیتے ہیں بلکہ جنت میں اس کو سو بلند درجات عطا فرماتے ہیں اور یہ درجات اتنے بلند ہوتے ہیں کہ ہر دو درجوں کے درمیان زمین اور آسمان کے درمیان کی مسافت جتنا فاصلہ ہوتا ہے۔

باب دوم

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کی انفرادیت

شہادت اللہ کی نعمتوں میں سے ایک گراں بہا نعمت ہے۔ جن خوش نصیب حضرات کو یہ نعمت میسر آتی ہے ان انعام یافتہ بندوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:

مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ

(النساء، ۴:۶۹)

جو کوئی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے۔ پس وہی ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے جو کہ انبیا، صدیقین شہداء اور صالحین ہیں۔

مذکورہ آیہ کریمہ میں شہداء کو اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں میں شامل کیا گیا ہے اور شہداء کو صالحین پر فضیلت دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی جو نعمتیں اور فضل و کمال باقی مخلوق کو عطا فرمائے ان تمام کو آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات مبارکہ میں جمع فرمایا ہے اور حدیث مبارکہ:

انا سید ولد ادم یوم القیامۃ

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل)

میں قیامت کے دن بنی آدم کا سردار ہوں گا۔

کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تمام فضائل و کمالات آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات مبارکہ میں موجود ہوں۔ آقا علیہ الصلوۃ واسلام کا فرمان ہے۔

ان اللہ بعثنی لتمام مکارم الاخلاق وکمال محاسن

اللہ رب العزت نے مجھے اعلیٰ اخلاق اور عمدہ افعال کو کمال بخشنے کے لئے

الافعال بھیجا ہے۔
(مشکوۃ المصابیح' باب فضائل سید
المرسلین) شہادت بھی ایک کمال اور اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے بلکہ یہ تو ایسی نعمت ہے کہ اس کی نبی اکرم ﷺ کو بھی آرزو تھی چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مسلمانوں کے دل میں اس سے رنج نہ ہو تا کہ میں ان کو چھوڑ کر جہاد کے لئے نکل جاؤں اور میرے پاس اتنی سواریاں نہیں ہیں کہ سب کو ساتھ لے جاؤں تو میں ہر اس گروہ کے ساتھ نکلتا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے جاتا ہے۔

والذی نفسی بیدہ لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل
(صحیح بخاری' کتاب الجہاد' باب تمنی الشہادۃ)

اور قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں' پھر مارا جاؤں۔

مگر اللہ کا وعدہ **وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ** (المائدہ'۵:۶۷)
"اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا" آپ کے اللہ کی راہ میں شہید ہونے سے مانع تھا اور یہ بھی ضروری تھا کہ نبی کی دعا قبول ہو اور یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ شہادت کی خواہش پوری نہ ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خواہش کو یوں پورا فرمایا کہ آپ کے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کہ جنہیں آپ اپنا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے' کو آپ ﷺ کے جوہر شہادت کے ظہور تام کے لئے منتخب فرمایا۔ چنانچہ شہادت حسینؓ سیرت النبی ﷺ کا باب بھی بن گئی۔

نبی اکرم ﷺ کی دعا کی تکمیل اور سیرت النبی ﷺ کا ایک باب ہونے کی حیثیت سے شہادت امام حسین کو دوسری شہادتوں میں ایک خاص امتیاز تو حاصل ہے ہی مگر بعض دیگر امور کی بناء پر بھی اسے ایک انفرادیت حاصل ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

شہرت کے اعتبار سے انفرادیت

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت چونکہ اصل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت تھی اور یہ محض حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہی نہ تھی بلکہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک باب تھی اس لئے ضروری تھا کہ اس شہادت کو اتنا چرچا اور شہرت ملے کہ اس کے مقابلے میں کسی اور شہادت کو وہ مقام حاصل نہ ہو سکا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی شہادت کی شہرت اور چرچا ان کے شہید ہونے کے بعد ہوتا ہے مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا چرچا ان کے شہید ہونے سے پہلے ہو چکا تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں کھیلتے تھے اس وقت سے ہی آپ نے حضرت امام حسین کی شہادت کا تذکرہ عام کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور آنحضرت کی چچی ہیں، ان سے مروی ہے کہ ایک روز وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج رات میں نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ سخت ڈراؤنا ہے۔ (نہ تو میں اس کو بیان کرنا پسند کرتی ہوں اور نہ آپ اس کو سن کر پسند کریں گے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مجھے سناؤ تو سہی) وہ کیا ہے؟ حضرت ام فضل نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا گویا آپ کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹا گیا ہے اور میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ یہ سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ (اس کی تعبیر یہ ہے کہ) انشاء اللہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا جو تمہاری گود میں دیا جائے گا (کیونکہ خاندان کی عورتوں میں تمہارا ہی رشتہ بڑا ہے اور تم اس لڑکے کی زیادہ بہتر طور پر تربیت کر سکو گی) چنانچہ حضرت فاطمہ کے ہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور (جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا) انہیں میری گود میں دے دیا گیا۔ پھر ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور حسین کو آپ کی گود میں دے کر ذرا دوسری طرف متوجہ ہو گئی اور پھر (مڑ کر میں نے جو آپ کی طرف نظر اٹھائی تو) کیا دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے"

حضرت ام فضل کہتی ہیں:

فقلت یا نبی اللہ بابی انت و امی مالک؟ قال اتانی جبرئیل علیہ السلام فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی ھذا فقلت ھذا قال نعم و اتانی بتربۃ من تربتہ حمراء

(مشکوۃ المصابیح' باب مناقب اہل بیت)

میں نے پوچھا اے اللہ تعالیٰ کے نبی! ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کو کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا ابھی میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ میری امت (یعنی مسلمانوں ہی سے بعض لوگوں کی جماعت) میرے اس بیٹے کو عنقریب قتل کر دے گی۔ میں نے پوچھا "کیا اس بیٹے کو؟" آپ نے کہا "ہاں" یاد رہے مجھے اس خاک زمین کی مٹی میں سے کچھ مٹی دی جو کہ سرخ تھی۔

حضرت ام سلمہؓ کو مٹی عطا فرمانا

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ابھی بچے تھے کہ آقائے دو جہاں ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو اس جگہ کی مٹی عطا فرمائی جہاں امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پانا تھی۔

چنانچہ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں میرے گھر میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھیل رہے تھے کہ جبرئیل امین علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمد! ﷺ بے شک اپ کی امت میں سے ایک جماعت آپ کے اس بیٹے حسین کو آپ کے بعد قتل کر دے گی اور آپ کو (وہاں کی تھوڑی سی) مٹی دی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس مٹی کو اپنے سینہ مبارک سے چمٹالیا اور روئے پھر فرمایا:

"یا ام سلمہ اذا تحولت ھذہ التربۃ"

اے ام سلمہؓ! جب یہ مٹی خون میں

دما فاعلمی ان ابنی قد قتل فجعلتها ام سلمۃ فی قارورۃ ثم جعلت تنظر الیھا کل یوم و تقول ان یوما تحولین دما لیوم عظیم
(الخصائص الکبریٰ' ۲ : ۱۲۵' سرالشہادتین' ۲۸' المعجم الکبیر للطبرانی ۳:۱۰۸)

بدل جائے تو جان لینا کہ میرا یہ بیٹا قتل ہو گیا۔ ام سلمہؓ نے اس مٹی کو بوتل میں رکھ دیا تھا اور وہ ہر روز اس کو دیکھتیں اور فرماتیں اے مٹی! جس دن تو خون ہو جائے گی وہ دن عظیم ہو گا۔

مقام شہادت کی نشاندھی

نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے ہی خبر دے دی تھی بلکہ جس مقام پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پانا تھی اس مقام کی نشاندہی بھی فرما دی تھی۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اخبرنی جبرئیل ان ابنی الحسین یقتل بعدی بارض الطف وجاء نی بھذہ التربۃ فاخبرنی ان فیھا مضجعہ
(سرالشہادتین' ۲۴)

مجھ کو جبرئیل امین نے خبر دی کہ میرا بیٹا حسین میرے بعد زمین طف[1] میں قتل کر دیا جائے گا اور جبرئیل میرے پاس (اس زمین کی) یہ مٹی لائے ہیں اور انہوں نے مجھے بتایا کہ یہی مٹی حسین کا مدفن ہے۔

ارض کربلا---------شہادت گاہ حسین رضی اللہ عنہ

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے کئی سال پہلے صحابہ کرامؓ کے درمیان یہ بات شہرت پا چکی تھی کہ آپ کی شہادت کربلا کے مقام پر ہو گی۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بارش برسانے پر مامور فرشتے نے اللہ تعالیٰ

[1] طف کوفے کے پاس ایک جگہ ہے جو اب "کربلا" کے نام سے مشہور ہے۔

سے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت مانگی جو مل گئی۔ اس دن حضور ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے گھر تشریف فرما تھے فرشتے کی آمد پر رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔

"اے ام سلمہ! دروازے کا خیال رکھنا کوئی اندر داخل نہ ہو۔"

اس اثناء میں کہ آپ دروازے پر نگہبان تھیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آئے اور بزور اندر چلے گئے۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کندھوں پر جا چڑھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کو گود میں لے کر چومنے لگے تو فرشتے نے عرض کی:

اتحبہ؟ قال: نعم قال' ان امتک ستقتلہ' وان شئت اتیک المکان الذی یقتل فیہ فضرب بیدہ فاراہ ترابا احمر فاخذتہ' ام سلمۃ فصرتہ فی طرف ثوبھا قال: فکنا نسمع انہ تقتل بکربلاء

(الخصائص الکبریٰ' ۲: ۱۲۵ ' سرالشہادتین: ۲۵ ' الصواعق المحرقہ: ۱۹۲)

کیا آپ اس کو محبوب رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" فرشتے نے کہا "بے شک آپ کی امت اس کو قتل کردے گی اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھادوں جہاں یہ قتل کئے جائیں گے پس اس نے اپنا ہاتھ مارا اور آپ کو سرخ مٹی دکھا دی۔ وہ مٹی ام سلمہؓ نے لے لی اور اپنے کپڑے کے کونے میں باندھ لی۔ راوی فرماتے ہیں "ہم سنا کرتے تھے کہ حسین کربلا میں شہید ہوں گے۔"

اس طرح حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ ایک دن محبوب خدا ﷺ کروٹ کے بل سو رہے تھے کہ اچانک جاگ پڑے اور آپ پریشان وملول تھے۔ آپ کے ہاتھ میں سرخ مٹی تھی جس کو آپ الٹتے تھے میں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسی مٹی ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

اخبرنی جبرئیل ان ھذا یعنی الحسین یقتل بارض العراق و ھذہ تربتھا

(الخصائص الکبریٰ، ۲: ۱۲۵، سرالشہادتین: ۲۷)

مجھے جبرئیل امین نے خبر دی ہے کہ یہ حسین عراق کی سرزمین پر قتل کر دیا جائے گا اور یہ وہاں کی مٹی ہے۔

یہ مٹی آقا علیہ الصلوۃ نے حضرت ام سلمہؓ کے سپرد فرمائی تھی اور فرمایا تھا:

یا ام سلمہ اذا تحولت ھذہ التربۃ دما فاعلمی ان ابنی قد قتل

(المعجم الکبیر للطبرانی، ۳: ۱۰۸)

اے ام سلمہ! جب یہ مٹی خون میں بدل جائے تو جان لینا کہ میرا بیٹا حسینؓ قتل ہو گیا ہے۔

ایک لطیف نکتہ

یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ جو کہ حضور اکرم ﷺ کو اپنی سب ازواج میں سے زیادہ محبوب تھیں ان کو مٹی عطا نہیں فرمائی اور نہ ہی کسی اور زوجہ مطہرہ کے سپرد فرمائی بلکہ حضرت ام سلمہؓ کے حوالے فرمائی اور فرمایا کہ اے ام سلمہ! جب یہ مٹی خون میں بدل جائے تو یہ سمجھ لینا کہ میرا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اپنی نگاہ نبوت سے یہ دیکھ رہے تھے کہ میرے بیٹے کی شہادت کے وقت ازواج مطہرات میں سے صرف ام سلمہؓ ہی زندہ ہوں گی۔ چنانچہ جب واقعہ کربلا ظہور پذیر ہوا اس وقت صرف ام سلمہؓ ہی زندہ تھیں، حضور اکرم ﷺ کی باقی تمام ازواج مطہرات وفات پا چکی تھیں۔

سن شہادت کی نشاندہی

محبوب خدا ﷺ نے نہ صرف یہ کہ اس جگہ کی نشاندہی فرما دی تھی جہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت فرمانا تھی بلکہ اس سن کی طرف اشارہ بھی فرما دیا تھا جس سن و سال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہونے والی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

تعوذ باللہ من سنہ" ستین و امارۃ الصبیان	ساٹھ ہجری کے سال اور لڑکوں کی امارت (حکومت) سے اللہ کی پناہ مانگو۔
(البدایہ والنہایہ لابن کثیر' ۸:۲۳۱)	

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ ہجری کے سال سے پناہ مانگنے کا حکم ارشاد فرمایا تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ساٹھ ہجری میں میرے جگر کے ٹکڑوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جائیں گے اور انہیں بڑی بے دردی سے شہید کر دیا جائے گا۔ یہ صرف چند افراد کی ہلاکت ہی نہیں ہو گی بلکہ اس سے پوری امت مسلمہ اس طرح ہلاکت کا شکار ہو گی کہ ہمیشہ کے لئے اس کا شیرازہ بکھر جائے گا اور آپس میں اس قسم کے اختلافات پیدا ہوں گے جو ہمیشہ امت کی تباہی و بربادی کا سبب بنتے رہیں گے۔

امارۃ الصبیان' سے پناہ مانگنے کا حکم ارشاد فرما کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا تھا کہ اس وقت کے حکمران فہم و فراست سے عاری اور دین میں کمزور و ضعیف ہوں گے۔ نیز مذکورہ حدیث پاک سے واضح ہوتا ہے کہ دین میں کمزور لوگوں کی حکومت و امارت ساٹھ ہجری سے شروع ہو گی اور یزید ساٹھ ہجری میں ہی تخت نشین ہوا تھا بلکہ یزید کے بارے میں تو آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے کہ یہ پہلا شخص ہو گا جو عدل و انصاف کے نظام کو تباہ کرے گا۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایزال امر امتی قائما بالقسط حتی یثلمہ' رجل من بنی امیہ" یقال لہ یزید	میری امت کا امر (حکومت) عدل کے ساتھ قائم رہے گا یہاں تک کہ پہلا شخص جو اسے تباہ کرے گا وہ بنی امیہ میں سے ہو گا جس کو یزید کہا جائیگا۔
(البدایہ والنہایہ لابن کثیر' ۸:۲۳۱)	

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ساٹھ ہجری سے پناہ مانگنا

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یزید کے بارے میں جو باتیں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہوئی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان کا علم تھا۔ اسی لئے وہ دعا کیا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذبک من رأس الستین و امارۃ الصبیان (الصواعق المحرقہ:۲۲۱)	اے اللہ! میں ساٹھ ہجری کی ابتداء اور لڑکوں کی حکومت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو انسٹھ ہجری میں وفات دے دی۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان اقدس سے نہ صرف یہ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت' جائے شہادت اور سن شہادت کو پہلے سے بتلا دیا گیا تھا بلکہ اس بات کی بھی پہلے سے نشاندہی کی جاچکی تھی کہ میدان کربلا میں اہل بیت کرام کے خیمے کس کس جگہ نصب ہوں گے اور کس کس جگہ پر ان کا خون بہے گا۔ چنانچہ حضرت اصبغ بن بنانہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

اتینا مع علی موضع قبر الحسین فقال ھھنا مناخ رکابھم و موضع رحالھم و مھراق دمائھم فتیۃ من اٰل محمد صلی اللہ علیہ وسلم **یقتلون بھذہ العرصۃ تبکی علیھم السماء والارض** (الخصائص الکبریٰ' ۲:۱۲۶' سرالشہادتین:۳۱)	ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قبر حسین رضی اللہ عنہ کی جگہ پر آئے تو آپ نے فرمایا یہ ان کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ اور یہ ان کے کجاوے رکھنے کی جگہ ہے اور یہ ان کے خون بہنے کا مقام ہے۔ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک گروہ اس میدان میں شہید ہو گا جس پر زمین و آسمان روئیں گے۔

اسی طرح حضرت یحییٰ حضرمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سفر صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ تھا۔ جب آپ نینوا کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا"

"اے ابو عبداللہ! فرات کے کنارے صبر کرنا"

میں نے عرض کیا' "یہ کیا؟"

آپ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل نے بتایا ہے:

ان الحسین یقتل بشط الفرات	حسین فرات کے کنارے قتل ہو گا اور
وارانی قبضۃ" من تربتہ	مجھے وہاں کی مٹی دکھائی۔

(الخصائص الکبریٰ' ۲: ۱۲'

سر الشہادتین: ۳۰)

الغرض شہادت حسین رضی اللہ عنہ پر اتنی صریح شہادتیں اور واضح دلائل موجود ہیں کہ حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی ہر خاص و عام میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا چرچا ہو چکا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ماکنانشک واھل البیت	ہمیں اور اکثر اہل بیت کو اس بات میں
متوافرون ان الحسین بن علی	کوئی شک و شبہ نہ تھا کہ حسین بن علیؓ
یقتل بالطف	طف (کربلا) میں شہید ہوں گے۔

(الخصائص الکبریٰ' ۲: ۱۲۶'

سر الشہادتین: ۳۰)

راہ عزیمت اختیار کرنے کی وجہ

جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تو لوگوں نے رخصت کی راہ دکھائی اور کہا کہ کوفی بے وفا ہیں' وہ دھوکہ کریں گے۔ اس کے باوجود آپ کے قدم منزل شہادت کی طرف کشاں کشاں بڑھ رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ جانتے تھے کہ اتنی مدت کے انتظار کے بعد آج وہ مبارک گھڑی آ رہی ہے جس گھڑی میں میرے نانا جی ﷺ کے جوہر شہادت کا ظہور تام ہونا قرار پایا ہے۔ وہ خود کو خوش نصیب تصور کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے جسم کو شہادت عظمیٰ کے لئے منتخب فرمایا ہے' لہٰذا وہ لوگوں کے مشوروں سے رک کر اپنے

آپ کو اس عظیم نعمت سے محروم کیوں کر لیتے؟ ان کی چشم بصیرت اس امر کو بھی دیکھ رہی تھی کہ حضرت فاطمہ الزہراء روحانی طور پر کربلا کے میدان میں اپنے مقدس دودھ کی تاثیر دیکھنے کے لئے منتظر ہوں گی کہ جسے میں نے اپنے پاک دودھ سے پالا ہے وہ آج امتحان میں کس طرح سرخ رو ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے مقدس خون کا رنگ دیکھنے کے لئے بے تاب ہوں گے اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کندھے پر سواری کرائی تھی اور سجدے کے دوران حسین کے پشت پر بیٹھ جانے کی صورت میں ان کے از خود اتر جانے تک سر نہیں اٹھاتے تھے' وہ بھی اس بات کے منتظر ہوں گے کہ آج میرا بیٹا میرے جوہر شہادت کا ظہور تام کس طرح بنتا ہے اور میری سیرت کی کتاب میں شہادت کا باب کس طرح رقم کرتا ہے' میرے کندھوں پر سواری کرنے والا حسین میرے دین کی آبیاری کس طرح کرتا ہے۔

چنانچہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ جب میدان کربلا پہنچے تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو بار ہا کہا کہ شہادت میرا مقدر ہو چکی ہے۔ مجھ کو تو شہید ہونا ہے لیکن میں تم پر شہادت ٹھونسنا نہیں چاہتا۔ تم میں سے جس کسی نے جانا ہے رات کے اندھیرے میں چلا جائے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ چونکہ آپ کو معلوم تھا کہ میری شہادت جوہر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور تام کے لئے مقدر کر دی گئی ہے اس لئے آپ نے جان دینے سے خود کو بچانے کی کوئی کوشش نہ کی۔ وہ کسی بھی لمحہ زندگی میں بارگاہ خداوندی میں اس انجام سے بچنے کی دعا کرتے نظر نہیں آتے۔ اگر آپ دعا کرتے تو ممکن تھا کہ کربلا میں پانسا پلٹ جاتا اور اہل بیت کے ایک ایک فرد کے شہید ہونے کی بجائے یزیدی لشکر تہس نہس ہو جاتا۔ دعا سے حالات تو بدل جاتے لیکن اس طرح جوہر شہادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ممکن نہ ہوتا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اگر چاہتے تو آسمان کی طرف توجہ فرماتے' خدا کی ذات قدیر بادلوں کو حکم کرتی' وہ برستے اور پیاس کی کوئی صورت نہ رہتی لیکن یہ شہادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور تھا اور شہادت جتنی مظلومیت اور غربت کی حالت میں ہو'

جتنی بے کسی کی حالت میں ہو' اسی قدر رتبے میں بلند سے بلند تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پانی پی کر بھی شہید ہو سکتے تھے لیکن پانی پی کر شہید ہونا اور بات تھی اور پیاس کی شدت میں تڑپ تڑپ کر شہید ہونا اور بات ہے۔ مظلومیت کی یہ ساری کیفیات جوہر شہادت کے ظہور کو نقطہ کمال تک پہنچانے کے لئے تھیں۔ اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایڑی رگڑنے سے چشمہ پیدا ہو سکتا ہے تو نواسۂ رسول رضی اللہ عنہ کے لئے یہ بعید نہ تھا کہ آپ کے حکم سے میدان کربلا میں پانی کے کئی چشمے بہہ نکلتے۔ اگر آپ فرات کی طرف اشارہ کرتے تو فرات اپنا رخ بدل کر آپ کے قدموں میں آجاتا۔ الغرض آپ جو چاہتے خدا تعالیٰ کی ذات وہ کر دیتی مگر نہ آپ نے چاہا اور نہ خدا تعالیٰ کی ذات نے ایسا کیا۔ اس لئے کہ یہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا باب رقم ہونے والا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری زندگی میں رقم نہ ہو سکا تھا۔

تمام آزمائشیں شہادت حسین رضی اللہ عنہ میں مجتمع

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت دس محرم الحرام کو بڑی شہرت' چرچے اور تحمل کے ساتھ رونما ہوئی۔ تمام قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آزمانے کی جو جو صورتیں بیان کی ہیں مثلاً وطن سے نکال دیا جانا' پریشانیوں میں مبتلا کیا جانا اور اللہ کی راہ میں جان کا قربان کرنا وغیرہ' وہ سارے کے سارے طریقے اور سب کی سب آزمائشیں شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ اور معرکہ کربلا میں مجتمع نظر آتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جوہر شہادت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور تھا۔ اگر کوئی ایک آزمائش بھی باقی رہ جاتی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوہر شہادت کا ظہور نقطہ کمال پر نہ ہوتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ میں تمام آزمائشوں کو جمع کر دیا۔

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا مشہود بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونا

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کو دوسری شہادتوں سے اس اعتبار سے بھی امتیاز حاصل ہے کہ دوسری شہادتیں مشہود بالملائکہ ہوتی ہیں جب کہ حضرت امام حسین

رضی اللہ عنہ کی شہادت مشہود بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ دوسری شہادتوں میں چونکہ فرشتے حاضر ہوتے ہیں لہٰذا فرشتوں کی حاضری کے سبب وہ شہادتیں مشہود بالملائکہ ہوتی ہیں۔ مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ وہ خوش قسمت شہید ہیں کہ جب آپ کی شہادت کا وقت آیا ملائکہ تو ملائکہ خود تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے کی شہادت کے وقت موجود تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک سے روح کو قبض کیا گیا۔

چنانچہ حبرالامۃ، ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یری النائم ذات یوم بنصف النهار اشعث اغبر بیده قارورة فیها دم فقلت: بابی انت و امی ما هذا؟ قال: هذا دم الحسین و اصحابه ولم ازل التقطه منذالیوم فاحصی ذالک الوقت فاجد قتل ذالک الوقت

(مشکوٰۃ المصابیح، باب مناقب اہل البیت)

ایک دن دوپہر کے وقت میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دیکھا جیسے کوئی سونے والا کسی کو دیکھتا ہے (یعنی خواب میں) کہ آپ کے بال بکھرے ہوئے اور گرد آلود ہیں اور آپ کے ہاتھ میں ایک بوتل ہے جو خون سے بھری ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ کیا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے جس کو میں آج سارا دن (صبح سے لے کر اب تک بوتل میں) اکٹھا کرتا رہا ہوں" (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے اس وقت کو یاد رکھا (جس وقت یہ خواب دیکھا تھا) پس میں

نے پایا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ
اسی وقت شہید کئے گئے تھے۔

ایک مغالطے کا ازالہ

ذہن میں یہ مغالطہ نہیں پیدا ہونا چاہئے کہ کربلا کے میدان میں تو بہتر کے قریب افراد شہید ہوئے تھے۔ اتنے افراد کا خون ایک شیشی میں کیسے آگیا؟ یہ تو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے جس طرح حدیبیہ کے مقام پر چودہ سو صحابہ کرام کے وضو کے لئے پانی ایک لوٹے میں سما گیا تھا اور جس طرح ستر کے قریب اصحاب صفہ ایک پیالہ دودھ سے سیراب ہو گئے تھے اسی طرح ان بہتر نفوس قدسیہ کا خون ایک شیشی میں جمع ہو گیا۔ چونکہ یہ معجزہ ہے لہٰذا اس کو عقل کے مادی پیمانوں پر نہیں پرکھا جانا چاہئے کہ معجزہ عقل و خرد سے بالاتر ہوتا ہے۔

حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی روایت

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت زندہ تھیں ان کے بارے میں حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

دخلت علی ام سلمہ" و ھی تبکی فقلت: ما یبکیک؟ قالت: رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام و علی رأسہ و لحیتہ التراب فقلت: مالک یارسول اللہ قال: شھدت قتل الحسین أنفا

(سنن ترمذی، ابواب المناقب)

میں حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ وہ رو رہی تھیں میں نے پوچھا "آپ کیوں رو رہی ہیں؟" حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا؛ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سر اور داڑھی مبارک پر گرد و غبار ہے۔ میں نے عرض کیا" یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا بات ہے؟ (یہ گرد و غبار کیسا ہے) آپ نے فرمایا

"میں نے ابھی ابھی حسین رضی اللہ عنہ کو
شہید ہوتے دیکھا ہے"۔

مذکورہ احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت مشہود بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھی۔

شہادت حسین رضی اللہ عنہ مشہود بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کی وجہ

شہید کی موت کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں تاکہ وہ اعزاز کے ساتھ اس کی روح کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جاسکیں اور فرشتوں کے جھرمٹ میں ایک جلوس کی شکل میں شہید کی روح کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موجود ہونے کا سبب یہی نظر آتا ہے کہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ تھا کہ یہ شہادت کائنات کی تمام شہادتوں سے نرالی ہے۔ آپ سمجھتے تھے کہ جس بے بسی، بے کسی اور ظلم و استبداد کے عالم میں میرے حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا جائے گا اس وقت ضروری ہے کہ میں حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا ہوں تاکہ مجھے دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ کی جرأت و بہادری قائم رہے اور اسی جرأت و بہادری اور عزم و استقلال کی حالت میں وہ اپنی جان، جان آفرین کے حوالے کردے۔

بلا تشبیہ و بلا تمثیل جس طرح کشتی لڑتے ہوئے ایک پہلوان کو اپنے استاد کی موجودگی میں ڈھارس رہتی ہے اور اس کا حوصلہ قائم رہتا ہے ممکن ہے ایسے ہی حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی کی وجہ سے عزم و استقلال کا پیکر بن کر میدان کارزار میں ڈٹے رہے ہوں، آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی نگاہوں کے سامنے رہے ہوں اور یہ فرما رہے ہوں کہ بیٹے حسین! آج نیزے کی نوک پر سوار ہو کر میرے کندھوں پر سواری کی لاج رکھ لینا۔ کربلا کے تپتے صحرا میں شدت پیاس کی حالت میں اپنی جان قربان کر کے میری چوسی ہوئی زبان کا لحاظ رکھ لینا۔ اے حسین! علی شیر خدا کا خون تیری رگ و ریشہ میں دوڑ رہا ہے۔ آج اس خون کے تقدس، میری بیٹی فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پئے ہوئے پاکیزہ دودھ کی لاج رکھ لینا۔

چنانچہ حضرت امام عالی مقامؓ نے اپنے نانا جان ﷺ کی اس حوصلہ افزائی پر جرأت و شجاعت کے ساتھ اپنے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کروادیئے لیکن پیشانی پر بل بھی نہ آنے دیا۔ یوں آپ نے حضرت علیؓ و فاطمہؓ کے لختِ جگر اور آقائے دوجہاں ﷺ کے لاڈلے ہونے کا حق ادا کر دیا۔

شہادت کے بعد گواہی دینا

شہادت کا ایک معنی گواہی دینا ہے۔ شہید اپنی جان قربان کر کے اللہ تعالیٰ کے ہونے اور اس کے دین کے برحق ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ شہداء جن کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کر دیا گیا' کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَاۤءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ	اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔

(البقرۃ' ۲:۱۵۴)

شہید زندہ ہوتے ہیں مگر ان کی زندگی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوتی ہے کسی شخص نے شہید ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس قول کی کہ شہید زندہ ہوتے ہیں' گواہی نہیں دی لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے کہ آپ کے سرِ انور نے کٹ کر اور نیزے پر چڑھ کر شہداء کے زندہ ہونے کی گواہی دی اور یہ ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کا شہداء کے زندہ ہونے کے بارے میں قول سچا ہے۔

کٹے ہوئے سر کی گواہی

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے کٹے ہوئے سر کا نیزے پر چڑھ کر بول پڑنا شہداء کے زندہ ہونے کی واضح اور ناقابل تردید دلیل ہے۔

حضرت منہال بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم: جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو نیزے کے اوپر چڑھائے گلیوں اور بازاروں میں پھرایا جا رہا تھا تو

میں اس وقت دمشق میں تھا، میں نے بچشم خود دیکھا کہ سر مبارک کے سامنے ایک شخص سورہ کہف پڑھ رہا تھا۔ جب وہ اس آیت پر پہنچا **"اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَھْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا** (الکھف، ۹:۱۸) "کہ کیا تو نے نہیں جانا کہ بے شک اصحاب کہف اور رقیم ہماری نشانیوں میں سے ایک عجوبہ تھے" تو اللہ تعالیٰ نے سر مبارک کو قوت گویائی دی اور اس نے بزبانِ فصیح کہا:

اعجب من اصحب الکھف قتلی و حملی	اصحاب کہف کے واقعہ سے میرا قتل اور میرے سر کو لئے پھرنا زیادہ عجیب ہے۔

(سر الشہادتین: ۳۵، نور الابصار: ۱۴۹، شرح الصدور: ۸۸)

بلا شبہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قتل کیا جانا اور آپ کو نیزے پر چڑھا کر پھرایا جانا یہ اصحاب کہف کے واقعہ سے عجیب تر ہے کیونکہ اصحاب کہف جن لوگوں کے خوف سے گھربار، سازوسامان وغیرہ چھوڑ کر نکلے اور غار میں چھپے تھے، وہ کافر تھے لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آپ کے اہل بیت اور باقی ساتھیوں کے ساتھ ظلم و ستم اور انتہائی بے حرمتی کرنے والے ایمان اور اسلام کے دعوے دار تھے۔ اصحاب کہف ولی اللہ تھے اصحاب کہف سال ہا سال کی نیند کے بعد اٹھے اور بولے لیکن بہر حال وہ زندہ تھے مگر امام پاک رضی اللہ عنہ کے سر انور کا جسم سے جدا ہونے کے کئی روز بعد نیزے کی نوک پر بولنا یقیناً اصحاب کہف کے واقعہ سے عجیب تر ہے۔

راوی کے اعتبار سے فرق

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کا دوسری شہادتوں سے ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ دوسری شہادتیں تو وقوع پذیر ہونے کے بعد لکھی اور درج کی جاتی ہیں یا بیان کیا جاتا ہے مگر شہادت امام حسینؓ ایسی شہادت ہے کہ جس کا ذکر شہادت سے پچاس برس پہلے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کر دیا تھا۔ پھر یہ کہ دوسری شہادتوں کے راوی عام لوگ ہوتے ہیں مگر اس شہادت کے راوی خود آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواج مطہرات اور

صحابہ کرامؓ ہیں۔ اوروں کی شہادتیں عظیم سہی مگر ان کی شہادتوں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں فرق یہ ہے کہ دوسرے جب میدان شہادت کی طرف جاتے ہیں تو اگر چہ ان کا شہید ہونے کا عزم اور ارادہ ہوتا ہے مگر کسی کو اس بات کی خبر نہیں ہوتی کہ واقعی اسکو شہادت نصیب ہوگی یا وہ غازی بن کر لوٹے گا۔ جب کہ امام عالی مقام صحابہ کرامؓ اجمعین کی طرف سے روکنے کے باوجود کشاں کشاں میدان کربلا کی طرف بڑھ رہے تھے تو یقیناً آپ اپنی شہادت کے انجام سے باخبر تھے۔ آپ جانتے تھے کہ کربلا کے ریگ زار میں شہادت میرا انتظار کر رہی ہے۔ آپ اپنا سفر کیسے ترک فرمادیتے کہ آپ نے تو پچاس برس سے زائد کا عرصہ عشق الٰہی میں اور محبوب حقیقی کے ہجرو فراق میں تڑپ تڑپ کر گزارا تھا۔ آپ تو اس فرات کے کنارے اور ریگ زار کربلا کو ترس رہے تھے۔ آپ کو تو اس لمحے کا انتظار تھا جب فراق ختم ہوگا اور پھر گردن پر تلوار چلے گی ادھر محبوب حقیقی کے حسن کا جلوہ بے نقاب ہوگا۔ عاشق اپنے انجام سے ڈرا نہیں کرتے' عشاق کے قدم تو محبوب کے چہرے کی زیارت کے لئے کشاں کشاں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ نے ہر ہر منزل پر رک رک کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں کسی اقتدار کے حصول کے لئے نہیں جارہا۔ اس سفر کا انجام دردناک ہو سکتا ہے۔ اس لئے میں تمہیں کھلے دل سے اجازت دیتا ہوں کہ جس کا جی چاہے چلا جائے۔ میں اس سے وعدہ کرتا ہوں کہ ناراض نہیں ہوں گا۔ اگر کسی کو دن کے اجالے میں چھوڑ جانے میں جھجک ہے تو رات کے اندھیرے میں چلا جائے مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن ہر کسی نے کہا کہ امام عالی مقامؓ:

"آج اس غربت کے سفر میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر چلے گئے تو کل قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں کیا منہ دکھائیں گے۔"

کیا معرکۂ کربلا دو شہزادوں کی جنگ تھی؟

کچھ لوگوں کی یہ بات سن کر حیرت بھی ہوتی ہے اور تعجب بھی کہ معرکہ کربلا

دو شہزادوں کی جنگ تھی اور ان لوگوں کی پست سوچ پر افسوس ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ اقتدار کی جنگ تھی۔ نادانو! حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پیش نظر یہ اقتدار کی جنگ کیسے ہو سکتی ہے؟ انہیں تو بچپن ہی سے معلوم تھا کہ میں کربلا کا سفر کروں گا اور وہاں مجھے جام شہادت نصیب ہو گا۔ انہیں تو آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان مبارک سے بہت پہلے علم ہو چکا تھا کہ میرا عراق کی سرزمین پر سفر' سفر شہادت ہو گا۔

وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ دو شہزادوں کی اور اقتدار کی جنگ تھی انہیں یا تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ معاذ اللہ حضرت امام حسینؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان مبارک پر یقین نہیں تھا۔ اگر ایسی بات نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اقتدار کے لیے نہیں جا رہے تھے بلکہ وہ تو اپنے انجام شہادت کی طرف بڑھ رہے تھے۔

پورے گھرانے کی قربانی

تاریخ اسلام میں اور بھی بہت سی شہادتیں ہوئی ہیں اور ہر شہادت کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے مگر شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی دوسری شہادتوں کے مقابلے میں اہمیت اور اطراف واکناف عالم میں اس کی شہرت دوسری سب شہادتوں سے بڑھ کر اس لئے ہے کہ اس میں شہید ہونے والوں کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص نسبتیں ہیں۔ پھر یہ کہ یہ داستان شہادت گلشن نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی ایک پھول پر مشتمل نہیں بلکہ یہ سارے کے سارے گلشن کی قربانی ہے۔ باقی واقعات شہادت ایک' دو' تین یا چار نفوس کی شہادت پر مشتمل ہیں مگر واقعہ کربلا گلشن نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیسیوں پھولوں کے مسلے جانے کی داستان ہے۔ لہٰذا تاریخ کے کسی بھی دور میں امت مسلمہ واقعہ کربلا' اس کی تفصیلات اور اس کی اہمیت کو فراموش نہیں کر سکتی۔ مگر اس کے باوجود بعض نادان لوگ نادانی کے باعث یا اہل بیت پاک کی محبت سے محرومی اور اپنی بد بختی کے باعث جو کہ بغض اہل بیت کی شکل میں ان کے اندر جاگزیں ہے' واقعہ کربلا کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں اور وہ معاذ اللہ اس واقعہ کو دو شہزادوں کی جنگ قرار دیتے

ہیں۔ واقعہ کربلا کو دو شہزادوں اور اقتدار کی جنگ قرار دینا بہت بڑا ظلم ہے' منافقت کی براہ راست حمایت ہے' حق سے عمداً اعراض ہے اور اسلام کی تاریخ مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ مگر ان ساری کوششوں کے باوجود بالآخر یہ کہنا پڑتا ہے۔

ے قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

باب سوم

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک باب

اگر تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو دور اول سے لے کر آج تک دو حقیقتیں ایسی ہیں کتابوں میں جن کی اس قدر تفصیل ملتی ہے اور انہیں اتنی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ شاید ہی کوئی اور حقیقت شہرت اور تفصیلات کے اعتبار سے اس درجہ تک پہنچ سکے۔ ان دو حقیقتوں میں سے ایک تو سیرت النبی ﷺ ہے جب کہ دوسری حقیقت شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ ہے۔

سیرت النبی ﷺ اور شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی انفرادیت

بے شمار بانیانِ ادیان مختلف انسانی طبقات کی راہنمائی کے لئے تشریف لائے۔ ان کی سیرت و سوانح پر ان کے پیروکاروں نے متعدد کتابیں لکھیں لیکن نبی اکرم ﷺ کے علاوہ آج تک کسی طبقہ اور قوم میں کوئی ایسا رہبر نہیں ہے جس کی ولادت سے لے کر وفات تک کی زندگی کے تمام گوشوں اور پہلوؤں کی تفصیل موجود ہو۔ یہ صرف آپ ﷺ کی ذات بابرکات ہی ہے جس کی ہمیں اتنی تفصیل ملتی ہے کہ پیدائش سے لے کر وفات تک آپ ﷺ کی جلوت و خلوت کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو عالم انسانیت کے سامنے موجود نہ ہو۔ چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود سیرت النبی ﷺ کا کوئی گوشہ ہماری نگاہوں سے اوجھل نہیں۔ اس لحاظ سے حضور اکرم ﷺ کی سیرت ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے۔

اسی طرح تاریخِ حق و باطل میں خیر و شر کے لاکھوں معرکے برپا ہوئے' ہزاروں شہادتیں ہوئیں' بالخصوص اسلام کا اولین دور لاتعداد عظیم شہادتوں سے لبریز ہے لیکن آج تک کسی شہادت کو اس قدر شہرت' قبول عام اور ہمہ گیر تذکرہ نصیب نہیں ہو سکا جتنا شہادت امام حسینؓ کو ہوا ہے۔ ساڑھے تیرہ سو سال گزر جانے کے باوجود بھی شہادت امام حسینؓ کا ذکر زندہ و تابندہ ہے۔ اس کی شہرت اور تذکروں میں آج تک کمی نہیں ہوئی' یہ پھیلتا ہی جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ حسینیتؓ ہر طبقہ میں حق اور

یزیدیت ہر طبقہ میں فتنہ و فساد کی علامت بن گیا ہے۔

شہادت حسینؓ------سیرت النبی ﷺ کا ایک باب

اگرچہ بعض انبیاء علیہم السلام اور بعض جلیل القدر صحابہ کرامؓ بھی شہادت کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے مگر حیرت انگیز امر یہ ہے کہ باوجود نبی نہ ہونے کے جو شہرت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکی۔

نبی اکرم ﷺ کے تذکرے کو خاتم النبیین ہونے کے ناطے تاقیامت زندہ اور تابندہ رہنا ہے۔ چونکہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت آفاقی اور عالمگیر ہے' زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہے۔ اس لئے یہ آپ کے مبارک تذکرے کا ہی امتیازی شرف ہے کہ وہ ہمیشہ قائم رہے اور کبھی مٹنے نہ پائے لیکن یہی رنگ اگر شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے ذکر میں بھی نظر آئے تو ذہن اس طرف جاتا ہے کہ کہیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کی مبارک کتاب ہی کا کوئی باب تو نہیں؟ اور یہ کہ شہادت بھی حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا ہی گوشہ نہ ہو جو آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی میں رقم نہ ہو سکا ہو اور باری تعالیٰ نے سیرت النبی ﷺ کے اس گوشے کے ظہور تام کے لئے آپ کے بیٹے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو منتخب کرلیا ہو۔

در حقیقت شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کا دائمی تذکرہ اور شہرت اسی وجہ سے ہے کہ یہ شہادت دراصل سیرت النبی ﷺ کی کتاب کا ایک باب ہے۔ حضور ﷺ کی سوانح کے مختلف گوشوں میں سے ایک گوشہ ہے اور آپ کے فضائل و کمالات میں سے ایک کمال اس شہادت کا وجود سیرت مصطفوی ﷺ سے الگ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرف و قبولیت کا جو رنگ ہمیں سیرت النبی ﷺ میں نظر آتا ہے اسی رنگ کی جھلک آقائے دوجہاں ﷺ کی سیرت کے طفیل شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ میں بھی ہے۔

یہ ثابت کرنے سے پہلے کہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ سیرت النبی ﷺ کا ایک

باب ہے تمہید کے طور پر پہلے ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ شہادت بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں میں شہداء کو بھی شامل فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ارشاد ربانی ہے۔

مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُوْلٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ (النساء، ۴:۶۹)

جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ اللہ کے انعام یافتہ بندوں، انبیاء، صدیقین، شہداء، اور صالحین کے ساتھ ہو گا۔

اور یہی وہ انعام یافتہ بندے ہیں جن کے راستے کو اللہ تعالیٰ نے الصراط المستقیم فرما کر خود سے اس راستے کی طرف راہنمائی مانگنے کی تلقین فرمائی ہے۔

سورۃ فاتحہ اور طلب ہدایت

سورۃ فاتحہ میں تمام مسلمانوں کو اس دعا کی تلقین کی گئی ہے:

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (الفاتحہ، ۱:۵،۶)

(اے اللہ) ہمیں سیدھی راہ پر چلا ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔

"اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" کے الفاظ کے ساتھ بارگاہ الوہیت میں انسان کے ضمیر سے یہ ندا بلند ہوتی ہے کہ اے رب العالمین! ہمیں بتادے کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ ہمارا نصب العین اور منزل حیات کیا ہے. جس کے حصول کے لئے ہم زندہ ہیں اور ہمیں تگ و دو کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جب مقصد کا شعور بیدار ہو جاتا ہے اور منزل حیات متعین ہو کر سامنے آجاتی ہے تو بندے کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے پکار اٹھتی ہے کہ اے ہدایت عطا فرمانے والے! اب ہمیں منزل مقصود تک پہنچادے لیکن ہدایت کا مقصد انہی دو تقاضوں سے پورا نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس منزل تک پہنچنے کی یقینی ضمانت بھی میسر آئے کیونکہ زندگی کا یہ پر پیچ سفر بڑا پر خطر ہے۔ کئی قوتیں انسان کو سیدھی راہ

سے بھٹکانے پر لگی ہوئی ہیں۔ شیطان کا سب سے بڑا حملہ بھی صراط مستقیم پر ہی ہوتا ہے۔ قرآن مجید خود شاہد ہے کہ ابلیس نے بارگاہ الوہیت میں قسم کھا کر کہا تھا:۔

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ (الاعراف' ۷:۱۶)	میں ضرور بالضرور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے تیری راہ میں تاک لگا کر بیٹھوں گا۔

اس لئے عین ممکن ہے کہ کوئی شخص منزل اور صحیح راستے کی خبر پاکر سفر پر نکلے لیکن راستے میں بھک جائے اور باوجود پوری تگ و دو کے منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے۔ لہذا بندہ دعا کرتا ہے کہ اے کامیابی عطا کرنے والے! مجھے دولت استقامت سے نواز دے تاکہ میں بالیقین اپنی منزل کو پاسکوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں صحیح راستے پر چلتے چلتے بھٹک جاؤں اور پھر منزل کا سراغ نہ مل سکے۔ اس لئے مجھے اس راہ پر چلا جو محفوظ و مامون ہو جس میں نہ راہزنوں کا خوف ہو نہ شیطان کے بہکاوے کا ڈر اور جس پر چلنے سے ایسی استقامت نصیب ہو کہ مقصد حاصل ہو کر رہے۔

چنانچہ ہدایت کے مضمون اور صراط مستقیم کے معنی کو مشخص اور معین کرنے کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ساتھ ہی فرمایا دیا:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ' ۱:۶)	ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔

صراط مستقیم کا مفہوم

صراط مستقیم کی وضاحت کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ صراط مستقیم اللہ کے انعام یافتہ بندوں کا راستہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو لوگوں کو دعا مانگنے کی تلقین یوں بھی فرما سکتا تھا کہ اے میرے بندو! یوں دعا مانگا کرو۔ "اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت دے وہ سیدھی راہ جو تیرے قرآن کی راہ ہے' اس وحی کی راہ جو تو نے آسمان سے نازل فرمائی۔" اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ چشمہ ہدایت تو قرآن اور وحی خداوندی ہے لیکن اگر فقط یہی کہا جائے کہ اللہ کا قرآن اور اللہ کی وحی

سیدھی راہ ہے تو یہ ایک تصوراتی شے ہوتی نہ کہ واقعاتی! کیونکہ کوئی نظریہ عملی شکل تب اختیار کرتا ہے جب شخصی صورت میں اس کا کوئی نمونہ پیش کیا جائے اور انسانیت محض تصور و نظریے سے اس وقت تک ہدایت حاصل نہیں کر سکتی جب تک وہ نظریہ اور تصور کسی انسانی شخصی نمونہ کے طور پر آنکھوں کے سامنے نہ ہو کہ انسان محسوسات کو معقولات کی نسبت بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔

بعثت انبیاء کا مقصد

انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہدایت مشخص صورت میں لوگوں کے سامنے ہو اور ان شخصی نمونوں کو دیکھ کر انسانیت ہدایت حاصل کرے۔ اگر محض اللہ کی وحی اور کلام الٰہی سے مخلوق کو ہدایت دینے کا مقصد پورا ہو سکتا تو اللہ تعالیٰ زمین پر انبیاء علیہم السلام کو کبھی مبعوث نہ فرماتا بلکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ وہ اپنا پیغام ہدایت وحی و الہام کی صورت میں ہر شخص تک براہ راست پہنچا دیتا۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ نے مثال دیتے ہوئے ایک بڑی پیاری بات کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ آج ہر شخص اٹھتا تو اللہ تعالیٰ کا کلام، اس کی ہدایت اور اس کا پیغام کاغذوں کی صورت میں اس کے سرہانے پڑا ہوا مل جاتا جس پر لکھا ہوتا کہ یہ میرا کلام اور میرا حکم ہے اس پر عمل کرو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ کروڑوں انسانوں کو ہدایت دینے کے لئے ایک شخص کو نمونہ بنایا، ہدایت کو مشخص کر دیا اور فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	بے شک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات اقدس تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

(الاحزاب، ۳۳: ۲۱)

مشخص ہدایت عطا کرنے کی حکمت

صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، کانوں سے سنا، آپ

کی مجلس میں بیٹھے، آپ کے ساتھ سفر کیا، حضر میں رہے، معاملات سمجھے، مسائل پوچھے، جواب لیا۔ چونکہ براہ راست شخصی رابطہ تھالہٰذا ہدایت مشخص ہو کر آنکھوں کے سامنے آگئی اور عملی نمونہ پیش کرنے کا مقصد پورا ہو گیا۔

جب حضور اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا تو آپ کا یہ عملی نمونہ حدیث اور سنت کے نام سے کتابی شکل میں محفوظ ہو گیا۔ اگرچہ ہمارے سامنے آپ ﷺ کا عملی نمونہ آگیا مگر ایک کتابی شکل میں کہ ہم حضور ﷺ کے ارشادات کو براہ راست سننے، شکل نورانی دیکھنے اور خدمت اقدس میں بیٹھنے سے محروم ہیں۔ گویا کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی زیارت اور آپ سے استفادہ کا جو موقعہ صحابہ کرامؓ کو میسر تھا اب وہ ہمیں میسر نہیں اور نہ ہی قیامت تک کسی کو میسر آئے گا۔

قرآن مجید اور حدیث پاک کتابی شکل میں ہمارے پاس موجود ہیں جس طرح قرآن مجید کی تفسیر پر اختلاف ہوتا ہے اسی طرح احادیث کے مفہوم کے تعین پر بھی اختلاف ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ایسا کوئی اختلاف صحابہ کرام ؓ کی زندگی میں نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ ہمہ وقت حضور ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ اگر کبھی کسی کو اختلاف ہوتا تو وہ آقائے دوجہاں ﷺ سے دریافت کر کے اس اختلاف کو دور کر لیتا تھا۔ مگر اب اگر کسی کو قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح پر اختلاف ہو جائے جیسا کہ امت میں ہوتا رہا ہے اور ہر کوئی یہ دعوٰے کرے کہ جو مفہوم میں بیان کر رہا ہوں یہی درست ہے اور وہ مفہوم جو کسی اور نے بیان کیا ہے وہ غلط ہے تو اس کا کیا حل کیا جائے؟ اصل اتھارٹی کس کو مانا جائے جو یہ فیصلہ کرے کہ یہ درست ہے اور یہ غلط؟

ادھر یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہدایت کا سرچشمہ قرآن و سنت ہیں جس کا معنی یہ کہ مختلف تعبیرات (کتاب و سنت) میں سے ہی کوئی ایک حق اور واجب الاتباع ہے جس کا تعین ضروری ہے۔ اس کیلئے ایک معیار ہونا چاہئے جس پر پورا اترنے والا مفہوم ہی اصل مفہوم قرار پائے تو اللہ تعالیٰ نے وہ معیار یہ فرما کر مقرر کر دیا **صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ** -----الخ: کہ صحیح مفہوم اور تعبیر و تشریح کا تعین

چاہتے ہو تو آپس میں جھگڑنے کی بجائے اس کو میری مخلوق میں سے ان لوگوں کے طرز عمل پر پرکھو جن پر میرا انعام ہوتا ہے اور جو میرے غضب اور ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے طور طریقے ہی راہ راست ہیں۔ لہٰذا جو تعبیر و تشریح ان کی موافقت میں ہو' اپنا لو ورنہ چھوڑ دو۔

ہدایت اور گمراہی کا تعین انسانوں کے حوالے سے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی کو انسانوں کے حوالے سے متعین کیا ہے کہ جن لوگوں پر میرا غضب ہوا ہے وہ گمراہی کے نقیب ہیں اور جن لوگوں پر میرا انعام ہوا وہ راہ ہدایت کے۔ گویا قرآن مجید نے یہ سبق دیا ہے کہ اگر تم ہدایت کے متلاشی ہو تو وہ تمہیں عقل کے راستے سے نہیں ملے گی کیونکہ اگر تم قرآن و سنت کا ایک مفہوم ذہنوں میں متعین کر کے بیٹھ جاؤ اور کہو کہ یہی ہدایت قرآنی و ہدایت نبوی ﷺ ہے باقی سب غلط ہے تو یہ بے جا ضد ہے۔ اس سے فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایسا دعویٰ تو ہر شخص کر سکتا ہے بلکہ ہر گمراہ بھی یہی دعویٰ کرتا ہے۔

چنانچہ متلاشیان ہدایت کو اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے ذریعے فرماتا ہے کہ اے راہ ہدایت تلاش کرنے والو! آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ راہ ہدایت کونسی ہے! میں نے کروڑوں انسانوں میں اپنے نبی ﷺ کو سرچشمہ ہدایت بنا کر بھیجا ہے جو براہ راست میری ہدایت کو وصول کرتا ہے اور اسے عملی نمونے کے طور پر میری مخلوق کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسی طرح ہم نے اپنے رسول ﷺ کے فیض سے اس کی امت میں بھی ہر دور میں نمونے قائم کئے ہیں جن پر میری رحمتوں کا نزول مسلسل ہوتا رہتا ہے' میرے انعامات بارش کی طرح ان کے قلب و باطن میں گرتے رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا قلبی تعلق میرے محبوب ﷺ اور میری ذات کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کا ظاہر و باطن ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ یہی انعام یافتہ بندے ہیں اور اگر کسی جگہ اختلاف ہو جائے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو اصل بات کہی ہے وہ کونسی ہے؟ تو اس کا فیصلہ اپنی عقل سے نہ کرو بلکہ یہ دیکھو کہ میرے انعام یافتہ بندے کس راہ پر چلتے

ہیں۔ جس راہ پر وہ چلتے نظر آئیں اسی راہ کو اختیار کر لو۔ وہی راہ میرے رسول ﷺ کی راہ ہوگی اور وہی ہدایت کی راہ ہوگی۔

انعام یافتہ بندے کون ہیں؟

قرآن حکیم نے جب یہ بیان فرمایا کہ جن پر اللہ کا انعام ہوا ان کی راہ سیدھی راہ ہے تو ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے انعام یافتہ بندے کون سے ہیں؟ کیونکہ ہر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ انعام یافتہ ہے۔ چنانچہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ
(النساء '۴:۶۹)

جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا وہ اللہ کے انعام یافتہ بندوں انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔

فرمایا کہ چار طبقے میرے انعام یافتہ ہیں۔ پہلا طبقہ انبیاء کا دوسرا صدیقین' تیسرا شہداء اور چوتھا طبقہ صالحین کا ہے۔

کیا سرچشمہ ہدایت فقط انبیاء ہیں؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سرچشمہ ہدایت فقط انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی امت میں سے کسی اور سے ہدایت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ یہ خیال درست نہیں کیونکہ اگر ہدایت اور صراط مستقیم کے لئے مشخص فقط انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو بنایا جاتا اور ہدایت ان کے واسطے اور فیض سے آگے افراد امت تک نہ چلتی تو اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں کے زمرے میں فقط انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا ذکر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فقط فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ کہہ دینے پر ہی اکتفا فرماتا کہ جن پر میرا انعام ہوا ہے وہ انبیاء ہیں۔ اگر ایسی بات ہوتی تو وہ

لوگ جو نبی کی ظاہری زندگی کا زمانہ نہ پاتے' براہ راست دیکھ نہ سکتے' سن نہ سکتے' مجلس میں بیٹھ کر پوچھ نہ سکتے ان کے لئے پھر وہی ضرورت پیش آئے گی کہ کوئی ایسی مشخص شکل ہونی چاہئے کہ جس کا عملی نمونہ ان کے اختلافات میں فیصل ہو' جس کے عملی نمونہ کو دیکھ کر وہ حق و باطل' میں امتیاز کر سکیں۔ رسول کے بعد رسول کی سیرت کو جاننے کے لئے بھی کوئی نمونہ ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کا آئینہ دار رسول کو بنایا اور رسول کی ہدایت کا آئینہ دار صدیقین' شہداء' اور صالحین کو بنایا اور ہدایت کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری کر دیا۔

جو شخص یہ کہے کہ وہ فقط اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات مانے گا' قرآن و حدیث کی بات مانے گا۔ اس سے علاوہ کسی کی بات نہیں مانے گا۔ صدیقین' شہداء' صالحین' اولیائے کرام' آئمہ عظام' بزرگان دین اور اسلاف کی بات نہیں مانے گا وہ براہ راست قرآن کے حکم کے خلاف بغاوت کا مرتکب ہو گا اور در حقیقت اس نے اپنے ہی قول کے خلاف کیا ہے۔ قرآن کی بات تو اس نے مانی ہی نہیں کیونکہ قرآن پاک نے انبیاء علیھم الصلوۃ والسلام کے بعد بھی تین طبقات گنوائے ہیں اور سب کو اپنے انعام یافتہ بندے قرار دیا ہے۔ ان سب کی راہ اللہ کی ہدایت کی راہ ہے' صدیقین کی ہدایت کی راہ' شہداء کی ہدایت کی راہ اور صالحین کی ہدایت کی راہ۔ یہ ساری راہیں راہ نبوت میں سے پھوٹتی ہیں۔ سب نے ہدایت نبوت کے چراغ سے ہی روشنی لی ہے' سب کے وہیں سے چراغ جلے ہیں اور آگے چراغ سے چراغ جلتے جا رہے ہیں جب تک نسل انسانی موجود ہے پیکران ہدایت کے یہ مشخص نمونے اپنے چراغ ہدایت سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو راستہ دکھاتے رہیں گے۔

چار عظیم نعمتیں

اس دنیائے آب و گل اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات نے ہمیں لاکھوں کروڑوں نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ یہ نعمتیں جب اپنے آخری نقطۂ کمال کو پہنچتی

ہیں تو چار نعمتوں نبوت' صدیقیت' شہادت اور صالحیت میں منقسم ہو جاتی ہیں۔ یہ چار نعمتیں خدا کی عظیم نعمتیں ہیں۔ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ چار طبقات' طبقہ انبیاء' طبقہ صدیقین' طبقہ شہداء اور طبقہ صالحین کو عطا کی جاتی ہیں جیسا کہ سورہ النساء کی مذکورہ آیت مبارکہ سے واضح ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات جامع الصفات

یہ امر مسلمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی نعمتیں دنیا میں کسی کو عطا فرمائی ہیں ان تمام نعمتوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی میں جمع فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات جامع النعم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت ایسی نہیں ہے کہ اس سے آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات گرامی محروم ہو حسن یوسف ہو' دم عیسیٰ ہو یا ید بیضاء موسوی' سارے کمال اور حسن جو انبیائے کرام میں منتشر نظر آتے ہیں' وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں یک جا کر دیئے گئے ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ سارے کمال اور حسن آپ کی ذات اقدس میں جمع ہیں بلکہ اس طرح موجود ہیں کہ کوئی کمال' کوئی فضیلت اور کوئی حسن اس مقام سے آگے تجاوز نہیں کر سکتا جس پر آپ فائز ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

حسن یوسف' دم عیسیٰ' ید بیضاء داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ------------ جملہ نعمتوں کے تقسیم کنندہ

تمام نعمتوں کو باری تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے باقی مخلوق میں تقسیم فرماتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انما انا قاسم و اللہ یعطی — بے شک (اللہ کی ساری نعمتوں کو) میں تقسیم کرنے والا ہوں اور عطا اللہ کرتا ہے۔

(صحیح البخاری' کتاب العلم)

پس جس کسی کو بھی خدا کی کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ نبی اکرم ﷺ کے درِ انور ہی سے ملتی ہے۔ امام شرف الدین بوصیریؒ مشہور قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

وکلهم من رسول الله ملتمس

غرفا من البحر او رشفا من الديم

فان من جودک الدنيا و ضرتها

و من علومک علم اللوح والقلم

"وہ سب کے سب اللہ کے رسول ﷺ سے درخواست گزار ہیں جیسے کہ چلو بھر پانی سمندر سے اور ایک قطرہ بارش سے آپ کی سخاوت ہی سے دنیا و مافیہا ہے اور لوح و قلم کے علوم آپ کے علم کا حصہ ہیں کا ایک حصہ ہیں۔"

یا رسول اللہ ﷺ ! گروہ انبیاء کا ایک ایک فرد اور باقی دنیا کا بھی ایک ایک فرد بشر اپنا دامن مراد پھیلا کر تیرے خرمن جود و سخا کے سامنے کھڑا ہے۔ جس کسی کو جو چیز میسر آتی ہے وہ تیرے درِ انور سے ملتی ہے۔ بے شک تیرے دسترخوان پر دنیا کی نعمتیں بھی ہیں اور آخرت کی نعمتیں بھی ہیں اور لوح و قلم کا علم تیرے علم کا ایک حصہ ہے۔

گویا انبیاء کو نبوت کی نعمت، صدیقین کو صدیقیت، شہداء کو شہادت کی نعمت، صالحین کو صالحیت کی نعمت۔ الغرض اس دنیا میں خالق کائنات نے جس کسی کو جو بھی نعمت دی ہے وہ اپنے محبوب ﷺ کے دامن فیض سے عطا کی ہے۔

جملہ نعمتوں کا حصول بواسطہ مصطفیٰ ﷺ

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی ذات بابرکات کو جامع الصفات بنایا ہے اور اپنی جملہ نعمتوں کو نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ میں جمع فرمایا ہے اور یہ نعمتیں آپ کو اس درجہ کمال پر عطا فرمائی ہیں کہ دنیا کا کوئی فرد بشر جزوی طور پر بھی کسی نعمت میں آقائے دوجہاں ﷺ پر فضیلت نہیں رکھتا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء کو نبوت کی نعمت حضور ﷺ سے ملی کہ آپ خود

نبوت کی نعمت سے بہرہ ور تھے۔ صدیقین کو نعمت آپ کے دامن فیض سے ملی کہ آپ کا اپنا دامن صدیقیت سے مالا مال تھا۔ صلحاء کو صالحیت کی نعمت آپ ﷺ کے دامن رحمت سے ملی کہ خود آپ کی ذات اقدس صالحیت کی نعمت سے بہرہ ور تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب انبیاء کو نبوت کی نعمت نبوت مصطفےٰ ﷺ سے ملی، صدیقین کو صدیقیت کی نعمت، صدیقیتِ مصطفوی ﷺ سے ملی اور صالحین کو صالحیت کی نعمت صالحیت مصطفوی ﷺ سے میسر آئی۔ اگر یہ بات حق ہے تو شہداء کو شہادت کی نعمت کس طرح میسر آئی؟ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا اپنا دامن شہادت کی نعمت سے بظاہر خالی نظر آتا ہے کہ آپ کو اپنی ظاہری زندگی میں شہادت نہ مل سکی۔

نبی اکرم ﷺ کا وصف شہادت سے متصف ہونا ضروری ہے

یہ امر مسلمہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ پر کسی کو جزوی فضیلت بھی حاصل نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا اپنا دامن بظاہر شہادت کے وصف سے خالی نظر آتا ہے جب کہ کلی فضیلت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کا اپنا دامن بھی وصف شہادت سے متصف ہو اور اس طور پر کہ دنیا میں کسی اور کو ایسی شہادت نصیب نہ ہوئی ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ وصف شہادت کا آپ کی ذات اقدس میں پایا جانا دو وجوہات کی بناء پر ضروری ہے۔

پہلی وجہ:

حضور ﷺ کے وصف شہادت سے متصف ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اپنی تمام نعمتوں کا جامع اور افضل البشر بنایا ہے تو پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کا کوئی فرد بشر اللہ کی نعمتوں میں سے کسی نعمت میں جزوی طور پر بھی آپ ﷺ سے زیادتی حاصل نہ کرنے پائے اور آپ کی ذات بابرکات میں تمام نعمتیں اپنے آخری نقطہ کمال پر جمع ہوں۔

اب اگر ہم یہ کہیں کہ معاذ اللہ حضور ﷺ کا دامن شہادت کی نعمت سے خالی ہے (کہ آپ کو ظاہری زندگی میں شہادت نہ مل سکی) تو اس صورت میں وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دیگر لاکھوں کروڑوں انسان جنہیں شہادت کی نعمت ملی یہ تمام آپ ﷺ پر نعمت شہادت کے باعث جزوی فضیلت لے جائیں گے اور خدا تعالیٰ کی ذات کو یہ گوارا ہی نہیں کہ کوئی شخص نبی اکرم ﷺ سے (جو کہ نعمتوں کے مرکز و منبع ہیں اور تمام نعمتوں کے نقطہ آغاز بھی ہیں اور نقطہ انجام بھی) جزوی فضیلت بھی لے جائے اور وہ ایک ایسی نعمت کی فضیلت خدا کی بارگاہ میں پیش کرے جس سے آپ ﷺ کی ذات مبارکہ محروم ہو۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ حضور ﷺ کو بھی نعمت شہادت سے سرفراز کیا جاتا اور وہ شہادت اس انداز سے ہوتی کہ وہ شہادت کا نقطہ کمال ہوتا۔

دوسری وجہ:

وصف شہادت کے حضور ﷺ کی ذات اقدس سے متصف ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ کوئی عمل اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی کئے بغیر نیکی نہیں بنتا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ
(النساء ۴:۸۰)

جو کوئی اس رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ
(آل عمران ۳:۳۱)

(اے محبوب) فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار بن جاؤ۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
(الاحزاب ۳۳:۲۱)

بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات اقدس کو اسوۂ حسنہ بنانے کا معنی ہی یہ ہے کہ ہر وہ عمل نیکی قرار پا جائے جو اس طریقے پر کیا جائے جس طریقہ پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہو۔ مثلاً ہم کھاتے ہیں تو یہ نیکی نہیں بلکہ ضرورت کی تکمیل ہے۔ لیکن اگر ہم یہی کھانا آپ ﷺ کے عمل کے مطابق کھائیں تو یہ کھانا نیکی بن جاتا ہے۔ ہم اپنے جسم کی راحت کے لئے سوتے ہیں لیکن اگر باوضو قبلہ رخ ہو کر سوئیں تو یہ سوجانا بھی نیکی ہے کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سونے کا معمول ایسا تھا۔

کھانا کھانے اور سونے کا عمل اس لئے نیکی بن جاتا ہے کہ اس میں حضور ﷺ کی پیروی شامل ہے۔ کوئی بھی عمل آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی پیروی کے بغیر نیکی نہیں بن سکتا۔ جب یہ بات درست ہے تو پیروی اس وقت تک نہیں کی جاسکتی جب تک وہ چیز خود آپ کی ذات مبارکہ میں موجود نہ ہو اور اس عمل کو حضور ﷺ نے خود کیا نہ ہو۔ لہٰذا شہادت جیسے عمل کو نیکی قرار دیا جانا تب ہی ممکن ہے اگر خدا کے راستے میں جان قربان کرنے کا عمل ہمیں نبی اکرم ﷺ کی زندگی مبارکہ میں دکھائی دے اور آپ کی ذات اقدس شہادت کے وصف سے متصف ہو۔

چونکہ حضور ﷺ کی ذات بابرکات بظاہر شہادت کے وصف سے متصف نظر نہیں آتی لہٰذا شہادت کو نیکی شمار نہیں کرنا چاہئے۔ مگر دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جان قربان کرنے اور شہادت کو نیکی قرار دیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آقا علیہ الصلوۃ کی ذات مقدسہ شہادت کی نعمت سے خالی نہ ہو ورنہ شہادت کو نیکی قرار نہ دیا جاتا۔

جب یہ طے پا گیا کہ آپ ﷺ کا دامن رحمت شہادت کی نعمت سے خالی نہیں ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کی نعمت بھی درجہ کمال پر عطا فرمائی تھی کہ مخلوق پر کلی فضیلت کا یہی تقاضا ہے تو آیئے دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ذات مبارکہ کو شہادت کی نعمت سے کس طرح بہرہ ور فرمایا؟

عمل کی دو حیثیتیں ---- ہیئت اصلیہ اور ہیئت کذائیہ

ہر عمل کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ اس عمل کا جوہر اور روح۔ یہ اس عمل کی ہیئت اصلیہ ہے۔

۲۔ اس عمل کی ظاہری شکل و صورت۔ یہ اس عمل کی ہیئت کذائیہ ہے۔

پہلی صورت اس عمل کا باطنی پہلو ہے جب کہ دوسری صورت اس کا ظاہری پہلو ہے۔ مثلاً ہم نماز پڑھتے ہیں۔ یہ ایک عمل ہے اور اس کا حقیقی جوہر خدا کا ذکر کرنا ہے اور جس ہیئت، شکل و صورت اور شرائط کے ساتھ ہم نماز پڑھتے ہیں وہ اس کی ہیئت کذائیہ ہے۔ چنانچہ ہر عمل، روح اور شکل دونوں سے وجود میں آتا ہے۔

شہادت بھی ایک عمل ہے۔ اس عمل شہادت کی بھی ایک روح ہے اور دوسری اس کی شکل و صورت اس عمل کی ایک ہیئت اصلی ہے اور ایک ہیئت کذائی۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ شہادت کی ہیئت اصلیہ کیا ہے اور اس کی ہیئت کذائیہ کیا ہے؟ شہادت کی روح کیا ہے اور اس کی ظاہری شکل و صورت کیا ہے اور یہ کہ کیا شہادت کا یہ وصف نبی اکرم ﷺ کی ذات میں موجود تھا یا نہیں؟

شہادت کی ہیئت اصلیہ

شہادت کی روح خدا کے راستے میں جان قربان کرنے کی آرزو ہے اور موت واقع ہو جانا شہادت کی ظاہری شکل و صورت ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ذات مقدسہ میں عمل شہادت کی تلاش کے لئے پہلے ہم روح شہادت کو دیکھتے ہیں کہ کیا روح شہادت اور حقیقی جوہر حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ میں موجود تھا یا نہیں؟

نبی رحمت ﷺ میں شہادت کی روح اور جوہر موجود تھا

شہادت کی روح خدا کے راستے میں جان قربان کرنے کی آرزو ہے۔ یہ آرزو آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مقدسہ میں بڑی شدت کے ساتھ موجود تھی۔

چنانچہ احادیث میں کثرت کے ساتھ آتا ہے کہ حضور ﷺ خدا کے راستے میں جان قربان کرنے کی خواہش کیا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مسلمانوں کے دلوں میں اس سے رنج نہ ہو تاکہ میں انکو چھوڑ کر جہاد کے لئے نکل جاؤں اور میرے پاس اتنی سواریاں نہیں ہیں کہ سب کو ساتھ لے جاؤں تو میں ہر ٹکڑی کے ساتھ نکلتا جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے جاتی ہے:

والذی نفسی بیدہ لودوت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل

(صحیح البخاری، جلد اول، کتاب الجہاد، باب تمنی الشہادۃ)

اور قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں چاہتا ہوں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں۔

گویا حضور ﷺ کو خدا کی راہ میں جان قربان کرنے کی بڑی شدید خواہش تھی اور آپ چاہتے تھے کہ خدا کی ذات اگر مجھے کروڑوں جانیں بھی عطا فرمائے تو میں ہر زندگی اس پر قربان کرتا چلا جاؤں اور خدا کی راہ میں جان قربان کرنے کا سلسلہ اتنا طویل رہے کہ کبھی ختم ہونے کو نہ آئے شہادت کی اصل روح اور حقیقی جوہر خدا کے راستے میں جان قربان کرنے کی شدید آرزو ہے۔ جب شہید ہونے کی آرزو حضور ﷺ کی ذات مقدسہ میں پائی گئی تو اس سے ثابت ہو گیا کہ عمل شہادت کی روح آقا علیہ الصلوۃ والسلام میں موجود تھی۔

نیتوں پر اعمال کا دارومدار

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اگر نیت پائی گئی مگر عمل نہ پایا گیا تو بھی اس عمل کا ثواب ملے گا۔ ہر عمل کا ثواب اس کی نیت پر مرتب ہوتا ہے۔ جیسی نیت ہو گی

ویسا ہی اجر ملے گا۔ چنانچہ اگر کسی آدمی کی موت میدان جنگ میں واقع ہو لیکن اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جان قربان کرنے کی آرزو نہ تھی بلکہ یہ خواہش تھی کہ اگر مر گیا تو شہید کہلاؤں گا اور اگر بچ گیا تو لوگ اسے غازی کہیں یا انعام و اکرام سے نوازے جانے کا لالچ تھا تو ایسا شخص اگر کسی کافر کی تلوار یا گولی سے مر بھی جائے تو شہید نہیں کہلائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اس کی موت میدان جنگ میں ایک کافر کے ہاتھوں واقع ہو رہی ہے مگر شہادت کی روح آرزو کی صورت میں اس کے اندر موجود نہیں ہے لہٰذا خدا ۔کہ ہاں یہ موت شہادت قرار نہیں پائے گی۔ اس کے برعکس سورۃ النساء میں ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيْرًا وَّ سَعَةً ۚ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ

(سورہ النساء، ۴: ۱۰۰)

اور جو کوئی اللہ کی راہ میں گھربار چھوڑ کر نکلے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور گنجائش پائے گا اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلا پھر اسے موت نے آلیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا۔

اگرچہ عمل ظاہری اعتبار سے پورا نہیں ہوا مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس عمل کا اجر واقع ہو رہا ہے کہ وہ شخص اس عمل کی تکمیل کی نیت کے ساتھ گھر سے نکلا تھا۔ اسی لئے آقائے دوجہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انما الاعمال بالنیات

(صحیح البخاری، کتاب الوحی)

بے شک اعمال (کے اجر) کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم و لکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم

(صحیح مسلم، کتاب البر)

بے شک اللہ تمہاری صورتوں اور مال و دولت کی طرف نہیں دیکھتا مگر وہ تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ بجائے تمہارے مال و دولت اور شکل و صورت کے تمہارے دلوں اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے کہ یہ عمل تم کس نیت کے ساتھ کر رہے ہو۔

پس قرآن حکیم اور مذکورہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات طے پاگئی کہ شہید ہونے کی آرزو جو کہ شہادت کی روح ہے یہ شدت کے ساتھ آقا علیہ الصلوۃ والسلام میں موجود تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محض ہیئت اصلیہ (شہادت کی آرزو) کے پائے جانے کو تو شہادت نہیں کہتے شہادت کو شہادت کہتے ہی اس وقت ہیں جب ہیئت اصلیہ کے ساتھ ساتھ ہیئت کذائیہ بھی پائی جائے۔ لہٰذا شہادت کی ہیئت کذائیہ یعنی خدا کی راہ میں جان دینے کی ظاہری شکل و صورت کا حضور ﷺ کی ذات پاک میں پایا جانا بھی ضروری ہے۔

شہادت کی ہیئت کذائیہ

خدا کے راستے میں عملی طور پر موت کا واقع ہو جانا شہادت کی ہیئت کذائیہ ہے۔ شہادت کی ہیئت کذائیہ کی پھر دو قسمیں ہیں۔

ا۔ شہادت سری۔

اسے شہادت مخفی یا چھوٹی شہادت بھی کہتے ہیں۔ مثلاً کوئی پانی میں ڈوب کر یا کسی کے زہر کھلانے سے مرجائے۔

شہادت جہری۔

اسے شہادت ظاہری اور بڑی شہادت بھی کہتے ہیں جیسے کوئی مسلمان میدان جنگ میں دشمن کے ہاتھوں مرجائے۔

اب ہم شہادت کی ہیت کذائیہ کی ان دونوں قسموں کو نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ میں تلاش کرتے ہیں۔

عمل کا نقطہ آغاز اور نقطہ انجام

ہر عمل کا ایک نقطہ آغاز اور ایک نقطہ انجام ہوتا ہے۔ شہادت کے عمل کا بھی ایک نقطہ آغاز ہے اور ایک نقطہ انجام ہے۔ آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی حیات طیبہ میں شہادت سری کا نقطہ آغاز بھی موجود ہے اور شہادت جہری کا نقطہ آغاز بھی موجود ہے۔

شہادت سری کا نقطۂ آغاز

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ میں شہادت سری کا نقطۂ آغاز موجود ہے۔ اس کا پتہ درج ذیل واقعہ سے چلتا ہے۔

جنگ خیبر میں ایک یہوذی عورت زینب بنت الحارث نے بکری کا بھنا ہوا زہر آلود گوشت حضور ﷺ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا۔ آپ نے اس میں سے کچھ کھا لیا تو اس بھنے ہوئے گوشت نے آپ کو خبر دی کہ میں زہر آلود ہوں۔ آپ نے اسی وقت ہاتھ اٹھالیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے ایک صحابی حضرت بشیر بن براء رضی اللہ عنہ نے بھی زہر آلود گوشت کھایا تھا جو اسی وقت زہر کے اثر سے شہید ہو گئے۔

حفاظت مصطفیٰ ﷺ بذمہ خدا

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ جیسا کہ جنگ خیبر میں زہر آلود گوشت کھانے سے ظاہر ہے کہ حضرت بشیر بن براء رضی اللہ عنہ نے گوشت سے ایک لقمہ کھایا تھا اور موت واقع ہو گئی تھی جس نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ زہر کی مقدار کسی شخص کی موت واقع کر دینے کے لئے کافی تھی لیکن یہ زہر آلود گوشت کھانے سے آقا علیہ الصلوۃ والسلام شہید نہ ہوئے۔ اگرچہ اس زہر کا اثر تادم وصال آپ کے رگ و پے میں موجود رہا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم

ﷺ اپنے مرض وصال میں فرماتے تھے:

یا عائشۃ ما ازال اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر وھذا اوان وجدت انقطاع ابھری من ذالک السم
(مشکوٰۃ 'باب وفاۃ النبی ﷺ)

اے عائشہ! میں نے خیبر میں جو زہر آلود کھانا کھالیا تھا اس کی تکلیف تو ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں لیکن اب (اس مرض میں) تو ایسا لگتا ہے کہ اسی زہر کے اثر سے میری رگ جان منقطع ہوگی۔

زہر آلود گوشت کھانے کے باوجود حضور ﷺ کی شہادت کا واقع نہ ہونا اس وجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے وعدہ فرما رکھا ہے۔

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ
(المائدہ '۵:۶۷)

اور اللہ لوگوں سے تمہاری نگہبانی کرے گا

حضور ﷺ کی موت کا لوگوں کے ہاتھوں سے واقع نہ ہونا یہ قرآن کا وعدہ تھا اور یہ اہتمام اس لئے ضروری تھا کہ اگر آپ کی موت زہر یا تلوار کی صورت میں کافروں یا دشمنوں کے ہاتھوں سے واقع ہو جاتی تو جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور اسلام کے ساتھ ان کی وفاداری ابھی زیادہ پختہ نہیں ہوئی تھی' آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت سے ان لوگوں کے دلوں میں یہ خیال آتا کہ یہ نبی تو لوگوں کے ہاتھوں مارا گیا اب اسلام کا کیا بنے گا؟ اور وہ اسلام چھوڑ جاتے۔ اس طرح نبی اکرم ﷺ کی وفات صرف ایک فرد کی وفات نہ ہوتی بلکہ عین ممکن تھا کہ یہ اسلام کی تحریک کی موت ہوتی۔ لہٰذا اسلام کی تحریک کو زندہ رکھنے کا یہ تقاضا تھا کہ آپ ﷺ کو زندہ رکھا جائے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ غزوہ احد میں حضور ﷺ کے شہید کر دیے جانے کی افواہ پھیلنے کی دیر تھی کہ بڑے بڑے صحابہ اکرام حوصلہ ہار بیٹھے اور میدان چھوڑ دیا کہ ہم جن کی خاطر لڑ رہے تھے جب وہ ہی زندہ نہ رہے تو پھر اب لڑنے کا کیا فائدہ؟ مگر اللہ

تعالیٰ نے اسلام کی تحریک کو کامیاب کرنا تھا اور زندہ رکھنا تھا للہذا آپ کی زندگی کو لوگوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھا۔

شہادت جہری کا آغاز

شہادت سری کی طرح شہادت جہری کا نقطۂ آغاز بھی آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی حیات مبارکہ میں موجود ہے۔

شہادت جہری کی چار شرائط ہیں۔

۱۔ میدان جنگ میں کافر کا کسی آلہ سے حملہ آور ہونا۔

۲۔ ضرب لگنا۔

۳۔ کسی عضو وغیرہ کے کٹنے سے خون بہنا۔

۴۔ روح کا پرواز کر جانا۔

غزوہ احد میں کفار نے حضور اکرم ﷺ پر پتھروں اور تیروں سے حملہ کیا۔ آپ کے دندان مبارک میں سے ایک دانت کا کچھ حصہ پتھر لگنے سے شہید ہو گیا جس سے خون بہنے لگا۔ شہادت جہری کی پہلی تین شرائط پائی گئیں اور چوتھی کی افواہ پھیل گئی۔ مگر چوتھی شرط کا پایا جانا ممکن نہ تھا کہ وعدہ الٰہی "وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ" مانع تھا۔

یہاں یہ نقطۂ قابل غور ہے کہ دانت مبارک کا ایک کنارا ٹوٹا' پورا دانت نہ ٹوٹا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر پور دانت ٹوٹ جاتا تو اس سے چہرہ اقدس کے حسن میں کمی واقع ہو جاتی اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی ذات کو گوارا نہیں ہے۔ چنانچہ دانت کا کنارا اس طرح گرا جیسے چمکتے ہوئے ہیرے کا کنارا گر جاتا ہے اور اس سے اس ہیرے کی چمک دمک میں کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ اس میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ پس آپ کا عضو کٹا مگر اس انداز سے کہ اس سے دندان مبارک کا حسن اور بڑھ گیا۔

پس شہادت سری اور جہری دونوں کا آغاز آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی حیاۃ طیبہ میں موجود ہے مگر انجام نہیں کیونکہ آپ کی وفات طبعی تھی۔

موت کی صورتیں

موت کے واقع ہونے کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ انسان طبعی موت مرے' یہ موت شہادت نہیں ہے۔

۲۔ خود زہر کھائے اور مرجائے۔ یہ بھی شہادت نہیں ہے۔

۳۔ کسی دوسرے کے ہاتھ سے مظلومیت کی موت مرے۔ یہ شہادت کی موت ہے۔

حضور ﷺ کی وفات طبعی ہوئی کیونکہ آپ خود موت واقع نہیں کرسکتے تھے کہ یہ خودکشی ہوتی اور کسی دوسرے کے ہاتھوں بھی آپ کی موت کا واقع ہونا ممکن نہ تھا کہ وعدہ الٰہی "وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ" مانع تھا۔ اب ایک طرف وعدۂ الٰہی ہے کہ کسی کافر کی سازش سے حضور ﷺ کی موت واقع نہ ہو اور دوسری یہ بھی منشائے الٰہی ہے کہ آپ کی ذات شہادت کے وصف سے بہرور ہو کیونکہ آپ کلیتہً تمام لوگوں پر ممتاز اور منفرد ہیں۔

چنانچہ ضروری تھا کہ شہادت کی روح' شہادت سری اور شہادت جہری کا آغاز تو حضور ﷺ کی ذات مبارکہ میں پایا جائے مگر شہادت سری و جہری کی تکمیل آپ کے جسد مبارک کی بجائے کسی اور ایسے جسم پر واقع ہو کہ اس جسم پر واقع ہونے والا عمل آپ سے پختہ نسبت ہونے کی بناء پر آپ کے جسم پر واقع ہونا تصور کیا جائے۔

دونوں شہادتوں کا ظہور تام

چونکہ شہادت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک شہادت سری اور دوسری شہادت جہری لہٰذا اللہ تعالٰی نے حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ میں شہادت کا باب مکمل کرنے کے لئے دو افراد کو منتخب فرمایا تاکہ ایک شہادت سری کا باعث بنے یعنی زہر دیئے جانے سے شہید ہو اور دوسرا شہادت جہری کا باعث بنے یعنی غربت اور مظلومیت کی حالت میں دشمنوں کے ہاتھوں اس پر موت طاری ہو۔

ان دو منتخب شدہ افراد کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ حضور ﷺ کے اپنے ہوتے' پرائے نہ ہوتے۔ اس لئے کہ اگر کسی پرائے کے لئے آپ کی اس صفت کا ظہور ہوتا تو ان کا آپ پر احسان ہوتا اور خدا کی ذات کو کسی پرائے کا آقا علیہ الصلوۃ والسلام پر احسان گوارا نہیں۔ لہٰذا ضروری تھا کہ وہ افراد آپ کے اپنے ہوتے ایسے اپنے کہ ان کی ظاہری شکل و صورت میں بھی آپ کے ساتھ مشابہت ہوتی اور باطنی طور پر بھی وہ آپ کے مشابہ ہوتے۔

چنانچہ شہادت سری اور شہادت جہری کا وہ عمل جس کا آغاز حضور ﷺ کی زندگی میں ہو چکا تھا ان دونوں شہادتوں کی تکمیل اور روح کے ظہور تام کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو شہزادوں سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو سرّی کے لئے اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہادت جہری کے لئے منتخب فرمایا۔

حسنین کریمینؓ کے انتخاب کی وجہ

شہادت سرّی اور شہادت جہری کے ظہور تام کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حسنین کریمین کو اس لئے منتخب فرمایا کہ یہ دونوں حضرت نبی مکرم ﷺ کے اپنے تھے' پرائے نہ تھے' تھے تو نواسے مگر آپ ﷺ نے ان کو کبھی نواسہ کہ کر نہ پکارا کرتے تھا بلکہ ہمیشہ "بیٹا" کہہ کر پکارتے تھے۔ آپ ہی کا خون ان دو شہزادوں کی رگ و ریشہ میں سرائیت کئے ہوئے تھا۔ حسنین کریمینؓ کے لئے حضور ﷺ کے غیر ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ کہ انہیں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جزئیت اور مشابہت حاصل تھی۔

حسنین کریمینؓ اور جزئیت رسول ﷺ

حسنین کریمین ابنِ رسول اور جزوِ رسول ﷺ ہیں ان دونوں کا جزو رسول ہونا قران و حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے۔

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَ اَبْنَآءَ کُمْ (میرے حبیب! نجران کے پادریوں

وَ نِسَآءَ نَا وَ نِسَآئَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ	سے) فرما دیجئے کہ ہم اور تم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو اور اپنی اپنی جانوں کو پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔
(آل عمران ' ۳:۶۱)	

یہ آیت کریمہ آیت مباہلہ کے نام پر مشہور ہے۔ اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد نبی اکرم ﷺ سیدہ فاطمہ الزہراء ' حضرت علی المرتضیٰ ' حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو ساتھ لے کر نجران کے پادریوں کے مقابلہ میں مباہلہ کے لئے تشریف لائے تھے اور اس وقت آپ نے فرمایا تھا:

اللھم ھولاء اھلی	اے اللہ: یہ میرے اہل (بیت) ہیں۔

(صحیح مسلم 'کتاب الفضائل)

چنانچہ مذکورہ آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما مصداق "ابناء نا" حضور اکرم ﷺ کے بیٹے ہیں۔

قرآن کریم کے فرمان کے مطابق نواسے کو بیٹے کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں شمار کئے جاتے ہیں یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں گنے گئے ہیں حالانکہ آپ بغیرباپ کے پیدا ہوئے تھے۔ آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کی نسبت سے بنی اسرائیل میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حسنین کریمینؓ بھی حضور سرور دوعالم ﷺ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی نسبت سے فرزندان رسول ﷺ ہونے کا عظیم شرف رکھتے ہیں۔

اسی کی تائید حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث سے ہوتی ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ حسن و حسینؓ دونوں شہزادوں کو لئے بیٹھے تھے اور فرما رہے تھے:

ھذان ابنای و ابنا ابنتی اللھم انی احبھما فاحبھما واحب من	یہ دونوں میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان کو محبوب رکھتا

یحبھما (ترمذی، ابواب المناقب)	ہوں تو بھی ان کو محبوب رکھ اور اس کو بھی محبوب رکھ جو ان کو محبوب رکھے۔

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظاہری و باطنی مشابہت

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے۔ یہ مشابہت نہ صرف ظاہری اعتبار سے تھی بلکہ باطنی اعتبار سے بھی تھی۔ ظاہری مشابہت کا پتہ ہمیں امیرالمومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے چلتا ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں:

الحسن اشبہ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مابین الصدر الی الرأس والحسین اشبہ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماکان اسفل من ذلک (سنن ترمذی، ابواب المناقب)	حسنؓ سینے سے لے کر سر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت مشابہ اور حسینؓ سینے سے لے کر پاؤں تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

اور روایات میں یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ دونوں شہزادے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شکل میں اتنی زیادہ مشابہت رکھتے تھے کہ اگر دونوں کو ملاتے تو پتہ چلتا کہ دونوں آپ کی تصویریں ہیں۔

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد جب کبھی آپ کی زیارت کے لئے بے تاب ہوتے اور ان کی نگاہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس کی زیارت کے لئے ترستیں تو حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں کو سامنے اکٹھا کر کے دیکھ لیتے۔ اس طرح بیک وقت دونوں کو دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراپا مبارک کو دیکھنے کی آرزو پوری ہو جاتی۔

حضرت عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عصر کی نماز پڑھ کر باہر نکلے اور کہیں جانے کے لئے چلنے لگے۔ اس وقت ان کے ساتھ

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ راستے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھا جو بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ آپ نے ان کو اٹھا کر اپنے کندھوں پر بٹھالیا اور بولے:

بابی! مشبہ بالنبی ﷺ لیس شبیھا بعلی' و علی یضحک (مشکوۃ المصابیح 'کتاب المناقب)	میرا باپ قربان ہو۔ یہ (حسن رضی اللہ عنہ) نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے اور علی کے ساتھ کم مشابہت رکھتا ہے' اور علی رضی اللہ عنہ ہنسنے لگے۔

اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

رایت رسول اللہ ﷺ فکان الحسن بن علی یشبھہ (سنن ترمذی' الجلد الثانی' ابواب المناقب)	میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا' حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ آپ کے زیادہ مشابہ تھے۔

ترمذی شریف ہی کی روایت ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ابن زیادہ کے پاس موجود تھا۔ اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لایا گیا تو وہ ایک چھڑی سے آپ کی ناک پر مارنے لگا اور کہا:

"اس جیسا تو میں نے کوئی حسین نہیں دیکھا۔ اس کا تذکرہ کیوں ہوتا ہے؟"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اما انہ کان من اشبھھم برسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (سنن ترمذی' الجلد الثانی' ابواب المناقب)	حسین رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو رسول ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

لم یکن احدا شبہ بالنبی ﷺ من الحسن بن علی	نبی اکرم ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا حسنؓ بن علیؓ کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔
وقال فی الحسین ایضاً کان اشبھھم برسول اللہ ﷺ (مشکوٰۃ المصابیح' ابواب المناقب)	اور حضرت انسؓ نے حضرت حسینؓ کے بارے میں بھی کہا کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔

مذکورہ احادیث مبارکہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ حسنین کریمینؓ کو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مکمل ظاہری و باطنی مشابہت حاصل تھی۔

حضور اکرم ﷺ سے باطنی مشابہت

حسنین کریمینؓ کی رحمۃ للعالمین ﷺ کے ساتھ مشابہت اور مماثلت صرف ظاہری طور پر نہ تھی بلکہ باطنی بھی تھی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میری والدہ نے مجھ سے پوچھا کہ تم آنحضرت ﷺ سے کب ملے تھے؟ میں نے کہا مجھے تو ملے ہوئے عرصہ ہو گیا۔ میری والدہ کو یہ سن کر بہت رنج ہوا۔ میں نے ان سے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ مغرب کی نماز حضور اکرم ﷺ کے ساتھ پڑھوں اور اپنے اور تمہارے لئے بخشش کا سوال کروں' چنانچہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی یہاں تک کہ عشاء بھی پڑھی۔ پھر آپ مسجد سے نکلے۔ میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ نے میرے چلنے کی آواز سنی تو فرمایا "کون ہے؟ کیا حذیفہ ہے؟" میں نے عرض کیا "جی ہاں! یا رسول اللہ!" آپ نے فرمایا "تجھے کیا حاجت ہے؟ اللہ تجھ کو اور تیری ماں کو بخشے" پھر فرمایا' یہ ایک فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نازل نہیں ہوا۔ اس نے پروردگار سے اجازت مانگی کہ مجھے سلام کرنے حاضر ہو اور مجھے یہ

خوشخبری دے کہ: (حضرت) فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی

فاطمہ" سیدۃ نساء اھل الجنۃ" سردار ہیں اور (حضرت) حسنؓ و

وان الحسن والحسین سیدا شباب حسینؓ (دونوں) جنت کے نوجوانوں

اھل الجنۃ" کے سردار ہیں۔

(ترمذی'ابواب المناقب)

حضور ﷺ دوجہاں کے سردار ہیں اور آپ نے حسنین کریمینؓ کو جنت کے نوجوانوں کا سردار قرار دیا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ جنت میں جو بھی ہو گا وہ نوجوان ہو گا۔ جس طرح نبی اکرم ﷺ کو سیادت کل حاصل ہے اسی طرح حسنین کریمینؓ کو بھی سیادت کل عطا کی گئی۔ حسنین کریمینؓ کو سیادت کل عطا کیا جانا ان کی حضور ﷺ کے ساتھ روحانی باطنی مشابہت پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ان الحسن والحسین ھما ریحانتای بے شک حسن اور حسین دنیا میں

من الدنیا میرے دو پھول ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح'کتاب المناقب)

اور ظاہر ہے کہ پھول میں جمال و کمال اس کا اپنا نہیں ہوتا۔ یہ جمال و کمال تو حقیقت میں اصل کا ہوتا ہے اور ان دونوں پھولوں (حسن و حسینؓ) کو اصل نبی اکرم ﷺ سے جمال کا فیض بھی ملا ہے اور کمال کا فیض بھی ملا ہے۔ آقا علیہ السلام کا حسنین کریمینؓ کو اپنے دو پھول قرار دینا' ان کی آپ کے ساتھ روحانی مشابہت پر دلالت کرتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے حسنین کریمینؓ کی باطنی اور روحانی مشابہت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک کی محبت دوسرے کی محبت اور ایک سے بغض و عناد دوسرے سے بغض و عناد ہے حسنین کریمینؓ سے محبت کرنا رسول اکرم ﷺ سے محبت کرنا ہے اور حسنین کریمینؓ سے بغض و عناد رکھنا آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بغض و عناد رکھنا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من احب الحسن والحسین فقد احبنی و من ابغضھما فقد ابغضنی

جس نے حسنؓ و حسینؓ کو محبوب رکھا اس نے (در حقیقت) مجھے محبوب رکھا اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے (در حقیقت) مجھ سے بغض رکھا۔

(سنن ابن ماجہ، المقدمہ، فضل الحسن والحسین ابنی علی ابن ابی طالبؓ

حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ حسنؓ و حسینؓ دونوں میرے بیٹے ہیں۔"

من احبھما احبنی و من احبنی احبہ اللّٰہ و من احبہ اللّٰہ ادخلہ الجنۃ و من ابغضھما ابغضنی و من ابغضنی ابغضہ اللّٰہ و من ابغضہ اللّٰہ ادخلہ النار

(المستدرک حاکم الجلد الثالث:۱۶۶)

جس نے ان دونوں کو محبوب رکھا اس نے مجھ کو محبوب رکھا اور جس نے مجھکو محبوب رکھا اس نے اللہ کو محبوب رکھا اور جس نے اللہ کو محبوب رکھا اللہ نے اس کو جنت میں داخل کیا اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا، جس نے مجھ تے بغض رکھا اس نے اللہ سے بغض رکھا اور جس تے اللہ سے بغض رکھا اللہ نے اس کو دوزخ میں داخل کیا۔

حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ دونوں ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باطنی مشابہت کے آئینہ دار تھے۔ اس امر کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حسین منی و انا من حسین احب اللہ من احب حسینا	حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں جو حسین کو محبوب رکھتا ہے اللہ اس کو محبوب رکھتا ہے۔
(سنن ترمذی، الجلد الثانی، ابواب المناقب)	

انا من حسین کا مفہوم

حضور ﷺ کے ارشاد گرامی **حسین منی** کی تو سمجھ آتی ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ سے ہیں کیونکہ وہ آپ کے بیٹے اور نواسے ہیں۔ آپ کل ہیں اور حسین جزو ہیں اور جزو کل سے ہوتا ہے مگر **انا من حسین** "میں حسین سے ہوں" کی سمجھ کس طرح آئے کیونکہ جزو تو کل سے ہوتا ہے مگر کل جزو سے نہیں ہوتا ہے۔ بیٹا تو باپ سے ہوتا ہے اور نواسہ نانا سے ہوتا ہے مگر باپ بیٹے سے اور نانا نواسے سے نہیں ہوتا۔

اگر تھوڑا سا غور کریں تو اس حدیث پاک کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ "**حسین منی**" سے حضور ﷺ اس امر کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ جو کچھ بھی ہیں، ان میں جو بھی ظاہری و باطنی حسن و جمال اور خوبیاں ہیں وہ ساری کی ساری مجھ سے ہیں اور **انا من حسین** سے آپ اس امر کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ میرے فضائل اور کمالات کا ایک ظہور ان سے ہوگا۔ میرے فضائل و کمالات سے گوشہ شہادت کا ظہور تام حسینؓ سے ہوگا۔

چنانچہ آقائے دو جہاں ﷺ کی سری شہادت جس کا آغاز غزوہ خیبر سے ہوا تھا اس کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر پلایا گیا جس کے نتیجے میں آپ کی انتڑیوں کے ستر ٹکڑے باہر آگرے اور حضور اکرم ﷺ کی جہری شہادت جس کا آغاز غزوہ خیبر سے ہوا تھا اس کی تکمیل کربلا کے میدان میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ذریعے ہوئی۔

شہادت حسنینؓ ----جوہر شہادت نبی ﷺ کا ظہور تام

حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کی شہادتیں نبی اکرم ﷺ کے جوہر شہادت کا ظہور تام تھا۔ بظاہر تو حسنین کریمینؓ کی شہادت کے حضور ﷺ کے جوہر شہادت کے ظہور تام ہونے کی سمجھ نہیں آتی مگر ایک مثال سے یہ بات بڑی حد تک واضح ہو جاتی ہے۔

ایک درخت کی دو شاخوں پر پھل لگے تو ظاہر بین یہ کہے گا کہ یہ پھل شاخوں کا ہے مگر حقیقت میں یہ پھل شاخوں کا نہیں ہوتا بلکہ درخت کا ہوتا ہے جو شاخوں کی صورت میں پھیل کر ظاہر ہو رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح رحمت دو عالم ﷺ شجر نبوت ہیں اور اس درخت کی ایک شاخ حضرت امام حسنؓ اور دوسری شاخ حضرت امام حسینؓ ہیں۔ حضرت امام حسنؓ کی شاخ پر شہادت سری کا پھل لگا اور حضرت امام حسینؓ کی شاخ پر شہادت جہری کا پھل لگا۔ بظاہر دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ سری شہادت حضرت امام حسنؓ اور جہری شہادت حضرت امام حسینؓ کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام حسنؓ کی سری شہادت حضور ﷺ کی سری شہادت کا اور حضرت امام حسینؓ کی جہری شہادت آقا ﷺ کی جہری شہادت کا ظہور تام ہے۔ دونوں شاخوں کے پھل حسنؓ اور حسینؓ کے پھل نہیں بلکہ شجر مصطفوی ﷺ کے پھل ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی اولاد نرینہ نہ ہونے کی حکمت

حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کی شہادتوں کو حضور اکرم ﷺ کے جوہر شہادت کی تکمیل قرار دینا نہ تو اتفاقی اور حادثاتی عمل ہے اور نہ ہی کسی ذہن کا تراشیدہ، بلکہ مشیت ایزدی پہلے دن سے ہی اس امر کا فیصلہ کر چکی تھی کہ نبی اکرم ﷺ کی سری اور جہری شہادت کا ظہور تام حسنین کریمینؓ پر ہو۔

محبوب خدا ﷺ کی شہادت سری اور جہری کے جوہر کا ظہور آپ ہی کی ذات پر تو نہیں ہو سکتا تھا کہ وعدہ الٰہی وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ "اور اللہ لوگوں

سے تمہاری نگہبانی کرے گا" مانع تھا۔ اب اس جوہر کے ظہور کی دو صورتیں ہو سکتی تھیں۔ پہلی صورت تو یہ تھی کہ آپ ﷺ کے زینہ اولاد ہوتی جس پر اس جوہر کا ظہور ہوتا مگر یہ بھی ممکن نہ تھا کیونکہ آپ خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول اور سب سے آخری نبی ہیں۔

(الاحزاب ۳۳:۴۰)

چنانچہ حضور ﷺ کے صاحبزادے بچپن ہی میں فوت ہو گئے کہ آپ کا خاتم النبیین ہونا اور تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ کی فضیلت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آپ کسی بالغ شخص کے باپ نہ ہوں۔ اس لئے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام جب خدا کے حضور کھڑے ہوتے تو خود بھی نبی ہوتے اور ان کے بیٹے بھی نبی ہوتے۔ یہ دوہری فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بالغ بیٹے کا باپ نہیں بنایا کیونکہ اگر بیٹا بالغ ہوتا اور نبوت نہ پاتا تو فضیلت میں کمی رہ جاتی اور اگر بیٹا بالغ ہوتا اور اس کو نبوت ملتی تو آپ خاتم النبیین نہ رہتے۔

جوہر شہادت کے ظہور کی دوسری صورت یہ تھی کہ آپ ﷺ کی سری و جہری شہادت کی تکمیل کسی ایسے جسم پر ہو کہ آپ سے پختہ نسبت ہونے کی بناء پر اس جسم پر واقع ہونے والا عمل آپ کے جسم پر واقع ہونا تصور کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے حسنین کریمین ؓ کو منتخب فرمایا کہ انہیں نہ صرف آپ کی جزئیت ہونے کا شرف حاصل ہے بلکہ ان کی ظاہراً اور باطناً بھی آپ کے ساتھ مکمل مشابہت تھی۔

حسن ؓ اور حسین ؓ نام رکھنے کی وجہ

حسنین کریمین ؓ کی پیدائش پر آپ کے نام آپ کے والدین نے نہیں رکھے

بلکہ یہ نام حضور اکرم ﷺ نے خود رکھے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے۔

لما ولد الحسن سمیتہ حربا فجاء رسول اللہ ﷺ فقال ارونی ابنی ما سمیتوہ، قال قلت حربا، قال بل ھو حسن، فلما ولد الحسین سمیتہ حربا فجاء رسول اللہ ﷺ فقال ارونی ابنی ما سمیتوہ قال قلت حربا، قال بل ھو حسین ....

(مسند امام احمد بن حنبل، ۱: ۹۸)

جب (حضرت) حسنؓ پیدا ہوئے تو میں نے ان کا نام "حرب" رکھا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، اس کا نام تم نے کیا رکھا ہے؟ حضرت علیؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا "حرب" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں یہ حسن ہے" پھر جب حضرت حسینؓ پیدا ہوئے تو میں نے ان کا نام "حرب" رکھا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا "مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، اس کا نام تم نے کیا رکھا ہے؟" حضرت علیؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا "حرب" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں یہ حسینؓ ہے۔"

پھر جب تیسرا بیٹا پیدا ہوا تو میں نے اس کا نام حرب رکھا۔ نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا "مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ حضرت علیؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا "حرب" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں یہ محسنؓ ہے"۔ پھر فرمایا "میں نے ان کے نام حضرت ہارون علیہ السلام کے بیٹوں شبر، شبیر اور مشبر کے ناموں پر رکھے ہیں۔

حضور ﷺ نے دونوں شہزادوں کا نام بدل کر حسنؓ اور حسینؓ ہی کیوں رکھا؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب بظاہر سمجھ میں نہیں آتا لیکن اگر تھوڑا غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ پہلے نام بدل کر حسنؓ اور حسینؓ نام رکھنے میں ایک خاص حکمت تھی وہ یہ کہ حسنؓ اور حسینؓ دونوں میں "حسنیٰ" قدر مشترک ہے۔ حسنیٰ خوبصورتی کو کہتے ہیں۔ حسنیٰ کا مادہ حسنؓ اور حسینؓ دونوں میں پایا جاتا ہے۔ لغت کی بعض کتب میں حسنیٰ کا معنی **الشھادۃ لانھا حسنۃ العواقب** (المنجد) لکھا ہے کہ حسنیٰ شہادت کو کہتے ہیں اس لئے کہ یہ خوبصورت انجام ہے۔

نبی اکرم ﷺ پیغمبرانہ بصیرت اور اللہ تعالیٰ کی اطلاع سے جانتے تھے کہ حسنؓ میری شہادت سری کے ظہور کے لئے پیدا ہوا ہے اور حسینؓ میری شہادت جہری کے ظہور کے لئے پیدا ہوا ہے۔ اس لئے حضرت امام حسنؓ کا نام شبر کی بجائے حسنؓ رکھا تاکہ شہید ہونے کا جو خوبصورت انجام ہے وہ آپ کے نام سے بھی متحقق ہو اور دوسرے کا نام حسینؓ رکھا تاکہ یہ نام خود شہادت جہری کے ظہور تام پر دلالت کرے گویا نبی اکرم ﷺ نے دونوں شہزادوں کے نام بدل کر مشیت ایزدی کی طرف اشارہ فرما دیا کہ دونوں شہزادوں کا مقدر شہادت ہے۔

چند لطیف نکات

دونوں شہزادوں کا نام حسنؓ اور حسینؓ رکھنے کے حوالے سے چند بڑے پر لطف اور لطیف نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ حضرت حسنؓ کی شہادت سری تھی اور حضرت حسینؓ کی شہادت جہری تھی۔ سری شہادت پوشیدہ شہادت کو کہتے ہیں جب کہ جہری شہادت ظاہری کو کہتے ہیں چونکہ حضرت امام حسنؓ کی شہادت مخفی تھی لہٰذا ان کی شہادت کا ذکر بھی آج تک مخفی چلا آرہا ہے اور حضرت امام حسینؓ کی شہادت چونکہ جہری تھی اور شہادت جہری کا تقاضا ظاہر ہوتا ہے اس لئے اس کا ذکر اطراف واکناف میں آج بھی ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جس لفظ کے حروف زیادہ ہوں وہ معنی کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے اور جس لفظ کے حروف کم ہوں وہ معنی کی کمی پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ "حسن" میں تین اور لفظ "حسین" میں چار حروف ہیں۔ چونکہ بڑے نواسے سے ایسی شہادت ظہور پذیر ہونے والی تھی جو معنوی اعتبار سے چھوٹی تھی لہٰذا بڑے نواسے کا نام "حسن" رکھا جس کے تین حروف ہیں اور چھوٹے نواسے سے چونکہ ایسی شہادت ظہور پذیر ہونے والی تھی جو معنوی اعتبار سے بڑی تھی لہٰذا چھوٹے نواسے کا نام حسین رکھا جس کے چار حروف ہیں۔ "حسن اور حسین" یہ نام اپنے حروف کی کمی بیشی کے اعتبار سے خود اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان سے کون سی شہادت ظہور پذیر ہونا تھی۔

۳۔ جب حضرت امام حسنؓ پیدا ہوئے تو حضور ﷺ نے ان کا نام شبر کی بجائے "حسن" رکھا اور جب حضرت امام حسینؓ پیدا ہوئے تو ان کا نام شبیر کی بجائے "حسین" رکھا۔ حسین میں "ی" تصغیر کی ہے۔ اس نام کو آپ نے پہلے نہیں رکھا کیونکہ آپ کو پتہ تھا کہ میرے اس بیٹے سے میری شہادت کا ایک گوشہ پورا ہو گا اور اس کے بعد ابھی اس کا ایک چھوٹا بھائی بھی پیدا ہو گا جس سے میری شہادت کا دوسرا گوشہ پورا ہو گا لہٰذا بڑے کا نام "حسن" اور چھوٹے کا نام "حسین" رکھا۔

مذکورہ گفتگو سے یہ بات بڑی حد تک واضح ہو جاتی ہے کہ شہادت امام حسینؓ دراصل حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کا ایک باب ہے جو کہ **وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ** کے وعدہ الٰہی کے مانع ہونے کی بناء پر آقا ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں رقم نہ ہو سکا جس کو رقم کرنے کے لئے اور سیرت النبی ﷺ کے اس گوشے کے ظہور تام کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے نواسے کو کہ جنہیں آپ اپنا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے، منتخب فرمایا۔ یوں شہادت حسینؓ، سیرت النبی ﷺ کی کتاب کا ایک باب، حضور ﷺ کی سوانح کے مختلف گوشوں میں سے ایک گوشہ اور آپ ﷺ کے فضائل و کمالات میں سے ایک کمال بن کر ہمیشہ کے لئے شرف و قبولیت اور دوام پا گئی۔

باب چہارم

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ حقائق و واقعات کی روشنی میں

تاریخ اسلام میں بے شمار شہادتیں ہوئیں ہیں اور ہر شہادت اپنی جگہ ایک نمایاں اہمیت، انفرادی قدر و منزلت اور مقام کی حامل ہے۔ ہر شہادت میں اسلام کی بقاء دوام، آقا ﷺ کے دین اور آپ کی سنت مبارکہ کی حیات جاوداں کا راز پوشیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں ہر شہادت اپنی جگہ اہم شمار کی جاتی ہے لیکن شہادت امام حسینؓ کا واقعہ کئی اعتبار سے دیگر تمام شہادتوں سے مختلف اور منفرد ہے۔ اس کی انفرادیت کی ایک وجہ یہ ہے کہ آپ خانوادۂ رسول ﷺ کے چشم و چراغ تھے اور ایسے چشم و چراغ کہ جنہوں نے براہ راست حضور ﷺ کی گود میں پرورش پائی تھی، آپ کے مبارک کندھوں پر سواری کی تھی، آپ کے لعاب دہن کو اپنی غذا بنایا تھا اور جن کو حضور نبی کریم ﷺ کا بیٹا ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس لئے غربت، پردیس اور ظلم کی حالت میں آپ کی اپنے نانا جان ﷺ کے عقید تمندوں کے ہاتھوں شہادت باقی شہادتوں پر ایک نمایاں فوقیت اور برتری رکھتی ہے۔

خلافت راشدہ کی مدت

حضور ﷺ کے بعد جس قسم کا دور حکومت قائم ہونا تھا۔ آپ ﷺ نے پہلے ہی اس کی نشاندہی فرمادی تھی کہ

الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم تکون ملکا — میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی۔ پھر ملوکیت آجائے گی۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفتن)

حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق خلافت راشدہ آپ کے بعد تیس سال تک ہوگی اس کے بعد دور ملوکیت کا آغاز ہوگا، خیر و فلاح پر مبنی طرز حکومت کو بدل دیا جائے گا اور امت مسلمہ میں سیاسی اقتدار کی جو صورت رواج پا جائے گی وہ ملوکیت کی صورت میں ہوگی چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق حضرت ابو بکر

صدیقؓ تقریباً ڈھائی برس تک تخت خلافت پر متمکن رہے' پھر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تقریباً دس برس تک اس منصب کو زینت بخشی پھر خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور آپ نے بارہ برس تک حکومت کی۔ آپ کے بعد خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم پانچ برس تک اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے اور تبلیغ دین کے لئے جو کچھ کر سکتے تھے بڑی جانفشانی' جرأت و ہمت اور نہایت جوش و جذبے کے ساتھ وہ سب کچھ کیا۔ آپ کی شہادت کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے یہ عہدہ سنبھالا اور تقریباً چھ ماہ اس منصب پر فائز رہے' سیدنا امام حسنؓ کے دور خلافت کے چھ ماہ شمار کر کے تیس برس پر مشتمل یہ زمانہ عہد خلافت راشدہ کہلاتا ہے۔

حضرت علیؓ شیر خدا کے دور خلافت میں بلکہ آپ کے اعلان خلافت کے ساتھ ہی ملک شام میں حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی آزاد حکومت کا اعلان کر دیا اور حضرت علیؓ کو انہوں نے امیر تسلیم نہ کیا۔ اس پر امت مسلمہ متفق رہی ہے کہ خلافت بہر طور سیدنا علیؓ کا حق تھا آپ ہی خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کا یہ فیصلہ اور یہ اقدام جمیع آئمہ اہل سنت کے ہاں خطا اجتہادی پر محمول کیا جاتا ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے جداگانہ اعلان حکومت کے بعد حضرت علیؓ کے ساتھ ان کی کشمکش کا آغاز ہو گیا جس کے نتیجے میں جنگ جمل اور جنگ صفین جیسے چھوٹے بڑے معرکے ہوئے تا آنکہ حضرت علیؓ شہید کر دیئے گئے۔

نئے متحارب گروہوں کا ظہور

اس دور مناقشہ میں چار جماعتیں وجود میں آئیں جس میں ایک جماعت ایسی تھی جس نے کھل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت اور بنو امیہ و دیگر شخصیات کی مخالفت کا اعلان کر دیا۔ اس جماعت نے خود کو "شیعان علیؓ" کہا۔ ("شیعہ" عربی زبان میں "گروہ" کو کہتے ہیں) یعنی انہوں نے خود کو حضرت علیؓ کی جماعت قرار دیا اور اسی سیاسی حمایت کی بنا پر آگے چل کر یہ جماعت "شیعان علیؓ" قرار پائی۔

یاد رہے کہ شیعان علیؓ کا نام جو اس وقت معروف ہوا اس سے مراد فقہی اور مذہبی نقطہ نظر سے وہ شیعہ مکتب فکر نہیں تھا جو بعد میں باقاعدہ فقہ کی تدوین و تالیف کے بعد وجود میں آیا بلکہ حضرت علیؓ کی خلافت کی سیاسی حمایت کے طور پر اسی دور میں معروف ہوا جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان سیاسی چپقلش تھی۔

دوسرا طبقہ حضرت علیؓ کی مخاصمت و عداوت میں بنو امیہ کی حمایت پر وجود میں آگیا۔ پہلے پہل یہی دو گروہ آپس میں متصادم ہوئے۔ اسی دور میں ایک تیسرا طبقہ بھی وجود میں آیا جس نے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کی مخالفت کی۔ اس طبقے نے ان دونوں ہستیوں کے خلاف ایک مسلح کشمکش کا آغاز کیا یہ طبقہ ''خوارج'' کہلاتا ہے۔ یہ خارجی، نماز، روزے اور زکوٰۃ کے پابند تھے۔ نوافل، تہجد، کثرت ذکر اور کثرت تلاوت جیسے اعمال بھی بجالاتے تھے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰہِ یعنی اللہ کی حکمرانی کا نعرہ بلند کرتے تھے لیکن (معاذ اللہ) حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کو واجب القتل اور کافر گردانتے تھے۔

اھل سنت کا نظریہ

اس سیاسی و فکری انتشار میں اعتدال پسند لوگ بھی کثیر تعداد میں موجود تھے۔ وہ معاملات کو حقیقی رنگ میں دیکھتے ہوئے کسی تفرقے کا شکار نہیں ہوئے تھے۔ بعد میں یہی طبقہ اہل سنت و جماعت کے نام سے معروف ہوا۔ اس میں امت مسلمہ کی اکثریت شریک تھی جن میں صحابہ کرامؓ، تابعینؒ کی بھی کثرت تھی۔ یہ حضرات حضرت علیؓ کی خلافت کو من کل الوجوہ حق تسلیم کرتے تھے اور آپ کی خلافت کو خلافت راشدہ قرار دیتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے اعلان حکومت اور اعلان خلافت کو درست اقدام تصور نہیں کرتے تھے مگر ان کے حضور ﷺ کے صحابی ہونے کے شرف کی بناء پر ادبا خاموش رہتے تھے اور حضور ﷺ کے اس ارشاد کے پیش نظر کہ میرے تمام صحابہ عادل ہیں، حیاءً حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت پر زبان طعن دراز نہ کرتے تھے لیکن اظہار حق کے طور پر حضرت علیؓ کے حامی تھے اور آپ ہی کی خلافت کو حق قرار دیتے

تھے۔ وہ حضرت علیؓ کے سچے ساتھی اور پیروکار تھے لیکن مخالفت اور مخاصمت کے باب میں کسی دھڑے میں باقاعدہ شریک ہو کر جنگ و قتال کے حامی نہ تھے اور کتاب و سنت کی پیروی کا دم بھرتے تھے۔ جب حضرت علیؓ کا وصال ہو گیا تو ان کی اکثریت نے حضرت امام حسنؓ کو اپنا خلیفہ مانا۔ چھ ماہ کے عرصہ حکومت کے باوجود جب امت مسلمہ پہلے کی طرح سیاسی انتشار کا شکار رہی اور دھڑے بندی ختم نہ ہوئی تو سیدنا امام حسنؓ نے امت میں وحدت، اتحاد اور یگانگت پیدا کرنے کی خاطر اپنی خلافت سے دستبردار ہونے کا اعلان فرمایا اور امت مسلمہ کے وسیع تر مفاد کی خاطر امیر معاویہؓ کی حکومت کو تسلیم کرنے کا اعلان فرما دیا چنانچہ اس چوتھے طبقے یعنی اہل سنت و جماعت نے بھی سیدنا امام حسنؓ کی پیروی میں امت مسلمہ کے مفاد کے پیش نظر حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت کو تسلیم کر لیا اور خلافت بنو امیہ کے خلاف بالعموم صف آرائی نہ کی۔

مرکز خلافت، کوفہ میں

حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں تخت حکومت مدینہ طیبہ سے منتقل کر کے کوفہ میں قائم کر لیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ حضرت امیر معاویہؓ کا دارالحکومت دمشق تھا۔ مدینہ دمشق سے بہت دور اور لمبی مسافت پر تھا۔ اس قدر دور رہ کر پوری خلافت کے انتظام و انصرام میں دشواری ہوتی تھی چنانچہ اس دشواری اور اس علاقے میں بپا ہونے والی مسلسل بغاوتوں پر قابو پانے کے پیش نظر آپ نے اپنا دارالحکومت کوفہ منتخب فرمایا درآنحالیکہ حجاز اور حرمین کے علاقے پرامن تھے۔ جب حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کا مرکز کوفہ قرار دیا تو وہ جو خود کو شیعان علیؓ (حضرت علیؓ کا گروہ) کہلانے والے تھے، اطراف عالم سے سمٹ سمٹ کر حضرت علیؓ کے قرب کے خیال سے کوفہ میں جمع ہونے لگے اور کثرت کے ساتھ انہوں نے کوفہ میں سکونت اور رہائش اختیار کی۔ اس طرح کوفہ شیعان علیؓ کا مرکز بن گیا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں اہل سنت کا موقف

حضرت امیر معاویہؓ یقیناً اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ تھے وہ ماضی کی طرح مسئلہ خلافت پر مسلمانوں کی آپس میں قتل و غارت اور خونریزی نہیں چاہتے تھے۔ سابقہ حالات کے پیش نظر وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اگر میں نے خلافت و امارت کو یونہی چھوڑ دیا یا کسی مجلس شوریٰ کو خلیفہ کے انتخاب کے لئے مقرر کر دیا تو لوگ کبھی بھی کسی ایک شخص پر متفق نہیں ہوں گے اور مختلف علاقوں سے خلافت کے مدعی اٹھ کھڑے ہوں گے جس سے ایک عظیم فساد بپا ہو جائے گا۔ انہیں یہ بھی احساس تھا کہ اگر خلافت کو بنوہاشم کی طرف منتقل کیا گیا تو بنوامیہ جو کہ قومیت میں عصبیت رکھتے ہیں کبھی برداشت نہیں کریں گے۔ اس طرح لڑائی جھگڑوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا چنانچہ انہوں نے بنوامیہ میں سے اپنے بیٹے یزید کو جو بقول مؤرخین امور سیاست کی خوب سمجھ بوجھ رکھتا تھا' ترجیح دی۔ انہوں نے درست کیا یا غلط! لیکن یہ بات مسلم ہے کہ یہ سب کچھ انہوں نے مسلمانوں کے درمیان قتل و غارت اور خونریزی کو روکنے کے لئے کیا۔ اس بات پر شاہد آپ کی یہ دعا ہے جو آپ نے یزید کو ولی عہد بنانے کے بعد مانگی۔

اللھم ان کنت تعلم انی ولیتہ لانہ اراہ اھلا لذالک فاتمم لہ ما ولیتہ وان کنت ولیتہ لانی احبہ فلا تتمم لہ ما ولیتہ

اے اللہ! تیرے علم میں یہ ہے کہ میں نے یزید کو اس کی اہلیت کے پیش نظر ولی عہد قرار دیا ہے تو تو اس کی ولی عہدی کو پورا کرنا اور اگر میں نے اس کی محبت کے سبب سے اس کو ولی عہد کیا تو اس کی ولی عہدی کو پورا نہ کرنا۔

(البدایہ والنہایہ ۸:۸۰)

حضرت امیر معاویہؓ کے اس اقدام کو صحیح کہا جائے یا غلط لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے پیچھے جذبہ بھلائی کار فرما تھا۔ علماء نے اسی بات کے پیش نظر اور دوسرا نسبت رسالت ﷺ کے پیش نظر حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں زبان

طعن دراز کرنا' تنقید کرنا' ان کو گالی دینا اور برا بھلا کہنا حرام قرار دیا ہے۔

امیر معاویہؓ کی حسن نیت اور شخصیت اپنی جگہ' لیکن بعض لوگ اس آڑ میں ایک گھناؤنا کھیل یہ کھیلتے ہیں کہ یزید کی ولی عہدی کو قطعی صحیح اور غیر متنازعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے یزید کے دور حکومت کے اقدامات کو بھی درست قرار دیتے ہیں تاکہ قتل حسینؓ جیسا شرمناک یزیدی اقدام بھی صحیح ثابت کیا جائے۔ وہ لوگ اس مقصد کے لئے کئی بودے اور بے بنیاد دلائل کا سہارا لیتے ہیں حالانکہ یزید کے جملہ اقدامات خصوصاً سیدنا امام حسینؓ کے متعلق یزید کے اعمال بد کو درست قرار دینا اور اس کے مقابلہ میں امام عالی مقام کو باغی کہنا' ان کی بے مثال شہادت کو ایک نئے روپ میں پیش کرنے کی سعی بغض اہل بیت اور بغض رسالت ﷺ کے سوا کچھ نہیں۔ یہ محض بدبختی' شقاوت اور خود کو جہنم کا ایندھن بنانے کے مترادف ہے۔ وہ شخص کسی حالت میں بھی ایمان کا دعویٰ نہیں کر سکتا جس کا دل حب اہل بیتؓ اور حب رسول ﷺ کی حلاوتوں سے خالی ہو۔

درحقیقت ایمان' حضور ﷺ کی محبت و تعظیم' آپ کے صحابہ کرام اور آپ کے خانوادہ کی محبت و تعظیم کا نام ہے۔ جو شخص نبی اکرم ﷺ کی محبت سے عاری ہے اور ان میں سے کسی کی شان میں زبان طعن دراز کرتا ہے اور جو شخص اہل بیت اطہارؓ کی محبت و تعظیم سے خالی ہے۔ کلیتاً ایمان کی دولت سے محروم ہے۔ وہ شخص جو جگر گوشۂ رسول ﷺ کی شہادت کا انکار کرتا ہے اور خانوادۂ رسول ﷺ کے آداب کو اپنے اوپر لازم نہیں سمجھتا اس پر جنت حرام ہے کیونکہ یہ سب کچھ نبی آخرالزمان ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے قدموں کا تصدق ہے۔ پس جو شخص اہل بیت نبوت کا نوکر اور خانوادۂ رسول ﷺ کا غلام اور اس خاندان کے ہر ایک فرد کی خاک پا کو سرمہ چشم بناتا ہے وہی اس لائق ہے کہ قیامت کو حضور اکرم ﷺ کی شفاعت کا حقدار ہو سکے اور جو شخص اپنے دل میں اہل بیت اور آل رسول ﷺ کا دلی ادب و محبت اور تعلق محسوس نہیں کرتا وہ سمجھ لے کہ اس کے دل پر شقاوت اور

بد بختی کا تسلط ہے۔ اس کا نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ وہ شخص چاہے تمام بدنی، مالی اور زبانی عبادتیں کرتا رہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے اعمال کی کچھ بھی اہمیت نہیں اور یہ سب کچھ اس کے منہ پر دے مارا جائے گا۔

۶۰ ہجری کے اختتام سے پناہ مانگنے کا حکم

حضرت امام حسینؓ کے شہادت عظمیٰ کی یہ ایک منفرد خوبی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس کی تفصیلات بہت پہلے بتا دی تھیں تا آنکہ جزئیات تک سے خواص اہل بیت واقف ہو چکے تھے اور انہیں بخوبی پتہ چل چکا تھا کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔ ان حیرت انگیز قبل از وقت تفصیلات کو معجزانہ پیش گوئی کے سوا کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ میدان صفین کی طرف جاتے ہوئے راستے میں حضرت علی شیر خداؓ نے کربلا کے ان مقامات تک کی نشاندہی کر دی تھی جہاں ان حضرات کو شہید ہونا تھا۔

ان واقعات کا بنظر غائر جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے دیگر تفصیلات کے ساتھ بعض خاص لوگوں کو مہ و سال سے بھی آگاہ کر دیا تھا اور وہ حتمی طور پر جانتے تھے کہ یہ افسوسناک سانحہ کب وقوع پذیر ہونے والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ان خاص لوگوں اور محرم راز دوستوں میں سے تھے جنہیں اچھی طرح علم تھا کہ سن ۶۰ ہجری کے اختتام تک سیاسی و ملکی حالات اس طرح نہیں رہیں گے بلکہ ان میں نمایاں تبدیلی آ جائے گی۔ حکومت کی باگ ڈور ایسے غیر صالح اور نو عمر چھوکروں کے ہاتھ میں آ جائے گی جن کے پیش نظر امانتِ الٰہیہ نہیں بلکہ تعیشِ زندگی ہوگی اور وہ اقتدار کو عیش و عشرت، شراب و کباب، بد معاشی، آوارگی، بدکاری اور عوام پر ظلم و ستم ڈھانے کے لئے بے دریغ استعمال کریں گے چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اعوذ باللہ من رأس الستین و امارۃ الصبیان

(فتح الباری، ۱:۲۱۶)

میں ساٹھ ہجری کے اختتام اور نو عمر لوگوں کی امارت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ بازار سے گزرتے ہوئے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اللھم لا تدرکنی سنۃ ستین ولا امارۃ الصبیان اے اللہ! میں ساٹھ ہجری اور بچوں کی امارت کے زمانہ کو نہ پاؤں۔

(فتح الباری' ۱۲: ۱۰)

ان کا مدعا یہ تھا کہ ایسا خوفناک دور شروع ہونے والا ہے جس سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور آپ ایک سال پہلے ہی فوت ہو گئے۔

۶۰ ہجری میں یزید تخت نشین ہوا اور ۶۱ ہجری کے ابتدائی دس دنوں میں سانحہ کربلا پیش آیا جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ نے یزید کی حکومت سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا تھا اور بتا دیا تھا کہ یہی وہ شخص ہو گا جو اہل بیتؓ کے خون سے ہاتھ رنگے گا چنانچہ حضور ﷺ کے حکم کی پیروی میں حضرت ابو ہریرہؓ یزید کی نوخیز اور لا ابالی حکومت اور اس کے ظلم و ستم سے بھرپور دور سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

حضرت امیر معاویہؓ کی یزید کو وصیت

جب حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کو تخت نشین کرنے کا فیصلہ کر لیا تو سنجیدہ فکر لوگوں نے اس پر تنقید کی اور کہا کہ ہم مانتے ہیں وہ آپ کا بیٹا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اسے امت کے اکابر اور بزرگ ترین لوگوں پر مسلط کر دیں کیونکہ وہ ایک کاہل' غافل اور لا پرواہ نوجوان ہے جسے امور سلطنت کی ذمہ داریوں سے کوئی دلچسپی نہیں' دن رات کھیل کود میں لگا رہتا ہے اور سارا وقت اوباش نوجوانوں میں گزارتا ہے۔ اس لئے ہماری مخلصانہ اور صائب رائے یہ ہے کہ اس کے حق میں بیعت نہ لیں۔

حضرت امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ میں امید کرتا ہوں کہ جب حکومت کا بوجھ اس پر آ پڑے گا تو وہ اپنے احوال درست کر لے گا تاہم حضرت امیر معاویہؓ کو سیاسی بصیرت کی بناء پر علم تھا کہ تمام والیان ریاست اور اہم شخصیات بیعت کر لیں گی مگر خانوادۂ نبوت کے چشم و چراغ حضرت امام حسینؓ یزید کی بیعت پر آمادہ نہ ہوں گے۔ چند

دیگر صحابہ کا بھی انہیں علم تھا جن میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت عبد الرحمن بن ابی بکرؓ شامل تھے چنانچہ انہوں نے انتقال سے پہلے یزید کو وصیت کی کہ حسین بن علیؓ نرم دل آدمی ہیں۔ اہل عراق ان کو حجاز سے نکال کر چھوڑیں گے پس اگر وہ نکلے اور تو نے ان پر غلبہ پالیا تو ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کرنا اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا کیونکہ ان کی رسول ﷺ سے قرابت داری ہے۔ (ابن اثیر، ۴:۶)

گورنر مدینہ کے نام یزید کا خط

یزید کی تخت نشینی کے بعد اس کے لئے سب سے اہم اور بڑا مسئلہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی بیعت کا تھا کیونکہ ان حضرات نے یزید کی ولی عہدی کو قبول نہ کیا تھا۔ مزید یہ کہ امت مسلمہ میں یہ ایسی بلند پایہ شخصیتیں تھیں کہ جن سے یزید کو اندیشہ تھا کہ کہیں ان میں سے کوئی خلافت کا دعویٰ نہ کردے چنانچہ یزید کے لئے اپنی حکومت کی بقاء اور مضبوطی کے لئے ضروری تھا کہ وہ ان حضرات سے بیعت لے اس لئے تخت نشین ہوتے ہی یزید نے مدینہ کے گورنر ولید بن عقبہ کو حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کی خبر بھیجی اور ساتھ ہی یہ حکم نامہ بھی بھیجا کہ حضرت امام حسینؓ، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے میرے حق میں بیعت لی جائے اور جب تک وہ میری بیعت نہ کریں انہیں ہرگز نہ چھوڑا جائے۔

(الطبری، ۶: ۲۴۔ ابن اثیر، ۴: ۱۴۔ البدایہ والنہایہ، ۸: ۱۴۶)

ولید کا مروان سے مشورہ

ولید بن عقبہ ایک رحم دل اور خاندان نبوت ﷺ کی تعظیم واحترام کرنے والا گورنر تھا۔ وہ یزید کے اس حکم سے بہت گھبرایا۔ اس حکم کی تعمیل اس کے لئے مشکل تھی مگر وہ عدم تعمیل کی صورت میں اس کے انجام سے بھی باخبر تھا۔ اس نے مشورے کے لئے اپنے نائب مروان بن حکم کو بلوا بھیجا اور ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔

مروان ایک سنگدل اور سخت مزاج شخص تھا۔ اس نے کہا کہ میرے خیال میں تم ان سب حضرات کو اسی وقت بلا بھیجو اور انہیں بیعت کرنے کے لئے کہو۔ اگر وہ بیعت کر لیں تو ٹھیک ورنہ انکار کی صورت میں تینوں کا سر قلم کر دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو امیر معاویہؓ کی موت سے باخبر ہونے پر وہ تینوں الگ الگ مقام پر جا کر مدعی خلافت بن کھڑے ہوں گے۔ پھر ان پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا البتہ ابن عمرؓ جدال و قتال کو پسند نہیں کرتے وہ امر خلافت کے طلبگار بھی نہیں سوائے یہ کہ خلافت خود بخود ان کو دی جائے۔ (ابن اثیر' ۴:۱۵۔ البدایہ والنہایہ' ۸:۱۴۷)

ولید نے حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو بلانے کے لئے قاصد بھیجا۔ قاصد نے ان دونوں حضرات کو مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھے ہوئے پایا۔ وہ قاصد ایسے وقت میں آپ حضرات کے پاس آیا تھا جس وقت ولید کسی سے نہ ملتا تھا۔ قاصد نے کہا کہ آپ دونوں حضرات کو امیر نے بلایا ہے۔ انہوں نے قاصد سے کہا "تم چلو! ہم ابھی آتے ہیں۔" پھر حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت امام حسینؓ سے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ امیر نے ہم کو ایسے وقت میں کیوں طلب کیا جس میں وہ کسی سے ملتے نہیں؟

حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ وفات پا گئے ہیں' ہمیں اس لئے بلایا گیا ہے کہ ان کی موت کی خبر پھیلنے سے پہلے ہم سے یزید کے حق میں بیعت لے لی جائے۔ حضرت ابن زبیرؓ نے کہا کہ میرا بھی یہی گمان ہے۔ پھر انہوں نے حضرت امام حسینؓ سے پوچھا کہ اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت اپنے جوانوں کو لے کر چلتا ہوں کیونکہ انکار کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ معاملہ نازک صورت اختیار کر جائے۔

حضرت امام حسینؓ اپنی حفاظت کا سامان کر کے ولید کے پاس پہنچے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ میں مکان کے اندر داخل ہوتا ہوں' اگر میں تمہیں بلاؤں یا تم سنو کہ میری آواز بلند ہو رہی تو فوراً اندر آ جانا اور جب تک میں باہر نہ آ جاؤں تم

یہاں سے مت ہٹنا۔ آپ اندر داخل ہوئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ اس وقت ولید کے پاس مروان بھی موجود تھا۔ ولید نے آپ کو حضرت امیر معاویہؓ کے وفات پا جانے کی خبر سنائی اور یزید کی بیعت کے لئے کہا۔ آپ نے تعزیت کے بعد فرمایا کہ میرے جیسا آدمی اس طرح چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا اور نہ ہی میرے لئے اس طرح چھپ کر بیعت کرنا مناسب ہے۔ اگر آپ باہر نکل کر عام لوگوں کے ساتھ ہمیں بھی بیعت کی دعوت دیں تو یہ ایک بات ہے۔ ولید جو کہ ایک امن پسند آدمی تھا اس نے کہا کہ اچھا! آپ تشریف لے جائیں۔ اس پر مروان نے ولید سے کہا کہ اگر اس وقت تم نے ان کو جانے دیا اور بیعت نہ لی تو تم کبھی بھی ان پر قابو نہ پا سکو گے تاوقتیکہ بہت سے لوگ قتل ہو جائیں۔ ان کو قید کر لو' اگر یہ بیعت کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ ان کا سر قلم کر دو۔ حضرت امام حسینؓ یہ سن کر اٹھ کھڑے ہو گئے اور فرمایا "ابن الزرقا! تو مجھے قتل کرے گا یا یہ کریں گے؟ خدا کی قسم تو جھوٹا اور کمینہ ہے" یہ کہہ کر آپ اپنے گھر تشریف لے آئے۔

آپ کے تشریف لے آنے کے بعد مروان نے ولید سے کہا "تم نے میرا مشورہ نہ مانا اب تم کبھی دوبارہ اس طرح کا موقع نہ پا سکو گے" ولید نے کہا "تم پر افسوس کہ تم مجھے ایسا مشورہ دے رہے ہو' خدا کی قسم! اگر دنیا بھر کا مال و متاع اور بادشاہی مجھے اس بات پر ملے کہ میں نواسۂ رسول ﷺ کو یزید کی بیعت نہ کرنے پر قتل کر دوں تو مجھے قبول نہیں ہے بخدا قیامت کے دن جس سے خون حسینؓ کی باز پرس ہو گی وہ ضرور خیف المیزان ہو گا" مروان نے کہا "تم ٹھیک کہتے ہو" یہ بات اس نے صرف ظاہراً کہی تھی ورنہ دل میں ولید کی بات کو ناپسند کرتا تھا۔ (ابن اثیر' ۴:۱۵'۱۶)

مدینہ منورہ سے روانگی

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ طرح طرح کے حیلوں سے ولید کے قاصد کو ٹالتے رہے اور ولید کے پاس نہ گئے۔ دوسرے دن وہ اپنے بھائی جعفر کے ہمراہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ ولید کے عملہ نے ان کو بڑا تلاش کیا مگر وہ نہ مل سکے۔

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے مکہ روانہ ہونے کے ایک رات بعد حضرت امام حسینؓ نے اپنے اعزہ و اقارب اور اہل و عیال کو جمع کیا اور ر مدینہ منورہ کی حرمت کی خاطر یہاں سے مکہ مکرمہ منتقل ہو جانے کا ارادہ فرمالیا۔ گھر والوں کو تیاری کا حکم دے کر آپ مسجد نبوی ﷺ میں اپنے نانا جان ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے' نوافل ادا کئے اور دست بستہ سلام عرض کیا' آپ کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو رواں ہو گئے۔ گنبدِ خضریٰ کے مکین ﷺ اور مدینہ طیبہ سے جدائی کے خیال نے آپ پر رقت طاری کر دی۔ اس شہر مبارک میں آپ نے عمر عزیز کا اکثر حصہ گزارا تھا۔ اس شہر کی معطر اور پر نور فضاؤں میں آپ اپنے بچپن سے لے کر اب تک سانس لیتے آ رہے تھے مدینہ منورہ سے دوری آپ کے لئے بڑی مشکل تھی۔

حضرت محمد بن حنفیہؓ کا مشورہ

حضرت محمد بن حنفیہؓ کے سوا تمام خاندان نے آپ کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ ہجرت فرمائی۔ حضرت محمد بن حنفیہؓ نے آپ سے کہا کہ بھائی! آپ تمام اہل زمین سے بڑھ کر مجھے عزیز ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے نہ آپ شہروں میں سے کسی شہر میں قیام نہ کریں۔ دیہات اور ریگستانوں میں قیام کریں۔ لوگوں کے پاس اپنے قاصد بھیج کر انہیں اپنی بیعت کی دعوت دیں' اگر وہ آپ کی بیعت کر لیں تو آپ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں اور اگر وہ کسی اور شخص پر متفق ہو جائیں تو اس سے آپ کے اوصاف و کمالات اور فضیلت میں کچھ کمی نہیں آئے گی۔ مجھے خوف ہے کہ اگر آپ کسی مخصوص شہر یا مخصوص جماعت کے پاس جائیں گے تو ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ ایک گروہ آپ کے ساتھ ہو گا اور دوسرا آپ کا مخالف' پھر ان دونوں مں جنگ و جدال کی نوبت آئے گی تو سب سے پہلے آپ ان کے نیزوں کا نشانہ بنیں گے۔ ایسی صورت میں ایک معزز اور شریف ترین شخص جو کہ حسب و نسب کے اعتبار سے ساری امت سے بہتر ہے اس کا خون سب سے ارزاں ہو جائے گا اور اس کے اہل و عیال کو ذلیل کیا جائے گا۔

یہ سن کر حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ بھائی پھر میں کہاں جاؤں؟ تو محمد بن

حنفیہؒ نے کہا کہ آپ مکہ چلے جائیں' اگر وہاں آپ کو اطمینان ہو جائے تو ٹھیک اور اگر اطمینان نہ ہو تو پھر آپ ریگستانوں اور پہاڑوں کی طرف چلے جائیں' ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہوتے رہیں اور لوگوں کے بدلتے ہوئے حالات دیکھتے رہیں۔ آپ کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کیونکہ جب واقعات سامنے آتے ہیں تو رائے بھی صحیح ہو جاتی ہے۔ آپؒ نے فرمایا "بھائی تم نے خیر خواہی اور شفقت فرمائی ہے' انشاء اللہ تمہاری رائے درست اور موافق ثابت ہو گی۔"

(الطبری' ۶: ۲۴۔ ابن اثیر' ۴: ۱۶' ۱۷)

حضرت امام حسینؓ جب اپنے اہل و عیال کے ہمراہ مدینہ منورہ سے نکلے تو آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

تو وہ اس شہر سے نکلا ڈرتا ہوا اس انتظار میں کہ اب کیا ہوتا ہے' کہا "اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے نجات عطا فرما۔"

(القصص' ۲۸: ۲۱)

اور جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ نے یہ آیت پڑھی

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ

اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوا کہا "امید ہے میرا رب مجھے سیدھی راہ پر چلائے گا۔"

(القصص' ۲۸: ۲۱' ۲۲)

جب آپ مکہ مکرمہ پہنچے تو اس وقت تک حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ مکہ میں اپنے کئی حامیوں کو تیار کر چکے تھے۔ یزید نے رمضان ۶۰ ہجری میں ولید بن عقبہ کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ عمرو بن سعد کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ عمرو بن سعد نے اور ایک روایت کے مطابق خود یزید نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو گرفتار کرنے کے لئے دو ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر مکہ کو روانہ کیا۔ لشکر نے مکہ

مکرمہ کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے موثر دفاع کیا۔ اس کاروائی کے دوران یزید کے لشکر کا سپہ سالار مارا گیا اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو فتح ہوئی۔ حضرت امام حسینؓ اس معرکے میں حرم کعبہ کے پیش نظر شریک نہ ہوئے اور الگ تھلگ رہے۔

اہل کوفہ کی مشاورت اور امام عالیؓ مقام کو دعوت

کوفہ شہر اس اعتبار سے حضرت علی شیر خداؓ کے شیعوں اور محبوں کا مرکز اور گڑھ تھا کہ آپ نے اپنا دار الخلافہ مدینہ طیبہ کی بجائے کوفہ قرار دیا تو آپ کے تمام محب وہیں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں بھی امام عالی مقام کی خدمت میں کوفہ تشریف آوری کی درخواستیں بھیج چکے تھے۔ اب جب انہیں یہ پتہ چلا کہ حضرت امام حسینؓ، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور یہ بھی علم ہوا کہ مکہ کا پہلا معرکہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے سر کر لیا ہے جس میں یزیدی لشکر کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے تو اس سے کوفہ کے شیعان علیؓ کے حوصلے بلند ہو گئے۔ انہوں نے ایک شخص سلیمان بن صرد الخزاعی کو اپنا لیڈر تسلیم کیا اور اس کے گھر پر ایک مجلس مشاورت طلب کی۔

تمام شیعہ سلیمان بن صرد کے گھر جمع ہوئے اور معاویہؓ کے مرنے کا ذکر کر کے سب نے اللہ کا شکر ادا کیا، پھر سلیمان بن صرد نے سب سے کہا کہ معاویہؓ ہلاک ہو گیا ہے اور امام حسینؓ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور مکہ چلے گئے ہیں۔ تم لوگ ان کے اور ان کے باپ کے شیعہ ہو۔ پس تم خوب جان لو کہ اگر تم ان کے مددگار بن سکتے ہو اور دشمنوں سے جہاد کر سکتے ہو تو ان کو لکھو اور اگر تمہیں اپنی کمزوری و بزدلی کا اندیشہ ہے تو ان کو دھوکہ نہ دو۔ سب نے کہا کہ ہم ان کو دھوکہ نہیں دیں گے بلکہ ہم ان کے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور ان پر اپنی جانیں نثار کریں گے۔ سلیمان نے کہا کہ پھر تم انہیں لکھو، جس پر انہوں نے آپ کی طرف اس کثرت سے خطوط لکھے کہ خطوط اور بعد میں وفود کا تانتا بندھ گیا۔ (الطبری، ۶:۲۵)

خط عموماً اس مضمون کے ہوتے تھے کہ آپ جلد از جلد کوفہ تشریف لائیں' مسند خلافت آپ کے لئے خالی پڑی ہے۔ مومنین شیعوں کے اموال اور گردنیں آپ کے لئے حاضر ہیں۔ سب کے سب آپ کی آمد کے منتظر اور دید کے مشتاق ہیں۔ آپ کے سوا ہمارا کوئی پیشوا اور امام نہیں۔ آپ کی مدد کے لئے لشکر موجود ہے۔ کوفہ کا حاکم نعمان بن بشیر دارالامارت میں بیٹھا ہے۔ ہم جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنے نہیں جاتے۔ جب آپ تشریف لائیں گے تو ہم اس کو کوفہ سے نکال باہر کریں گے۔

(جلاء الحیوان مترجم' ۲۰:۱۳۹)

امام حسینؓ کا فیصلہ

حضرت امام حسینؓ کے پاس جب یہ خطوط پہنچے تو آپ کی ہمت اور غیرت دینی جوش میں آگئی۔ آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے علم جہاد بلند کرنا اپنا فرض سمجھ لیا۔ اس پر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ آپ کے دیگر اعزہ و اقارب اور کئی جلیل القدر صحابہ اور تابعین نے آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ حضرت! آپ کوفہ تشریف نہ لے جائیں' کوفہ کے لوگ بے وفا ہیں' جفا کار ہیں۔ انہوں نے آپ کے ابا حضور سے بیوفائی کی تھی۔ انہیں غربت' پردیس اور کسمپرسی کی حالت میں شہادت کے انجام تک پہنچایا تھا اور پھر یہ لوگ وہ ہیں کہ اپنے ظالم امیر کو تخت سے ہٹا کر دعوت نہیں دے رہے' تاحال اس کی اطاعت کا قلادہ بدستور ان کے گلے میں ہے پھر بھی آپ کو بلائے جا رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ حسب سابق آپ سے بھی بے وفائی کر جائیں۔

امام عالی مقامؓ نے یہ سب کچھ سنا اور فرمایا کہ اب مجھ پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور دعوت حقّ کی خاطر جہاد کرنا فرض ہو چکا ہے۔ وہ لوگ بے وفا یا وفادار ہوں مجھے اس سے سروکار نہیں' میں قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں پیشی کے وقت اس سوال سے ڈرتا ہوں کہ تجھے دعوت حق ایسے وقت میں دی گئی تھی جب ظلم و بربریت کا بازار گرم تھا اور سنت نبوی ﷺ کے خلاف سرکشی ہو رہی تھی' دین اسلام میں بدعات و خرافات کو رواج دیا جا رہا تھا' لوگوں کے حقوق سلب ہو رہے تھے'

آزادیاں چھینی جا رہی تھیں' اسلامی شعار نشانہ تضحیک بن رہے تھے' اسلامی حکومت و قانون کا تصور مذاق بن کر رہ گیا تھا۔ حسینؓ! اس وقت تو نے اس بغاوت کے خلاف جہاد کا علم بلند کیوں نہ کیا؟ پھر یہ بھی بتاؤ کہ اس وقت میں کیا جواب دوں گا جب کوفیوں نے قیامت کے روز بارگاہ الٰہی میں کہا کہ ہم نے تو بہت کوشش کی تھی مگر امام بیعت کے لئے راضی نہ ہوئے تھے لہٰذا ہمیں یزید کے ظلم و تشدد سے مجبور ہو کر اس کی بیعت کرنا پڑی۔ اگر امام ہاتھ بڑھاتے تو ہم اپنی جانیں فدا کرنے کے لئے تیار تھے۔

بہرحال یہ مسئلہ ایسا تھا کہ جس کا حل سوائے اس کے کچھ اور نہ تھا کہ حضرت امام حسینؓ کوفیوں کی دعوت پر لبیک فرمائیں باوجودیکہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ آپ کی اس رائے سے متفق نہ تھے اور امام کی محبت اور شہادت امام حسینؓ کی شہرت ان سب کے دلوں میں اختلاج پیدا کر رہی تھی اور امام صاحب کو بھی جلیل القدر صحابہ کے شدید اصرار کا لحاظ تھا مگر اہل کوفہ کی درخواست کو رد فرمانے کے لئے کوئی شرعی عذر نہ تھا۔ چنانچہ امام عالی مقام نے سوچا کہ پہلے حضرت مسلم بن عقیلؓ کو کوفہ سفارت کے خیال سے بھیجا جائے۔ اگر کوفیوں نے بدعہدی اور بے وفائی کی تو عذر شرعی مل جائے گا اور اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہے تو صحابہ کو تسلی دی جا سکے گی چنانچہ آپ نے حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ سفارت کے خیال سے بھیجا اور فرمایا کہ اے میرے بھائی مسلمؓ! کوفہ جا کر حالات کا جائزہ لو اور وہاں کے حالات کا جائزہ لے کر مجھے خط لکھو اور مشورہ دو کہ آیا میرا وہاں جانا مناسب ہے یا نہیں؟ کیا لوگ یزید کی بیعت توڑنے اور میری بیعت کرنے کے لئے تیار ہیں؟..... آپؓ نے حضرت مسلم بن عقیلؓ کو کوفیوں کے خطوط کا جواب لکھ کر دیا کہ جو کچھ تم نے مجھ سے بیان کیا ہے وہ تمام میں نے جان لیا ہے' میں نے تمہارے پاس اہل بیتؓ میں سے اپنے قابل اعتماد چچا زاد بھائی مسلم بن عقیلؓ کو بھیجا ہے اور انہیں کہا ہے کہ وہ تمہارے حال کے بارے میں مجھے لکھیں' اگر انہوں نے مجھے لکھا کہ جو کچھ تم نے لکھا ہے وہ عقل مند اور بزرگان قوم سے مشورہ سے لکھا ہے تو میں انشاء اللہ بہت جلد تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا اور میں اپنی جان کی قسم کھاتا ہوں کہ امام

وہی ہے جو کہ کتاب اللہ پر عمل کرنے والا ہو۔ والسلام (ابن اثیر ۴:۲۱)

کوفہ میں امام مسلمؓ کا والہانہ استقبال

حضرت مسلم بن عقیلؓ اپنے کچھ ساتھیوں اور دو بیٹوں محمد اور ابراہیم کو ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہوئے۔ کوفہ پہنچ کر آپ نے مختار بن عبید کے ہاں قیام فرمایا۔ کوفہ کے شیعان علیؓ نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور حضرت امام حسینؓ کے نمائندہ کے طور پر جوق در جوق آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ پہلے ہی دن بارہ ہزار افراد نے حضرت مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھ پر حضرت امام حسینؓ کے حق میں بیعت کرلی۔ پھر اس تعداد میں اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ ان کی تعداد اٹھارہ ہزار تک پہنچ گئی۔ آپ نے لوگوں کا شوق' عقیدت و محبت' جوش اور ولولہ دیکھ کر حضرت امام حسینؓ کو خط لکھ دیا کہ بھائی حسینؓ! حالات دعوت حق اور امر بالمعروف کے لئے سازگار ہیں آپ بلا تامل اور بلا جھجک تشریف لے آئیں۔ (البدایہ والنہایہ' ۸:۱۵۲)

یزید کو اطلاع

اس وقت کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر تھا۔ اس نے حضرت مسلم بن عقیل کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ کھڑی کی اور خاموشی سے سب کچھ گوارا کیا۔ جب یزیدی حکومت کے حامیوں نے دیکھا کہ کایا پلٹ جانے کا امکان ہے تو وہ نعمان بن بشیر کے پاس آئے اور کہا کہ کوفہ شہر یزید کی حکومت سے نکلا جا رہا ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں لوگ جوق در جوق مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں اور تو خاموشی سے تماشا دیکھے جا رہا ہے۔ مسلم بن عقیلؓ کو گرفتار کر اور قتل کر کے ان کا صفایا کر دے تاکہ فتنہ و فساد کا امکان نہ رہے۔

نعمان بن بشیر نے کہا "میرے ساتھ جو جنگ نہیں کرے گا میں بھی اس کے خلاف جنگ نہیں کروں گا' جو مجھ پر حملہ نہیں کرے گا میں بھی اس پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا اور نہ ہی میں ان کو محض گمان کی بناء پر پکڑوں گا۔ لیکن خدائے وحدہٗ کی قسم! اگر تم

اپنے امیر سے جدا ہوئے اور اس کی بیعت کو توڑا تو میں تم سے اس وقت تک لڑوں گا جب تک میرے ہاتھ میں میری تلوار کا قبضہ ہے۔" یہ سن کر ایک آدمی عبداللہ بن مسلم نے کہا کہ اے امیر! یہ کام اندھی لاٹھی کے بغیر نہ سلجھے گا اور آپ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ کمزوروں کا طریقہ ہے۔ اس پر نعمان نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کمزوری مجھے اس کی نافرمانی میں طاقتور بننے سے زیادہ محبوب ہے۔

جب یزید کے حامیوں نے دیکھا کہ نعمان بن بشیر حضرت امام مسلمؓ کے خلاف کوئی اقدام کرنے پر تیار نہیں اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ ان کی بیعت کرتے جا رہے ہیں تو انہوں نے اپنا ایک وفد یزید کے پاس بھیجا اور کہا کہ نعمان بن بشیر قطعاً تیری حکومت کے مفادات کے تحفظ پر آمادہ نہیں ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی آمد آمد ہے اور لوگ مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھ پر جوق در جوق بیعت کر رہے ہیں۔ کوفہ اور بصرہ تیرے اقتدار سے نکل جانے کو ہے تو فوراً اس کے لئے کوئی بندوبست کر۔

نعمان بن بشیر کی معزولی اور ابن زیاد کا تقرر

کوفہ کی صورت حال کے متعلق اطلاع پا کر یزید نے اپنے ایک خاندانی غلام سرجون کو بلایا۔ سرجون حضرت امیر معاویہؓ کا معتمد غلام اور خاندان کا رازدان تھا۔ یزید نے اس کی گود میں پرورش پائی تھی۔ یزید نے اس محرم راز کو تمام حالات بتائے اور پوچھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ سرجون نے کہا کہ امیر معاویہؓ زندہ ہوتے تو آپ ان کا مشورہ قبول کر لیتے؟ یزید نے کہا "ہاں" سرجون نے کہا تو پھر میرا یہ مشورہ بھی قبول کر لیں کہ کوفہ کی امارت کے لئے عبیداللہ بن زیاد سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ اس لئے کوفہ کی امارت بھی اسی کے سپرد کر دیں۔ (البدایہ والنھایہ ۸:۱۵۲)

ابن زیاد بصرہ کا گورنر تھا کوفہ میں شیعان علیؓ و حسینؓ کا زور توڑنے کے لئے یزید نے اسے کوفہ کا بھی گورنر مقرر کر دیا اور اسے حکم نامہ بھیجا کہ کوفے پہنچ کر مسلم بن عقیلؓ کو تلاش کرو اور جب وہ تمہارے ہاتھ آجائیں تو اسے قتل کر دو یا جلا وطن کر دو۔ (البدایہ والنھایہ ۸:۱۵۲، ابن اثیر ۴:۲۳)

جس دن بصرہ میں ابن زیاد کو یزید کا حکم نامہ ملا اسی دن بصرہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قاصد بھی اہل بصرہ کے نام آپ کا ایک خط لایا۔ کیونکہ اہل بصرہ بھی آپ کی طرف مائل تھے۔ آپ نے اس خط میں اہل بصرہ کو لکھا تھا کہ میں نے اپنا قاصد تمہارے پاس یہ مکتوب دے کر بھیجا ہے۔ میں تمہیں اللہ کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دعوت دیتا ہوں اس لئے کہ سنت مٹا دی گئی ہے اور بدعت زندہ کر دی گئی ہے۔ اگر تم لوگ میری بات سنو گے اور میرے علم کی اطاعت کرو گے تو میں تمہیں راہ ہدایت پر چلاؤں گا۔

بصرہ کے سرداروں میں سے جس شخص نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے خط کو پڑھا' اس نے اسے پوشیدہ رکھا مگر منذر بن الجارود کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ قاصد عبیداللہ ابن زیاد کا کوئی جاسوس نہ ہو اور اس نے امتحاناً اشراف بصرہ کے پاس بھیجا ہو۔ جس صبح کی رات ابن زیاد نے کوفہ روانہ ہونا تھا اس رات منذر بن الجارود قاصد کو لے کر ابن زیاد کے پاس آیا اور مکتوب اسے پڑھایا۔ ابن زیاد نے اسی وقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاصد کو قتل کروا دیا اور جامع بصرہ میں لوگوں کے سامنے سخت تہدید آمیز تقریر کی اور کہا:

"خدا کی قسم! مجھے مصیبت' دشواری یا دشمن کے اسلحہ کی جھنکار سے ڈرایا نہیں جا سکتا۔ جو مجھ سے دشمنی رکھے میں اس کے لئے عذاب ہوں اور جو مجھ سے جنگ کرے اس کے لئے میں جنگ کی آگ ہوں۔ امیرالمومنین (یزید) نے مجھے کوفہ کی ولایت سونپی ہے۔ میں کل وہاں جانے والا ہوں اور اپنے پیچھے عثمان بن زیاد بن ابو سفیان کو تم پر اپنا نائب بنا کر چھوڑے جا رہا ہوں تم لوگ اختلاف اور بغاوت سے اجتناب کرو ورنہ قسم اس ذات کی جس کے سوا اور کوئی خدا نہیں اگر میرے پاس تم میں سے کسی آدمی کی مخالفت کی خبر پہنچی تو میں اس کو اور اس کے سب حامیوں اور دوستوں کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔ میں بعید کے بدلے میں قریب کو پکڑوں گا (یعنی روپوش مجرموں کے وارثوں اور حامیوں کو پکڑوں گا جو موجود ہونگے) یہاں تک کہ معاملہ سلجھ

جائے اور تم میں کوئی مخالفت کرنے والا یا پھوٹ ڈالنے والا باقی نہ رہے۔ یاد رکھو! میں اپنے باپ کے مشابہ ہوں۔ اس باپ کے جس نے کنکر پتھر روند ڈالے تھے۔"

(الطبری' ۶:۲۵) (البدایہ والنہایہ' ۸:۱۵۸) (ابن اثیر' ۴:۲۳)

ابن زیاد کا کوفہ میں داخلہ

عبیداللہ بن زیاد بصرہ سے اپنے اہل خانہ اور پانچ سو سواروں کے ہمراہ کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ ان میں سے کچھ راستہ میں ہی ٹھہر گئے مگر اس نے کچھ پروانہ کی اور برابر چلتا رہا۔ قادسیہ کے مقام پہنچ کر اس نے سترہ افراد کو اپنے ساتھ لیا جب کہ باقی کو وہیں چھوڑا اور کالے عمامے سے ڈھاٹا باندھ کر شہر میں داخل ہوا (تاکہ لوگوں کو مغالطہ ہو کہ امام حسینؓ آگئے ہیں) وہ جس اجتماع سے گزرتا "السلام علیکم" کہتا اور لوگ جو کہ یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں وہ **وعلیکم السلام مرحبا بک یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** (وعلیکم السلام' خوش آمدید اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے) کہتے کیونکہ وہ ان کے انتظار میں تھے۔ ابن زیاد سترہ سواروں کے ساتھ شہر میں داخل ہوا تھا مگر لوگ بکثرت اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس پر مسلم بن عمرو نے لوگوں سے کہا کہ پرے ہٹو! یہ امیر عبداللہ بن زیاد ہیں۔ یہ سن کر لوگوں کو بڑا دکھ ہوا اور ان کے دل ٹوٹ گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ عبیداللہ کو بھی اس خبر کی تصدیق ہو گئی جو یزید کو مسلم بن عقیلؓ کی آمد اور بیعت حسینؓ کے بارے میں ملی تھی۔

ابن زیاد جب کوفہ کی قصر امارت کے دروازے پر ڈھاٹا باندھے ہوئے پہنچا تو حضرت نعمان بن بشیر نے سمجھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں۔ اس نے محل کا دروازہ بند کر لیا اور کہا کہ میں اپنی امارت آپ کے سپرد نہ کروں گا اور نہ ہی میں آپ سے لڑوں گا۔ ابن زیاد نے کہا کہ دروازہ کھولو ورنہ میں خود اسے کھول لوں گا۔ اس پر نعمان نے دروازہ کھول دیا۔ اس وقت بھی وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہیں لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ عبیداللہ ہے تو وہ سخت نادم ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ' ۸:۱۵۳)

قصر امارت میں داخل ہونے کے بعد ابن زیاد نے منادی کرنے کا حکم دیا۔ منادی کی گئی اور لوگ جمع ہو گئے۔ ابن زیاد قصر امارت سے نکل کر لوگوں کے پاس آیا اور اللہ تعالی کی حمد و ثنا کے بعد خطاب کیا:

"امیر المومنین (یزید) نے مجھے تمہارے امور، تمہاری حدود اور تمہارے اموال پر حاکم بنا کر بھیجا ہے۔ انہوں نے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے مظلوموں کے ساتھ انصاف کروں، حاجت مندوں کو عطا کروں، مطیع و فرمانبرداروں پر احسان کروں اور تم میں سے مشکوک اور نافرمان لوگوں پر سختی کروں میں تم پر اس کے احکام نافذ کروں گا اور ان احکام کی پیروی کراؤں گا۔ (البدایہ والنہایہ، ۸ - ابن اثیر، ۴: ۲۴)

اس تقریر کے بعد ابن زیاد نے کوفہ کے سرکردہ لوگوں کو گرفتار کر لیا اور ان سب سے تحریری ضمانت مانگی کہ وہ اور ان کے قبیلے کے افراد کسی مخالف کو اپنے ہاں پناہ نہیں دیں گے اور نہ ہی کسی قسم کی مخالفانہ سرگرمیوں میں حصہ لیں گے اور اگر کسی نے حکومت کے کسی مخالف کو پناہ دے رکھی ہے تو وہ اس کو پیش کرے گا اور جو اپنی تحریری پابندی کرے گا وہ بری ہو جائے گا اور جو ایسا نہیں کرے گا اس کا مال اور جان دونوں حلال ہو جائیں گے۔ اس کو قتل کر کے اسی کے دروازے پر لٹکا دوں گا اور اس کے تمام لواحقین بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔

ابن زیاد کی آمد اور ڈرانے دھمکانے سے اہل کوفہ خوفزدہ ہو گئے اور ان کے خیالات میں تبدیلی آنے لگی۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے مختار بن عبیدہ کے ہاں رہنا مناسب نہ سمجھا اور رات کے وقت وہاں سے نکل کر ہانی بن عروہ کے ہاں چلے آئے جو ایک سربر آوردہ کوفی اور محب اہل بیت تھا۔ ہانی کو آپ کا آنا سخت ناگوار گزرا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ یہاں نہ آتے تو اچھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں خاندان رسالت کا ایک غریب الوطن مسافر ہوں، مجھے پناہ دو۔ ہانی نے کہا کہ اگر آپ میرے مکان میں داخل نہ ہو گئے ہوتے تو میں یہی کہتا کہ آپ چلے جائیں۔ لیکن اب یہ میری غیرت کے خلاف ہے کہ آپ کو گھر سے نکال دوں۔ ہانی نے مکان کے زنانہ حصے

کے محفوظ کمرے میں آپ کو چھپا دیا۔ (ابن اثیر ۴:۲۵)

شریک بن اعور ایک رئیس آدمی تھا جو اس وقت بیمار تھا۔ اس نے سنا کہ عبیداللہ اس کی عیادت کو آرہا ہے۔ اس نے ہانی کو کہلا بھیجا کہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کو میرے پاس بھیج دو تاکہ جب ابن زیاد میری بیمار پرسی کو آئے تو اسے مسلم کے ہاتھوں قتل کروایا جائے۔ ہانی نے آپؓ کو شریک بن اعور کے ہاں بھیج دیا۔ شریک نے حضرت مسلم بن عقیلؓ سے کہا کہ آپ چھپ کر بیٹھ جائیں۔ جب عبیداللہ میرے پاس آکر بیٹھ جائے گا تو میں پانی مانگوں گا۔ یہ آپ کے لئے اشارہ ہو گا کہ پردے سے نکل کر اسے قتل کر دیں۔

جب عبیداللہ آیا تو وہ شریک کے بستر پر بیٹھ گیا۔ اس وقت شریک کے پاس ہانی بھی موجود تھا۔ عبیداللہ بن زیاد کے سامنے اس کا غلام کھڑا تھا۔ تھوڑی دیر تک انہوں نے باتیں کیں پھر شریک نے کہا کہ مجھے پانی پلاؤ۔ مگر حضرت مسلمؓ ابن زیاد کو قتل کرنے کے لئے نہ نکلے۔ لونڈی پانی کا کوزہ لائی مگر حضرت مسلمؓ کو چھپا دیکھ کر شرما گئی اور تین بار پانی سمیت لوٹ گئی۔ شریک نے پھر کہا کہ مجھے پانی پلاؤ خواہ اس سے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ کیا تم مجھے پیاسا مارنا چاہتے ہو؟ مہران اس سازش کو سمجھ گیا اور اپنے مالک کو اشارہ کر کے فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ ابن زیاد اپنے غلام کے اشارے پر فوراً اٹھا اور باہر جانے لگا تو شریک نے اسے ٹھہرانے کی خاطر کہا کہ اے امیر! میں آپ کو کچھ وصیت کرنا چاہتا ہوں لیکن ابن زیاد نے کہا میں پھر آؤں گا اور باہر نکل گیا۔ غلام اسے سواری پر بٹھا کر تیزی سے وہاں سے نکال کر لے گیا اور اپنے مالک سے کہا کہ اے امیر! یہ لوگ تو آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ وہ بولا "افسوس! میں تو ان سے اچھا سلوک کرنا چاہتا تھا لیکن ان کا یہ حال ہے۔"

ابن زیاد کے جانے کے بعد حضرت مسلم بن عقیلؓ پردے سے باہر نکل آئے شریک نے پوچھا کہ آپ کو باہر نکل کر اسے قتل کر دینے سے کس چیز نے روکا؟ حضرت مسلمؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث نے جو مجھ تک پہنچی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ "ایمان دھوکے سے قتل کرنے کی ضد ہے، مومن دھوکے سے

قتل نہیں کرتا" اور پھر یہ بات بھی مجھے اچھی نہ لگی کہ میں اسے آپ کے گھر میں قتل کرتا۔ شریک نے کہا کہ اگر آپ اسے قتل کر دیتے تو صرف کوفہ کے قصر امارت پر قبضہ سے آپ کو کوئی نہ روک سکتا بلکہ بصرہ بھی آپ کے قبضے میں آجاتا۔ علاوہ ازیں اس کے قتل سے زمین کو ایک ظالم و فاجر کو پاک کر دیتے۔

(البدایہ والنھایہ' ۸:۱۵۳)

تین دن بعد شریک نے وفات پائی اور ابن زیاد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بعد میں جب اس کو معلوم ہوا کہ شریک نے ہی حضرت مسلمؓ کو اس قتل پر اکسایا تھا تو اس نے کہا "خدا کی قسم! میں کسی عراقی کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا اور واللہ! اگر میرے باپ زیاد کی قبر وہاں نہ ہوتی تو میں ضرور شریک کی قبر کھدوا ڈالتا۔"

(ابن اثیر' ۴:۲۷)

حضرت مسلم بن عقیلؓ کی تلاش

حضرت مسلم بن عقیلؓ ہانی بن عروہ کے گھر میں چھپے ہوئے تھے۔ معتقدین خفیہ طور پر وہاں آتے جاتے تھے اور بیعت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ادھر ابن زیاد برابر اس تجسس میں تھا کہ کسی طرح پتہ چلے کہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کو کس شخص نے پناہ دے رکھی ہے۔ آخر اس نے اپنے ایک غلام کو بلایا اور اسے تین ہزار درہم دیتے ہوئے کہا کہ مسلم بن عقیلؓ اور ان کے ساتھیوں کو تلاش کر۔ ان سے ملاقات کرنا اور انہیں یہ مال دے کر بتانا کہ تم بھی اہل بیت کے محبیّن میں سے ہو۔ چنانچہ وہ غلام جامع مسجد میں حضرت مسلم بن عوسجہ کے پاس آیا جو نماز پڑھ رہے تھے۔ غلام نے لوگوں کو کہتے سنا کہ یہی شخص حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نمائندہ کے طور پر لوگوں سے بیعت لیتے ہیں۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو اس غلام نے حضرت مسلم بن عوسجہ سے کہا کہ بندہ خدا! میں شامی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص انعام ہے کہ میں محب اہل بیت ہوں۔ میرے پاس یہ تین ہزار درھم ہیں۔ میں اہل بیت کے اس فرد کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کر کے ان کی بیعت کرنا چاہتا ہوں جو میری معلومات کے مطابق مکہ سے کوفہ تشریف لائے ہوئے ہیں اور نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم امام حسینؓ کے لئے بیعت لیتے ہیں۔ شنید یہ

بھی ہے کہ آپؓ وہ گھر جانتے ہیں جہاں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ میرے ساتھ اس مقصد کے حصول میں تعاون فرمائیں اور مجھے ان کی خدمت میں لے چلیں۔

حضرت مسلم بن عوبجہؓ نے اس کی عقیدت مندی پر خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ جس سے تم محبت کرتے ہو اس کو تم پالو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے اپنے نبی ﷺ کے اہل بیت کی مدد فرمائے گا۔ (ابن اثیر، ۴: ۲۵)

مسلم بن عوبجہؓ بغیر کسی تحقیق و تفتیش کے اس مکار غلام کو حضرت مسلم بن عقیلؓ کے پاس لے گئے جو لگاتار پندرہ دن وہاں مقیم رہ کر مسلم بن عقیلؓ کی نشست و برخاست اور سرگرمیوں کے بارے میں پوری پوری معلومات حاصل کرتا رہا۔ غلام نے حضرت مسلم بن عقیلؓ کے حکم پر ابن زیاد کا دیا ہوا تمام مال عرب کے مشہور شہسوار ابو ثمامہ عامری کو دے دیا جو امام کی جانب سے اموال کی تحصیل اور اسلحہ کی خریداری کا ذمہ دار تھا۔ غلام نے واپسی پر حضرت مسلم بن عقیلؓ کی قیام گاہ اور اس گھر کے مالک کا پتہ اور آپ کی سرگرمیوں کی مکمل تفصیل ابن زیاد کو بتادی۔

(البدایہ والنہایہ، ۸: ۱۵۴)

ہانی کی گرفتاری

ہانی بن عروہ کوفہ میں ایک مقتدر شخصیت تھے۔ ابن زیاد کے ساتھ ان کے پہلے سے تعلقات تھے۔ حضرت مسلم بن عقیلؓ کے آنے سے پہلے ان کا ابن زیاد کے پاس آنا جانا رہتا تھا۔ حضرت مسلم بن عقیلؓ کی اپنے گھر آمد کے بعد انہوں نے بیماری کا بہانہ کرکے ابن زیاد سے میل ملاپ ترک کردیا۔ ابن زیاد چونکہ تمام حالات سے باخبر ہو چکا تھا سو ایک دن اس نے ہانی کا ذکر کرتے ہوئے پوچھا کہ دوسرے امراء کے ہمراہ ہانی ہمیں ملنے کیوں نہیں آتا؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ بیمار ہیں۔ ابن زیاد نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھا رہتا ہے۔

اس کے بعد چند امراء ہانی کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ ابن زیاد کو آپ

کے بارے میں کچھ بدگمانی ہو گئی ہے لہٰذا آپ ہمارے ساتھ چلیں تاکہ صفائی ہو جائے اور بدگمانی دور ہو۔ ہانی اندر گئے حضرت مسلم سے بات کی اور تیار ہو کر امراء کے ساتھ ابن زیاد کے پاس چلے گئے۔ دارالامارت پر پہنچ کر جب ہانی نے ابن زیاد کو سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب نہ دیا۔ ہانی اس خلاف معمول سلوک پر متعجب ہوئے اور دل میں کھٹکاؤ خوف محسوس کیا۔ کچھ دیر بعد ابن زیاد نے کہا کہ اے ہانی! مسلم بن عقیلؓ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا "مجھے معلوم نہیں" اسی پر وہ یمنی غلام اٹھ کھڑا ہوا جو حمص (شام) کے مسافر کے روپ میں ہانی کے گھر قیام پذیر رہا تھا اور جس نے ہانی کے سامنے حضرت مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور تین ہزار درہم کا نذرانہ بھی پیش کیا تھا۔ ابن زیاد نے پوچھا کیا تم اس کو جانتے ہو؟ ہانی نے کہا "ہاں" غلام کو دیکھ کر نادم ہوئے اور کہا کہ اے امیر! خدا آپ کا بھلا کرے۔ خدا کی قسم میں نے انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت نہیں دی تھی بلکہ وہ اپنے آپ میرے گھر میں آ گئے تھے۔ ابن زیاد نے کہا کہ "پھر انہیں یہاں لے آؤ" ہانی نے کہا خدا کی قسم "اگر وہ میرے پاؤں کے نیچے بھی ہوتے تو میں ان کے اوپر سے پاؤں نہ اٹھاتا" یہ سن کر ابن زیاد نے کہا "اسے میرے قریب لاؤ" جب ہانی کو ابن زیاد کے قریب لایا گیا تو اس نے ہانی کے چہرے پر نیزے سے وار کیا جس سے ان کا چہرہ اور ناک زخمی ہو گئے۔ ہانی ابن زیاد پر حملہ کرنے کے لئے ایک سپاہی سے تلوار چھین کر سونتنے لگے تو لوگوں نے انہیں پکڑ لیا۔ ابن زیاد نے کہا کہ اب تم نے اپنا خون مجھ پر حلال کر دیا ہے کیوں کہ تم حروری ہو (خارجی ہو)۔ اس کے بعد ابن زیاد کے حکم سے انہیں ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔

ہانی کی قوم بنی مذحج یہ سمجھ کر کہ انہیں قتل کر دیا گیا قصر امارت کے دروازے پر جمع ہو گئی۔ ابن زیاد نے ان کا شور و غوغا سنا تو قاضی شریح سے جو اس کے پاس موجود تھا کہا کہ آپ ان لوگوں کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ امیر نے انہیں صرف مسلم بن عقیلؓ کے بارے میں پوچھ گچھ کے لئے روک رکھا ہے۔ قاضی شریح نے انہیں جا کر کہا کہ تمہارا سردار زندہ ہے اور امیر نے اسے ایک خفیف سی ضرب لگائی ہے۔ تم واپس

چلے جاؤ، خود کو اور اپنے سردار کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس پر وہ سب اپنے گھروں کو چلے گئے۔

حضرت مسلم بن عقیلؓ نے جب یہ خبر سنی تو سوار ہو کر نکل آئے اور اپنے حامیوں کو مدد کے لئے بلایا۔ آناً فاناً چار ہزار کوفی آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپؓ انہیں لے کر ابن زیاد کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں آپ لوگوں کو ہانی کے معاملے کی طرف توجہ دلاتے رہے اور انہیں اختلاف و انتشار سے اجتناب کی تلقین کرتے رہے۔ دریں اثناء قصر امارت کے محافظین نے آپ کو دیکھ لیا اور چلائے کہ مسلم بن عقیلؓ آ گئے ہیں۔ ابن زیاد اور اس کے ساتھی بھاگ کر محل میں داخل ہو گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ حضرت مسلم بن عقیلؓ محل کے دروازے پر پہنچ کر اپنے لشکر سمیت ٹھہر گئے۔

مختلف قبائل کے سردار جو کہ اس وقت ابن زیاد کے پاس موجود تھے وہ ابن زیاد کے حکم سے محل کی دیواروں پر چڑھ گئے اور اپنی اپنی قوم کے ان آدمیوں کو جو حضرت مسلم بن عقیلؓ کے ساتھ تھے اشاروں سے واپس چلے جانے کو کہا اور اشاروں اشاروں ہی میں کچھ وعدے کئے اور کچھ ڈرایا دھمکایا۔ علاوہ ازیں ابن زیاد نے بعض سرداروں کو محل سے باہر بھیج دیا تاکہ دوسرے لوگوں کو مسلم بن عقیلؓ کی حمایت سے باز رکھ سکیں اور ساتھ والوں کو برگشتہ کر سکیں جس میں وہ کامیاب رہے۔ انہوں نے آپ کے ساتھیوں کو برگشتہ کرنے کے لئے کچھ ایسے حربے آزمائے کہ کسی عورت کو اس کے بیٹے یا بھائی کے پاس بھیجا اور انہیں امام کا ساتھ چھوڑ کر گھر چلنے کی یوں ترغیب دی کہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کے پاس تمہارے علاوہ بھی بہت سے لوگ ہیں۔ تمہارے چلے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کچھ لوگ اپنے عزیزوں کے پاس آئے اور انہیں شامی فوجوں کی طاقت سے مرعوب کیا۔ فوج کی شام سے روانگی کی خبر سنائی اور واپس نہ جانے کی صورت میں شامی فوج سے مقابلہ اور انجام سے ڈرایا۔ نتیجہ یہ کہ رفتہ رفتہ لوگوں نے حضرت مسلم بن عقیلؓ کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا اور نماز مغرب تک صرف تیس آدمیوں کی مٹھی بھر جمعیت آپ کے ساتھ رہ گئی۔ آپؓ نے انہی تیس

افراد کے ساتھ نماز مغرب ادا کی اور ابواب کندہ کا قصد کیا۔ روانگی تک آپ کے ساتھیوں کی تعداد بدستور تیس تھی۔ روانگی پر دس رہ گئے اور تھوڑا سا فاصلہ طے ہوا تو آپ اکیلے رہ گئے۔ اب صورتحال یہ تھی کہ کوئی راہنما اور ہمدردی جتانے والا بھی ساتھ نہ رہا۔ آخر اندھیرا چھا گیا' آپ پریشان حالی میں چلتے ہوئے طوعہ نامی ایک عورت کے دروازے پر جا پہنچے جو اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھی اپنے بیٹے بلال کا انتظار کر رہی تھی۔ حضرت مسلم بن عقیلؓ نے اس عورت سے کہا کہ مجھے پانی پلائیں۔ اس نے آپ کو پانی پلایا اور کچھ دیر کے لئے اندر چلی گئی' دوبارہ باہر جو نکلی تو اجنبی کو بدستور دروازے پر پایا۔ اس نے پوچھا کہ کیا تم نے پانی نہیں پیا؟ آپ نے فرمایا پی لیا ہے۔ تو وہ بولی بعافیت چلو اور اپنے گھر کو جاؤ۔ تمہارا میرے گھر کے دروازے پر کھڑا رہنا مناسب نہیں۔ اس پر آپ جانے لگے تو فرمایا کہ اے اللہ کی بندی! اس شہر میں میرا کوئی گھر اور قرابت داری نہیں ہے۔ کیا آپ مجھ پر ایک احسان کریں گی جس کا کل ہم آپ کو اتنا اجر بھی دیں گے جو آپ کو کفایت کرے گا۔ اس نے کہا کہ بندہ خدا وہ کیا احسان ہے؟ آپ نے کہا کہ میں مسلم بن عقیلؓ ہوں اور اس قوم نے مجھ سے جھوٹ بولا اور دھوکہ دیا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ مسلم ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اس عورت نے کہا آپ اندر آجائیں۔ پھر اس عورت نے آپ کے لئے ایک علیحدہ کمرے میں بچھونا بچھا دیا اور رات کا کھانا پیش کیا مگر آپ نے کھانا نہ کھایا۔ تھوڑی دیر بعد اس عورت کا بیٹا بھی آگیا۔ جب اس نے اپنی ماں کو بار بار اس کمرے میں آتے جاتے دیکھا تو پوچھا کہ معاملہ کیا ہے۔ اس عورت نے کہا کہ بیٹا اس بات کو چھوڑو مگر جب بیٹے نے اصرار کیا تو اس کی ماں نے راز فاش نہ کرنے کا عہد لے کر اسے حضرت مسلم بن عقیلؓ کا حال بتا دیا۔ اس پر وہ ساری رات خاموشی سے لیٹا رہا اور کوئی بات نہ کی۔

ادھر ابن زیاد اپنے ہمراہی امراء و اشراف کے ساتھ محل سے نیچے اترا اور جامع مسجد میں نماز ادا کی۔ نماز کے بعد اس نے امراء سے حضرت مسلم بن عقیل کا مطالبہ کیا اور اعلان کیا کہ جس کے پاس وہ پائے گئے اور اس نے ہمیں اطلاع نہ دی تو اس کا

خون ہمارے لئے مباح ہو گا اور جو شخص انہیں لے آئے گا اسے انعام دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ابن زیاد نے امام مسلم کی تلاش کا کام پولیس کے سپرد کیا اور انہیں سختی سے چوکس رہنے کی تاکید کی۔

علی الصبح اس بڑھیا کے بیٹے نے بھاگم بھاگ عبد الرحمٰن بن محمد بن اشعث کو امام مسلمؓ کی اپنے گھر موجودگی کی خبر جا پہنچائی جس نے اپنے والد سے ابن زیاد کے دربار میں سرگوشی کی۔ عبد الرحمٰن کا باپ اس وقت ابن زیاد کے پاس تھا۔ ابن زیاد نے اس سے پوچھا کہ تم سے کیا کہا گیا ہے تو اس نے مسلم بن عقیلؓ کی بازیافت کے متعلق بتا دیا۔ ابن زیاد نے اپنی چھڑی سے اس کے پہلو میں ہلکا سا ٹھوکا دیا اور کہا کہ اٹھو اسے ابھی میرے پاس لے آؤ۔ ابن زیاد نے عمر بن حریث مخزومی کو جو کہ پولیس افسر تھا، ستر اسی سواروں کے ساتھ عبد الرحمٰن اور محمد بن اشعث کے ہمراہ حضرت مسلمؓ کی گرفتاری کے لئے بھیج دیا۔

حضرت مسلمؓ کو اس وقت خبر ہوئی جب اس مکان کا گھیراؤ کر لیا گیا جس میں آپ موجود تھے۔ جب وہ لوگ مکان میں داخل ہوئے تو آپ تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے اور تین بار انہیں مکان سے باہر دھکیلا مگر آپ کے اوپر اور نیچے کے دونوں ہونٹ زخمی ہو گئے۔ اس کے بعد وہ پتھر برسانے لگے اور آگ کے گولے اندر پھینکے جس سے آپ کا دم گھٹنے لگا لہٰذا آپ تلوار لے کر باہر نکل آئے اور ان سے مقابلہ کرنے لگے۔ اس پر عبد الرحمٰن نے آپ کو پناہ دے دی اور اس طرح سے آپ کو گرفتار کرنا آسان ہو گیا۔

ابن زیاد کے سپاہیوں نے آپ سے تلوار چھین لی اور سواری کے لئے ایک خچر لے آئے۔ اب آپ کی ملکیت میں سوائے آپ کی اپنی ذات کے کوئی شئے باقی نہ رہی تھی۔ اس وقت آپ نے سمجھ لیا کہ مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ کچھ سوچ کر آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، جب آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے تو ایک شخص عبد اللہ بن عباس سلمی نے کہا کہ جس چیز کے تم طلبگار ہو اس کے طلبگاروں پر

جب ایسی مصیبت آن پڑتی ہے تو وہ رویا نہیں کرتے۔ آپ نے جواب دیا بخدا! میں اپنے لئے نہیں روتا اور نہ اپنی موت پر روتا ہوں بلکہ میں تو حضرت امام حسینؓ اور آل امام کے لئے روتا ہوں۔" پھر آپ محمد بن اشعث کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے بندے! میرا خیال ہے کہ تم مجھے پناہ دینے کا عہد پورا نہ کر سکو گے' کیا تم بھلائی کر سکتے ہو کہ میری طرف سے امام حسینؓ کی طرف کسی آدمی کو بھیج دو کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ گذشتہ کل یا آج اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر تمہاری طرف روانہ ہو چکے ہوں گے۔ مجھے ان کی بہت فکر ہے۔ قاصد انہیں جا کر کہے کہ مجھے ابن عقیلؓ نے بھیجا ہے جو قوم کے ہاتھوں گرفتار ہے اور جو معلوم نہیں صبح یا شام قتل ہو جائے گا۔ آپ اپنے اہل و عیال سمیت واپس چلے جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اہل کوفہ آپ کو بھی دھوکہ دیں۔ یہ آپ کے والد کے وہی اصحاب ہیں جو ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے خواہ ان کی طبعی موت کی صورت میں واقع ہوتا خواہ انکے قتل کی صورت میں۔ اہل کوفہ نے آپ سے اور مجھ سے جھوٹے وعدے کئے تھے اور دروغ گو کی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ اس پر ابن اشعث نے کہا کہ خدا کی قسم! میں یہ کام ضرور کروں گا۔

ابن اشعث نے وہ ساری باتیں جو حضرت مسلم بن عقیلؓ نے کہی تھیں ایک خط میں لکھ کر ایک شخص کو سواری کا جانور اور اہل و عیال کا خرچہ دے کر مکہ روانہ کر دیا۔ وہ شخص کوفہ سے روانہ ہو کر چار راتوں کی مسافت پر حضرت امام حسینؓ سے ملا' انہیں حضرت مسلم بن عقیلؓ کا خط دیا اور سارے حالات گوش گزار کئے۔ اس پر حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ جو مقدر ہو چکا ہے وہ نازل ہو کر رہے گا۔ ہمارا اور ہمارے حمایتیوں کا فیصلہ خدا کے حضور ہو گا۔

جب حضرت مسلم بن عقیلؓ زخمی حالت میں خون آلود چہرے اور لباس کے ساتھ تشنہ لب قصر امارت کے دروازے پر پہنچے تو وہاں امراء اور کچھ دوسرے لوگ جن سے حضرت مسلمؓ کی جان پہچان تھی ابن زیاد سے ملنے کی اجازت کے منتظر تھے۔ وہاں ٹھنڈے پانی کا ایک مٹکا رکھا تھا۔ حضرت مسلمؓ نے اس میں سے پانی پینے کا ارادہ کیا تو

ایک آدمی نے کہا کہ خدا کی قسم جہنم کا کھولتا ہوا پانی پینے سے پہلے تو اس مٹکے کا پانی نہ پیے گا۔ آپ نے اسے کہا کہ کھولتا ہوا پانی پینے اور ہمیشہ کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہونے کا تو زیادہ حقدار ہے۔

آپ تھکاوٹ اور پیاس کی شدت سے نڈھال ہو کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اس پر عمارہ بن عقبہ بن ابی معیط نے اپنے غلام کو بھیج کر اپنے گھر سے ٹھنڈے پانی کی ایک چھاگل اور ایک پیالہ منگوا لیا۔ عمارہ کا غلام پانی بھر بھر کر آپ کو دینے لگا مگر دو تین بار کوششوں کے باوجود آپ پانی کو حلق سے نیچے اتار نہ سکے کیونکہ اس میں چہرے کا خون مل جاتا تھا۔ کئی کوششوں کے بعد جب آپ نے پانی پیا تو پانی کا پیالہ ہٹاتے ہی آپ کے سامنے کے دو دانت نیچے گر گئے۔ اس پر آپ نے فرمایا الحمد للہ رزق مقسوم میں سے پانی پینا ابھی میرے لئے باقی تھا۔

اس کے بعد حضرت مسلم بن عقیلؓ کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ جب آپ اس کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے سلام نہ کیا۔ دربان نے پوچھا "کیا تم امیر کو سلام نہیں کرتے؟" آپ نے کہا "نہیں، اگر اس کا ارادہ مجھے قتل کرنے کا ہے تو مجھے اس کی حاجت نہیں اور اگر اس کا ارادہ قتل کرنے کا نہیں ہے تو اسے سلام کرنے کے بہت مواقع پڑے ہیں۔" اب ابن زیاد آپ سے مخاطب ہوا کہ اے ابن عقیلؓ! لوگوں میں اتفاق اور یکجہتی تھی اور ان کی بات ایک تھی، تم آئے اور ان میں پھوٹ ڈال دی، ان کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا۔ آپ نے کہا "ہرگز نہیں، میں اس کام کے لئے نہیں آیا بلکہ میرا آنا تو اس لئے ہے کہ عدل و انصاف قائم ہو اور اللہ کی کتاب کا حکم نافذ ہو۔" (البدایہ والنہایہ، ۸: ۱۵۴، ۱۵۶)

حضرت مسلم بن عقیلؓ کی شہادت

حضرت مسلم بن عقیلؓ اور ابن زیاد کے درمیان طویل گفتگو ہوئی جس میں ابن زیاد مختلف الزام لگاتا رہا اور آپ ان الزامات کے مسکت جواب دیتے رہے، بالآخر آپ نے جان لیا کہ اس نے آپ کو قتل کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے تو آپ نے اسے کہا

کہ مجھے وصیت کرنے کی مہلت دو۔ ابن زیاد نے کہاکہ آپؓ وصیت کر سکتے ہیں۔ آپ نے حاضرین پر نگاہ ڈالی تو ان میں عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ بھی موجود تھا۔ آپ نے اسے کہاکہ اے عمر! تم سے میری قرابت داری ہے، میرے ساتھ محل کے ایک گوشے میں چلو تاکہ تم سے علیحدگی میں باتیں کر سکوں۔ لیکن عمر بن سعد نے آپ کے ساتھ علیحدگی میں جانے سے انکار کر دیا، آخر ابن زیاد نے اس کی اجازت دی اور وہ ابن زیاد کے قریب ہی آپ کے ساتھ علیحدگی میں کھڑا ہو گیا۔ حضرت مسلمؓ نے اس سے کہاکہ کوفے میں میں نے سات سو درہم قرضہ دینا ہے، تم میری طرف سے یہ قرض ادا کر دینا۔ ابن زیاد سے میری لاش مانگ کر دفن کر دینا اور حضرت امام حسینؓ کو پیغام بھیج دینا کہ وہ کوفہ کا قصد نہ کریں۔ میں نے ان کو لکھا تھاکہ لوگ آپ کے ساتھ ہیں اور میرا خیال ہے وہ روانہ ہو چکے ہوں گے۔

عمر بن سعد نے امام مسلمؓ کی تمام وصیتیں ابن زیاد کو بتا دیں۔ اس نے تمام وصیتوں پر عمل کرنے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد ابن زیاد کے حکم سے حضرت مسلم بن عقیلؓ کو قصر امارت کے اوپر لے جایا گیا۔ وہ تکبیر و تہلیل، تسبیح و استغفار اور .. شریف پڑھتے ہوئے اوپر چڑھ گئے اور دعا مانگی کہ اے اللہ! تو ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے جس نے ہمیں دھوکہ دیا ہے اور ہمارا ساتھ چھوڑ گئی ہے۔ اس کے بعد جلاد نے آپ کا سر مبارک تن سے جدا کر دیا۔ پھر ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کے قتل کا حکم دیا۔ ہانی کو سوق الغنم میں قتل کیا گیا اور ان کی لاش کو کوفہ کے مقام کناسہ پر لٹکا دیا گیا۔ بعد میں ابن زیاد نے کچھ دوسرے لوگوں کو بھی قتل کیا اور سارے واقعات شام کی طرف یزید کو لکھ بھیجے۔ (البدایہ والنہایہ ۸:۱۵۷)

حضرت مسلم بن عقیلؓ کے صاحبزادے

حضرت مسلم بن عقیلؓ کوفے کے بگڑتے ہوئے حالات دیکھ کر اپنے بچوں حضرت محمدؓ اور حضرت ابراہیمؓ کو قاضی شریح کے ہاں حفاظت کی غرض سے بھیج چکے تھے۔ تاریخ کی اکثر کتب میں یہی آتا ہے کہ حضرت محمدؓ اور حضرت ابراہیمؓ جو نو عمر اور

معصوم تھے ان کو بھی مسلم بن عقیلؓ کی شہادت کے بعد شہید کر دیا گیا۔ "روضۃ الشہداء" میں ملا حسین کاشفی نے اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ حضرت مسلم بن عقیلؓ نے ان دونوں شہزادوں کو حضرت شریح کے ہاں یہ کہہ کر بھیج دیا کہ بیٹو! تم ادھر ٹھہرو، میں تمہارے چچا ہانیؓ کی رہائی کے لئے جنگ کرنے جا رہا ہوں اور ابھی لوٹ کر آتا ہوں۔ وہ دونوں اسی لمحہ سے اپنے والد کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ دن گزرا، پھر رات بھی بیت گئی لیکن حضرت مسلم بن عقیلؓ کو نہ واپس آنا تھا نہ آئے۔ معصوم بچوں نے شدید مایوسی و پریشانی کے عالم میں کچھ کھایا نہ پیا۔ قاضی شریح ایک آہ بھر کر سر جھکا لیتے کہ خود میں بچوں کو حقیقت حال سے آگاہ کرنے کا یارا نہ پاتے تھے۔ شہزادوں نے دو دن تک کچھ نہ کھایا پیا اور والد کا انتظار کیا۔ انتظار طویل تر ہو جانے پر ابراہیمؒ اپنے بڑے بھائی سے کہنے لگا "بھائی جان! خدا جانے ابا جان کب آئیں گے؟ میں تو مدینے کی گلیوں کے لئے اداس ہو گیا ہوں۔ میرا دل چاہ رہا کہ اڑ کر مدینے پہنچ جاؤں۔ مجھے رہ رہ کر مدینے کے بچوں کا خیال آ رہا ہے جو کہتے ہوں گے کہ ابراہیمؒ کوفہ جا کر ہمیں بھول گیا ہے۔" اسی نوعیت کی معصومانہ باتیں بھائیوں کے درمیان ہوتیں جسے سن کر قاضی شریح اور ان کے گھر والوں کا کلیجہ منہ کو آنے لگتا۔

اسی اثناء میں کوفے کی گلیوں میں اعلان ہونے لگا کہ جو شخص مسلم بن عقیلؓ کے دونوں بیٹوں کو گرفتار کر کے لائے گا اسے انعام و اکرام سے نوازا جائے گا اور جو شخص ان کو اپنے گھر میں پناہ دے گا اسے سخت سزا دی جائے گی۔ اس پر جاسوس ہر طرف ان بچوں کو تلاش کرنے لگے۔ اب قاضی شریح سے رہا نہ گیا اور وہ دل تھام کر بڑی پریشانی کے عالم میں شہزادوں کے سامنے عرض کرنے لگے "میں بڑے افسوس کے ساتھ تمہیں یہ خبر سنانے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ تمہارے بابا حضرت مسلم بن عقیلؓ کو شہید کر دیا گیا ہے اور ہزاروں کوفی جو کل تک تمہارے ہاتھ چومتے تھے تمہارے دامن چھو چھو کر اپنی آنکھوں سے لگاتے تھے اور تمہارے بابا کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی خاطر کٹ مرنے کا اعلان کرتے تھے سب کے سب تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ اب سوائے

اس کے کوئی چارہ نہیں کہ تم چپکے سے مدینے چلے جاؤ۔ اگر میں تمہیں مزید اپنے گھر میں ٹھہراتا ہوں تو کسی لمحے تمہاری گرفتاری عمل میں آسکتی ہے۔"

چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے اسد کو بلا کر کہا "میں نے سنا ہے آج باب العراقین سے ایک کارواں مدینہ منورہ روانہ ہونے والا ہے۔ ان دونوں بچوں کو وہاں لے جاؤ اور کسی ہمدرد اور محب اہل بیت کے سپرد کر کے اس کو حالات سے آگاہ کر دینا اور تاکید کر دینا کہ ان کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچادے۔"

حضرت مسلم بن عقیلؓ کے صاحبزادوں کی شہادت

قاضی شریح کا بیٹا اسد علی الصبح دونوں صاحبزادوں کو لے کر باب العراقین پہنچا تو پتہ چلا کہ کارواں کچھ دیر پہلے روانہ ہو چکا ہے۔ وہ دونوں بچوں کو ساتھ لے کر اسی راستے پر چلا' کچھ دور گئے تو گرد کارواں نظر آئی۔ اسد بن شریح نے کہا "بھائی! وہ گرد اسی قافلے کی ہے' تمہارے ساتھ میرا جانا اور دوڑنا کچھ مناسب نہیں ہے بلکہ مصلحت کے خلاف ہے تم دوڑ پڑو' جلد ہی تم اس قافلے سے جا ملو گے۔" معصوم بچوں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر قافلے کی جانب دوڑ پڑے۔ بچے بہت کم عمر تھے' تیزی سے دوڑا بھی نہ جاتا تھا۔ کچھ ہی آگے گئے تھے کہ چھوٹے بھائی ابراہیمؒ کے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا تھا' تکلیف کی وجہ سے وہ بیٹھنا چاہتا تھا اور بڑا بھائی اسے گرفتاری کے خوف سے آگے بھگانا چاہتا تھا' دیر تک یہی صورت حال رہی' لیکن بڑا بھائی کب تک چھوٹے بھائی کو اس طرح گھسیٹ سکتا تھا۔ وہ رکا اور چھوٹے بھائی کے پاؤں سے کانٹا نکالا۔ پھر جب وہ دوبارہ قافلے کی طرف روانہ ہوئے تو گرد تقریباً نظروں سے اُوجھل ہو چکی تھی اور پھر قافلے کی کوئی خبر نہ تھی۔ یہ پھول سے یتیم بچے عالم تنہائی میں انتہائی پریشانی کا شکار ہو کر ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے۔

دن کا اُجالا پھیلتے ہی ابن زیاد کے سپاہی ان کی تلاش میں وہیں آپہنچے جہاں شہزادے کھڑے تھے۔ انہوں نے ان کے حسن سے پہچان لیا کہ یہ خاندان نبوت کے چشم وچراغ ہیں چنانچہ وہ ان کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ ابن زیاد نے حکم دیا

کہ ان کو اس وقت تک جیل میں رکھا جائے جب تک میں ان کے متعلق یزید سے نہ پوچھ لوں کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

بچوں کو سیاہ کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ شہزادے یہ تنگ و تاریک اور بھیانک کوٹھڑی دیکھ کر حیران رہ گئے اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کیسی کوٹھڑی ہے؟ مدینے میں تو ہم نے ایسی کوٹھڑی کبھی نہیں دیکھی تھی گویا وہ معصوم جیل کے تصور سے ہی ناآشنا تھے۔ اداس اور غمگین ایک دوسرے سے چمٹ کر اس کالی کوٹھڑی میں بیٹھ گئے۔ تین دن سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے جسم نڈھال ہو چکا تھا۔ پریشانی کی کیفیت اس کے علاوہ تھی۔ جیل کا داروغہ مشکور نامی ایک پرہیزگار اور محب اہل بیت شخص تھا جب اس سے ان کی مظلومیت دیکھی نہ گئی تو چپکے سے بچوں کی رسیاں کھول دیں اور اپنی انگوٹھی انہیں دے کر کہنے لگا کہ شہزادو! میں بھی دل میں تمہارے خاندان کی محبت چھپائے ہوئے ہوں لیکن حالات نے ظلم و ستم اور جبر کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ یہ میری انگوٹھی لے جاؤ اور چھپ چھپا کر قادسیہ پہنچ جاؤ' وہاں کا کوتوال میرا بھائی ہے' اس سے ملنا اور میری انگوٹھی دکھا کر اپنا تعارف پیش کرنا اور مدینہ منورہ پہنچانے کی فرمائش کرنا' وہ تمہیں بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دے گا۔

ان معصوم بچوں کو کیا خبر قادسیہ کہاں ہے؟ رات بھر چلتے رہے مگر قادسیہ نہ آیا۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ وہ کوفہ کے مضافات میں ہی گھوم پھر رہے ہیں۔ معصوم بچے ایک دوسرے کے گلے لگ کر رو پڑے' دل قدرے ہلکا ہوا تو دیکھا کہ کچھ فاصلے پر ایک خشک درخت کا تنا ہے جو کہ اندر سے کھوکھلا ہے وہ اس خول میں چھپ گئے کہ دن تو یہاں گزاریں' رات آنے پر دیکھا جائے گا۔ تھوڑی دیر بعد درخت کے قریب بہنے والے ایک چشمے سے پانی بھرنے کے لئے ایک لونڈی ادھر آ گئی' اس کی نظر ان معصوم بچوں پر پڑی تو بولی "تم کون ہو؟" بچے ہمیشہ سچ بولنے کے عادی تھے' بولے کہ مسلم بن عقیلؑ ہمارے بابا تھے جو شہید ہو چکے ہیں۔ یہ کہہ کر بچے ہچکیاں لینے لگے۔ وہ لونڈی بولی "صاحبزادو! غم نہ کرو میں اس خاتون کی کنیز ہوں جو اہل بیت نبوت کے ساتھ سچی

عقیدت و محبت رکھتی ہے۔ بالکل فکر نہ کرو اور میرے ساتھ چلو۔ دونوں شہزادے اس کنیز کے ساتھ اس کی مالکہ کے گھر چلے آئے۔ کنیز نے ان شہزادوں کو اپنی مالکہ کے سامنے پیش کیا اور تمام واقعہ سنایا۔ اس خاتون کو بڑی خوشی ہوئی' اس نے اس خوشی میں کنیز کو آزاد کر دیا' شہزادوں کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئی۔ انہیں نہلایا اور کھانا کھلایا۔ ان کی داستان غم سن کر آنسو بہائے اور انہیں ہر طرح سے تسلی و تشفی دی۔

ادھر ابن زیاد کو اطلاع ہو گئی کہ مشکور نے دونوں بچوں کو رہا کر دیا ہے۔ اس نے مشکور کو بلایا اور پوچھا کہ تم نے پسران مسلمؓ کے ساتھ کیا کیا ہے؟ مشکور نے کہا "میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے ان کو آزاد کر دیا ہے۔" ابن زیاد نے کہا "تو مجھ سے نہ ڈرا؟" مشکور نے کہا "جو بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے وہ کسی اور سے نہیں ڈرتا۔" ابن زیاد نے کہا "ان کو رہا کرنے سے تجھے کیا ملا؟" مشکور نے جواب دیا کہ ان بچوں کو شہید کرانے میں تو مجھے کچھ نہ ملتا مگر اپنے اس عمل کے سبب سے مجھے ان کے جد اعلیٰ ﷺ سے روز قیامت شفاعت کی امید ہے۔ وہ میری شفاعت فرمائیں گے جبکہ تو اس دولت سے محروم رہے گا۔ اس پر ابن زیاد غضبناک ہو گیا اور بولا کہ میں ابھی تجھے اس کی سزا دوں گا۔" مشکور نے کہا کہ "میری ہزار جانیں بھی ہوں تو بھی وہ آل نبی ﷺ پر قربان ہیں۔" ابن زیاد نے جلاد کو حکم دیا کہ "اسے اتنے کوڑے مارو کہ یہ مرجائے اور بعد میں اس کا سر تن سے جدا کر دو" چنانچہ جلاد نے ایسا ہی کیا۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔**

ادھر وہ نیک دل خاتون دن بھر دل و جان سے بچوں کی خدمت اور دل جوئی میں مصروف رہی۔ رات کو وہ ان کو ایک علیحدہ کمرے میں سلا کر آئی تھی کہ اس کا شوہر حارث آگیا۔ اس کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے۔ خاتون نے پوچھا "آج سارا دن تم کہاں رہے کہ اتنی دیر سے آئے ہو؟" کہنے لگا کہ صبح میں امیر کوفہ ابن زیاد کے پاس گیا تھا۔ وہاں مجھے معلوم ہوا کہ داروغہ جیل مشکور نے پسران مسلمؓ کو قید سے رہا کر دیا ہے اور امیر نے اعلان کیا ہے کہ جو کوئی ان کو پکڑ کر لائے گا یا ان کی خبر دے گا

اس کو گھوڑا' لباس فاخرہ اور بہت سا انعام و اکرام دیا جائے گا۔ بہت سے لوگ ان کی تلاش میں نکلے' میں بھی انہی کی تلاش میں ادھر ادھر سرگرداں رہا اور اس قدر بھاگ دوڑ کی کہ میرے گھوڑے نے دم توڑ دیا۔ پھر مجھے پیدل ان کی جستجو میں پھرنا پڑا' اس لئے تھکاوٹ سے چور چور ہو گیا ہوں۔ خاتون نے کہا "اے بندۂ خدا! اللہ سے ڈر' تجھے فرزندانِ رسول ﷺ سے کیا کام؟ حارث کہنے لگا "تو خاموش رہ' تجھے نہیں معلوم کہ ابن زیاد نے گھوڑا' لباس فاخرہ اور بہت سا انعام و اکرام اس شخص کو دینے کا وعدہ کیا ہے جو کوئی ان بچوں کو اس کے پاس پہنچائے یا ان بچوں کے بارے مین خبر دے۔" خاتون نے کہا "کس قدر بدبخت ہیں وہ لوگ جو دنیا کے مال و دولت کی خاطر ان یتیموں کو دشمن کے حوالے کرنے کی جستجو کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور دین کو دنیا کے عوض بیچ رہے ہیں۔" حارث نے کہا "تجھے ان باتوں سے کیا تعلق؟ تو کھانا لا" عورت نے کھانا لا کر دیا اور وہ کھانا کھا کر آرام کرنے لگا۔

رات کو بڑے بھائی محمد بن مسلم ؒ نے ایک خواب دیکھا اور بیدار ہو کر چھوٹے بھائی ابراہیم ؒ کو جگاتے ہوئے کہا "بھائی! اب سونے کا وقت نہیں رہا' اٹھو اور تیار ہو جاؤ" اب ہمارا وقت بھی قریب آ گیا ہے۔ میں نے ابھی خواب میں دیکھا ہے کہ ہمارے ابا جان' رسول اللہ ﷺ ' حضرت علی ؓ' حضرت فاطمۃ الزاہراء ؓ اور حضرت حسن مجتبیٰ ؓ کے ہمراہ بہشت بریں میں ٹہل رہے ہیں کہ اچانک حضور اکرم ﷺ نے ہم دونوں کی طرف دیکھ کر ہمارے ابا جان سے فرمایا کہ مسلم! تم چلے آئے ہو اور ان دونوں بچوں کو ظالموں میں چھوڑ آئے ہو' ابا جان نے ہماری طرف دیکھ کر کہا یا رسول اللہ! ﷺ میرے یہ بچے بھی آنے والے ہیں۔" یہ سن کر چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کے منہ پر اپنا چہرہ رکھ کر رونا شروع کر دیا۔ بڑے بھائی کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا تو دونوں بھائی نہایت درد کے ساتھ رونے لگے۔

بچوں کے رونے کی آواز سن کر اس ظالم حارث کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اپنی بیوی کو جگایا اور پوچھا کہ یہ کن کے رونے کی آواز ہے؟ میرے گھر میں یہ کون ہیں

جو اس طرح رو رہے ہیں۔ عورت بیچاری سہم گئی اور کچھ نہ جواب دیا۔ حارث نے اٹھ کر چراغ جلایا اور اس کمرے کی طرف گیا جہاں سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ دو بچے ہیں جو کہ ایک دوسرے سے لپٹ کر زار و قطار رو رہے ہیں۔ حارث نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ بچوں نے ہچکیاں لیتے ہوئے جواب دیا کہ مسلم بن عقیلؓ کے فرزند ہیں۔ حارث کہنے لگا کہ تعجب ہے میں سارا دن تمہیں تلاش کرتا رہا یہاں تک کہ میرے گھوڑے نے دم توڑ دیا اور تم ہو کہ میرے ہی گھر میں موجود ہو۔ یہ سن کر بچے سہم گئے۔ حارث کی بیوی نے جب اپنے شوہر کی یہ سنگ دلی اور بے رحمی دیکھی تو اس نے اپنے شوہر کے قدموں پر سر رکھ دیا اور کہنے لگی کہ ان یتیموں پر ترس کھاؤ مگر حارث نے کہا اگر تو اپنی جان کی خیر چاہتی ہے تو خاموش رہ۔ یہ کہہ کر اس نے کمرے کا دروازہ مقفل کر دیا تاکہ اس کی بیوی بچوں کو کہیں اور منتقل نہ کر دے۔

جب صبح ہوئی تو حارث نے تلوار ہاتھ میں پکڑی اور بچوں کو اپنے ہمراہ لے کر چلنے لگا۔ جب عورت نے منظر دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا۔ وہ ننگے پاؤں پیچھے دوڑی اور اپنے خاوند سے کہنے لگی کہ خدا سے ڈر اور ان یتیموں پر ترس کھا۔ اس پر اپنی بیوی کی منت سماجت کا کچھ اثر نہ ہوا بلکہ وہ اس کو مارنے دوڑا۔ اسی اثناء میں حارث کے ایک غلام کو جو کہ اس کے بیٹے کا رضاعی بھائی بھی تھا معلوم ہوا تو وہ بھی پیچھے دوڑا۔ حارث نے اسے دیکھا تو کہنے لگا کہ ممکن ہے ان بچوں کو ہم سے کوئی چھین لے اور انعام و اکرام خود لے جائے لہٰذا یہ تلوار لو اور ان کے سر تن سے جدا کر دو۔ وہ غلام بولا کہ مجھ میں ان بچوں کو قتل کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ مجھے رسالت پناہ ﷺ کی روح اقدس سے شرم آتی ہے۔ ان کے خاندان کے بچوں کو قتل کر کے میں کل قیامت کے دن ان کے سامنے کس طرح پیش ہوں گا۔" حارث نے کہا "تو ان کو قتل کر ورنہ میں تجھ کو قتل کر دوں گا۔" وہ غلام بولا "قبل اس کے کہ تو مجھے قتل کرے میں تجھے قتل کر دوں گا۔" دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ حارث نے غلام کو شدید زخمی کر دیا۔

اتنے میں حارث کی بیوی اور بیٹا آگے آئے۔ حارث کے بیٹے نے کہا "اے باپ! یہ میرا رضاعی بھائی ہے اس کو مارتے ہوئے تمہیں شرم نہ آئی۔" باپ نے بیٹے کو تو کوئی جواب نہ دیا مگر غلام پر ایک ایسا وار کیا کہ وہ جام شہادت نوش کر گیا۔ پھر حارث نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹے! یہ لو تلوار اور ان بچوں کے سر قلم کر دو۔ بیٹے نے کہا "ابا جان! میں نے آپ سے زیادہ سنگ دل اور ظالم آج تک نہیں دیکھا' خدا کی قسم! میں ہرگز یہ کام نہیں کروں گا اور نہ ہی آپ کو کرنے دوں گا۔" حارث کی بیوی نے پھر منت سماجت کرتے ہوئے کہا کہ ان بچوں کو قتل نہ کرو اور اگر تو ان کو چھوڑ نہیں سکتا تو انہیں زندہ ہی ابن زیادہ کے پاس لے جا اس سے تیرا مقصود بھی حاصل ہو جائے گا مگر وہ بد بخت کہنے لگا "مجھے اندیشہ ہے کہ جب اہل کوفہ ان کو دیکھیں گے تو شور و غوغا کر کے ان کو مجھ سے چھڑا لیں گے اور میری محنت ضائع جائے گی۔

آخر وہ ظالم تلوار لے کر بچوں کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ یہ دیکھ کر اس کی بیوی اس کی راہ میں حائل ہو گئی۔ اس نے اپنی بیوی پر تلوار کا وار کیا۔ بیوی گھائل ہو کر گری اور تڑپنے لگی تو ماں کو تڑپتا دیکھ کر بیٹا بھی آگے بڑھا اور باپ کے رستے کی دیوار بن گیا۔ ظالم باپ نے لالچ میں اندھے ہو کر بیٹے پر بھی تلوار کا وار کر کے اسے موت کی نیند سلا دیا۔ ماں نے جب اپنی آنکھوں کے سامنے بیٹے کو قتل ہوتے دیکھا تو اس کا کلیجہ پھٹ گیا اور وہ بھی راہی جنت ہوئی۔ پھر وہ ظالم حارث ان معصوم بچوں کی طرف بڑھا اور پہلے بڑے بھائی اور پھر چھوٹے بھائی کا سر تن سے جدا کر دیا۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔**

جب اس ظالم نے ان معصوم بچوں کو شہید کر دیا تو سر کاٹ کر لاشے کہیں پھینک دیئے اور سر ایک تھیلے میں ڈال کر ابن زیاد کے دربار کی طرف چلا۔ دوپہر کے وقت اس نے قصر امارت پہنچ کر تھیلا ابن زیاد کے سامنے رکھ دیا۔ ابن زیاد نے پوچھا "اس میں کیا ہے؟" اس نے کہا "اس میں تیرے دشمنوں کے سر ہیں۔" ابن زیاد نے پوچھا "یہ دشمن کون ہیں؟" حارث کہنے لگا "فرزندان مسلم بن عقیلؓ" ابن زیاد غضب

ناک ہو کر گر جا"تو نے کس کے حکم سے ان کو قتل کیا ہے؟ بدبخت! میں نے تو یزید کو لکھ کر بھیجا ہے کہ اگر حکم ہو تو ان کو زندہ بھیج دوں۔ اس نے زندہ بھیجنے کا حکم دے دیا تو میں کیا کروں گا؟ تو ان کو میرے پاس زندہ کیوں نہیں لایا؟" حارث کہنے لگا کہ "مجھے اندیشہ تھا کہ اہل کوفہ شور و غوغا کر کے ان کو مجھ سے چھین لیں گے۔" ابن زیاد نے کہا "اگر تجھے یہ اندیشہ تھا تو تو انہیں کسی محفوظ مقام پر ٹھہرا کر مجھے اطلاع کر دیتا' میں خود منگوا لیتا' تو نے میرے حکم کے بغیر ان کو کیوں قتل کیا ہے؟ تمہیں اس حکم عدولی پر سزا ملے گی۔" چنانچہ ابن زیاد نے مقاتل نامی جلاد کو اس شخص کے قتل کا حکم دیا اور جلاد نے حارث کا سر تن سے جدا کر دیا۔ (روضۃ الشہداء' ۱۵۰)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا کوفہ کے لئے عزم صمیم

اہل کوفہ کے خطوط اور وفود کے بعد حضرت امام حسینؓ نے حضرت مسلم بن عقیلؓ کو حالات سے آگاہی کے لئے کوفہ بھیجا تھا۔ آپ نے اہل کوفہ کی بے پناہ عقیدت و محبت کو دیکھتے ہوئے امام عالی مقام کو لکھ بھیجا تھا کہ آپ تشریف لے آئیں' یہاں ہزاروں افراد آپ کی طرف سے میرے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں۔ چنانچہ امام عالیؓ مقام نے کوفہ جانے کا عزم صمیم کر لیا۔ ادھر کوفہ میں جو انقلاب برپا ہو چکا تھا اس سے آپ ابھی تک لاعلم تھے۔

جب آپ خانوادۂ رسول ﷺ کی تقدس مآب خواتین بچوں' دوستوں اور بہی خواہوں کے ساتھ عازم کوفہ ہونے لگے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے منع کیا اور کہا کہ کوفی بڑے بے وفا اور ناقابل اعتماد ہیں' میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ کوفہ نہ جایئے۔ اگر اہل کوفہ نے موجودہ حکومتی گورنر کو قتل کر دیا ہوتا' اپنے دشمنوں کو کوفہ سے نکال دیا ہوتا اور حالات پر ان کا قابو ہوتا تو آپ کا جانا درست تھا۔ لیکن اگر انہوں نے آپ کو ایسے حالات میں وہاں بلایا ہے کہ ان کا امیر ان میں موجود اور اس کی حکومت قائم ہے اور اس کے عمال حکومتی محصولات بدستور وصول کر رہے ہیں تو جان لیجئے کہ انہوں نے آپ کو صرف جنگ و جدال کے لئے بلایا ہے مجھے تو خوف ہے کہ یہ

بلانے والے آپ کو دھوکہ دیں گے' آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے بلکہ مجھے تو خدشہ ہے کہ وہ لوگ حکومت وقت کے ساتھ مل کر آپ سے لڑیں گے اور سب سے بڑے دشمن ثابت ہوں گے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیرؓ' حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اور دیگر ساتھی منع کرتے رہے لیکن امام عالی مقام سب کو یہ جواب دیتے رہے کہ اب مسئلہ وفا اور بے وفائی کا نہیں مسئلہ اس دعوت کا ہے جس میں مجھے کلمہ حق بلند کرنے' ظلم و جبر کے خلاف جنگ' شریعت مصطفوی ﷺ کے احیاء اور دین اسلام کی قدروں کو پامالی سے بچانے کے لئے میدان عمل میں آنے کو کہا گیا ہے۔ سو میں ان مقاصد کے لئے اپنے ارادہ اور موجودہ اقدام سے پیچھے نہ ہٹوں گا۔ بعض لوگ نادانی میں بغض اہل بیت میں کہہ دیتے ہیں کہ جب یزید کے مقابلہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس کافی عسکری قوت و سیاسی حمایت نہ تھی تو آپ کا ایسے حالات میں مکہ چھوڑ کر کوفہ کے لئے عازم سفر ہونا معاذاللہ (خروج) تھا۔

یہ دلیل اہل بیعت کے ساتھ دلی بغض و عناد ہونے کے علاوہ کچھ نہیں۔

راہ رخصت اور راہ عزیمت

شریعت مطہرہ میں مشکل وقت پر دو راستے بتائے جاتے ہیں۔ دونوں راستے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے تجویز کردہ ہیں۔ ایک راہ کو راہ رخصت کہا جاتا ہے اور دوسرے کو راہ عزیمت۔

اگر حالات سازگار ہوں جبرو ظلم اور کفر کی طاقتوں کا صفایا آسانی سے کیا جا سکتا ہو تو ان حالات میں ہر چھوٹے بڑے اور ہر کلمہ گو پر اس ظلم کے خلاف میدان کارزار میں نکل آنا فرض اور واجب ہو جاتا ہے۔ اس وقت کسی شخص کے لئے سوائے کسی شرعی مجبوری کے کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوتا۔ لیکن جب حالات ناسازگار ہوں' اسلحہ و عسکری قوت ساتھ نہ ہو' باطل زیادہ مضبوط' زیادہ منظم و قوی تر ہو تو ایسے حالات میں شریعت نے امت مسلمہ کو دو راستے عطا کئے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ رخصت پر عمل کرے' گوشہ نشین ہو جائے۔ چپکے سے لعنت' ملامت کرے اور دل سے برا جانے لیکن

مسلح تصادم و کشمکش کے لئے میدان میں نہ آئے۔ ہر دور میں اکثریت رخصت پر عمل کرتی رہی ہے اور راہ رخصت پر عمل کرنا شریعت میں نہ ہی ناجائز ہے نہ حرام اور نہ ہی اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالی نے ہر اضطراری حالت میں رخصت کی اجازت دے رکھی ہے۔

اب اگر سب کے سب لوگ بلا استثناء ایسے حالات میں رخصت پر ہی عمل کرنا شروع کر دیں تو پھر ظلم اور کفر کی طاغوتی طاقتوں کو روکنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس لئے شریعت میں باوجود رخصت کی موجودگی کے کچھ لوگ راہ عزیمت پر بھی چل نکلتے ہیں۔ وہ حالات کی سازگاری اور ناسازی کو نہیں دیکھتے۔ وہ فوج اور لشکر کی بھاری اکثریت پر نظر نہیں ڈالتے' وہ مسلح کشمکش میں ناکامی اور کامیابی کے انجام پر توجہ نہیں دیتے بلکہ ان کی توجہ صرف اور صرف اس امر پر مرکوز ہوتی ہے کہ وہ اپنے تن من کو دین خداوندی کی سربلندی کے لئے کیسے قربان کریں؟ انہیں موہوم سی امید ہوتی ہے کہ شاید تن میں لگی ہوئی آگ ہی آئندہ نسلوں کے اندھیروں کو اجالوں میں بدل دے۔ بنابریں وہ حالات کی ناسازگاری سے نادانستہ بے خبری اور لاتعلقی اختیار کرتے ہوئے راہ عزیمت پر چلتے ہیں اور اپنی جان پر کھیل جاتے ہیں۔ وہ اپنی شان و مقام کی مناسبت سے اس اقدام کو فرض سمجھتے ہیں۔

جس طرح ہر شخص راہ رخصت پر عمل نہیں کر سکتا اسی طرح راہ عزیمت پر چلنا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام اس لئے کیا تھا کہ ان کے رگ و ریشے میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا خون گردش کر رہا تھا۔ آپ نے سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کی گود میں پرورش پائی تھی' محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کندھوں پر سواری کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کو چوسا تھا۔ آپ خانوادۂ نبوت کے چشم و چراغ اور بنائے لاالہ تھے۔ اس لئے راہ عزیمت پر اس دور میں عمل کرنا آپ کو ہی شایان تھا۔ پھر یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاھیئے کہ راہ رخصت پر عمل بھی اگرچہ راہ حق ہے اس راہ کو اپنانے والوں کو مطعون کرنا درست نہیں کہ انہیں یہ حق شریعت نے دیا ہے لیکن ایسے لوگوں کی راہ کو کوئی شخص اپنا اسوہ اور رہنما

نہیں بناتا۔ اہل محبت اور عشاق ان لوگوں کی راہ پر چلتے ہیں جو راہ حق میں اپنے گلے کٹواتے ہیں۔ وہ قیامت تک کے لئے ایک اسوۂ حیات دے جاتے ہیں۔ احیاء دین کے قافلوں کے سفر کو ایک ایسی شاہراہ تعمیر کر کے دے جاتے ہیں جس پر ہر راہ رو بسہولت منزل تک پہنچ جائے۔

وہ لوگ جنہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کو ظاہری حالات کی ناسازی کی بناء پر معاذ اللہ ' خروج اور بغاوت کا الزام دیا ہے۔ وہ نہ تو دین کی روح سے واقف ہیں نہ شریعت اسلامیہ کے احیاء کے تقاضوں سے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ دین کی مٹتی ہوئی قدروں کی نشأۃ ثانیہ کے لئے کیونکر جان قربان کی جاتی ہے۔ اور شاید وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اس وقت یزید کا تخت پر بیٹھنا اسلام کی تاریخ کو کس رخ پر ڈال رہا تھا۔ اگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی میدان کارزار میں علم حق بلند کرنے کے لئے نہ نکلتے اور یہ بہتر(۷۲) تن بھی اپنے خون کا نذرانہ نہ دیتے تو آج اسلام کی جو متاع جمہوری قدروں' آزادی اظہار' جاہ و حشمت اور نفاذ شریعت کی مسلسل جدوجہد کی صورت میں نظر آ رہی ہے اس کا کہیں بھی وجود نہ ہوتا۔ اسلام کی پوری تاریخ اور امت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم حسین ابن علی رضی اللہ عنہ کے خون کے قطرات کی اور خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم قربانی کی مرہون منت ہے جس نے راہ رخصت کو چھوڑ کر راہ عزیمت کو اپنایا اور اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ مگر اس زمانے کی تاریکیوں اور اندھیروں کو ایسے اجالوں میں بدل دیا جس نے چودہ سو سال سے انسانیت کی راہیں روشن کر رکھی ہیں۔ راہ رخصت پر چلنے والے ہزاروں کی موجودگی کے باوجود آج بھی دنیا جب بطور نمونہ کسی کا نام لیتی ہے وہ حسین ابن علی رضی اللہ عنہما ہی کا نام لیتی ہے۔

مکہ مکرمہ سے کربلا تک

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ سے آٹھ ذی الحجہ کو کوفہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جب آپ روانہ ہونے لگے تو آپ کی خدمت میں درخواست کی گئی کہ آپ کچھ دن اور مکہ میں گزار لیں۔ لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنے والد گرامی کا یہ ارشاد تھا کہ مکہ مکرمہ کے حرم کا تقدس قریش کے ایک شخص کے سبب سے

پامال ہو گا اور اس ایک شخص کے سبب سے مکہ میں خون بہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ ممکن ہے مکہ میں یزیدی فوج میری گرفتاری کا اقدام کرے اور ہمارے حامی ہمارے دفاع میں تلواریں اٹھالیں۔ اس طرح میرے سبب سے حرم مکہ میں خون بہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اپنے والد کے ارشاد کا مصداق میں بنوں۔

چنانچہ امام عالی مقامؓ توکل برخدا کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں صفاح کے مقام پر عرب کے مشہور شاعر فرزدق سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ وہ کوفہ سے آرہا تھا۔ فرزدق نے آپ کو سلام کیا اور دعا دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مراد پوری کرے اور آپ کو وہ چیز عطا فرمائے جس کے آپ طلب گار ہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمہارے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا:

قلوب الناس معک و سیوفھم مع بنی امیہ۔ لوگوں کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔

تاہم قضائے الٰہی آسمان سے نازل ہوتی ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔
آپ نے فرمایا۔ "تو نے سچ کہا۔ بے شک پہلے بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں امر تھا اور بعد میں بھی اسی کے ہاتھ میں اختیار ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہمارے رب کی ہر روز نئی شان ہے۔ اگر قضائے الٰہی وہی ہے۔ جو ہم چاہتے ہیں تو ہم اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور شکر ادا کرنے پر وہی ہمارا مددگار ہے اور اگر قضائے الٰہی ہماری امید کے خلاف ہے تو جس شخص کی نیت صالح ہو اور وہ متقی ہو تو وہ اس کی شکایت نہیں کرتا"

اس کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری کو ایڑ لگائی اور "السلام علیکم" کہہ کر دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہو گئے۔

(البدایہ والنہایہ' ۸:۱۶۶' الطبری' ۶:۲۸' ابن اثیر' ۴:۴۰)

فرزدق سے ملاقات کے بعد قافلہ حسینیؓ آگے بڑھا تو آپ کے بھانجے حضرت عونؓ و محمدؓ اپنے والد حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کا خط لے کر پہنچ گئے۔ خط میں لکھا تھا:

"میں خدا کے نام پر آپ سے التجا کرتا ہوں کہ میرا یہ خط دیکھتے ہی آپ واپس لوٹ آئیں، جو سفر آپ نے اختیار کیا ہے اس میں مجھے آپ کی ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کی بربادی کا خوف ہے۔ آج اگر آپ ہلاک ہو گئے تو اسلام کا نور بجھ جائے گا۔ آپ ہدایت یافتوں کے راہنما اور اہل ایمان کی امید ہیں۔ آپ سفر میں عجلت نہ کریں اس خط کے پیچھے میں خود آرہا ہوں۔ والسلام

حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ نے اپنے بچوں کے ہاتھ یہ خط روانہ کر کے خود امیر مکہ عمرو بن سعید سے ملاقات کی اور اسے کہا کہ حسینؓ کو ایک خط بھیج دیں جس میں انہیں امان دینے اور نیکی و احسان کرنے کا وعدہ ہو۔ نیز خط میں انہیں واپس آنے کی درخواست کی گئی ہو، ممکن ہے اس طرح وہ مطمئن ہو کر واپس آ جائیں۔ عمرو بن سعید نے کہا کہ جو کچھ آپ لکھنا چاہتے ہیں وہ میری طرف سے لکھ لائیں میں اس پر مہر لگا دوں گا۔ اس پر حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ نے جو کچھ لکھنا چاہا عمرو بن سعید کی طرف سے لکھ دیا۔ اس نے اس پر اپنی مہر ثبت کر دی۔ آپ نے اس سے مزید کہا کہ میرے ساتھ کسی آدمی کو امان کے طور پر بھیج دو۔ اس پر عمرو بن سعید نے اپنے بھائی یحییٰ کو آپ کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ اور یحییٰ خط لے کر روانہ ہو گئے حتیٰ کہ حضرت امام حسینؓ سے جا ملے اور انہیں یہ خط پڑھ کر سنایا۔ حضرت امام حسینؓ نے واپس آنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا

انی رایت رسول اللّٰہ ﷺ فی المنام وقد امرنی فیھا بامر و انا ماض لہ فقالا وما تلک الرویا؟ فقال لا احدث بھا احدا حتی القی ربی عز وجل

(البدایہ والنہایہ، ۸: ۱۶۷ ابن اثیر، ۴: ۴۰ الطبری، ۶: ۲۸)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے، آپ نے مجھے ایک کام سرانجام دینے کا حکم فرمایا ہے جسے میں ہر حالت میں انجام دوں گا۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ خواب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ خواب میں کسی کو نہ بتاؤں گا یہاں تک کہ میں اپنے رب عز و جل سے جا ملوں۔

اہل کوفہ کے نام خط

حضرت مسلم بن عقیلؓ کی شہادت کی خبر حضرت امام حسینؓ کو ابھی تک نہیں ملی تھی لہٰذا آپ نے وادی ذی رمہ کے مقام "الحاجر" سے قیس بن مسہر صیداوی یا اپنے رضاعی بھائی عبد اللہ بن یقطر کو اہل کوفہ کے نام خط دے کر بھیجا جس میں آپ نے لکھا:

"مجھے مسلم بن عقیلؓ کا خط مل گیا ہے جس میں انہوں نے ہمارے متعلق حسن رائے اور ہماری مدد و حق طلبی کے لئے تمہارے اجتماع کی خبر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے مقصد میں کامیاب فرمائے اور تمہیں اس اعانت پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ میں آٹھ ذی الحجہ بروز منگل یوم ترویہ کو مکے سے روانہ ہو چکا ہوں۔ جب تمہارے پاس میرا قاصد پہنچے تو مخفی طور پر اپنے کام کے لئے کوششیں بڑھا دیں۔ میں انشاء اللہ جلد ہی تمہارے پاس پہنچنے والا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!"

آپ کا قاصد آپ کا خط لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا مگر قادسیہ کے مقام پر گرفتار ہو گیا اور اسے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ ابن زیاد نے اس سے کہا کہ محل کے اوپر چڑھ کر سب لوگوں کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو گالیاں دو۔ قاصد نے محل کے اوپر چڑھ کر حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کو گالیاں دینے کی بجائے ان کی تعریف اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی' ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کی اور کہا کہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکے ہیں' میں ان کا فرستادہ ہوں۔ تم سب کو چاہیئے کہ حضرت امام حسینؓ کی فرمانبرداری اور اطاعت کریں۔

اس پر ابن زیاد کے حکم سے اسے محل سے نیچے گرا دیا گیا جس کی وجہ سے اس کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں اور وہ شہید ہو گیا۔

(البدایہ والنہایہ' ۸:۱۶۸)

شہادت مسلمؓ کی اطلاع

قافلہ حسینی کوفے کے حالات سے بے خبر کوفہ کی جانب رواں دواں تھا۔

راستے میں ہر چراگاہ سے جس پر قافلے کا گزر ہوتا، کچھ لوگ ہمراہ ہو جاتے۔ جب قافلہ حسینی "ثعلبیہ" کے مقام پر پہنچا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت مسلم بن عقیلؓ اور ہانی بن عروہ کی شہادت کی خبر ملی۔

عبداللہ بن سلیم الاسدی اور منذر بن مشمعل الاسدی سے مروی ہے کہ جب ہم حج سے فارغ ہوئے تو ہمیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہونے سے زیادہ مرغوب کچھ نہ تھا۔ چنانچہ ہم نے آپ کو راستے میں جالیا۔ اسی اثناء میں آپ کا گزر بنی اسد کے ایک آدمی کے قریب سے ہوا تو آپ نے اس سے دریافت احوال کا ارادہ فرمایا مگر پھر یہ خیال ترک فرمادیا۔ جب ہم اس شخص کے پاس سے گزرے اور اس سے کوفہ کے لوگوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا "خدا کی قسم! جب میں کوفہ سے نکلا تو مسلم بن عقیلؓ اور ہانی بن عروہ قتل ہو چکے تھے ان کو ٹانگوں سے پکڑ کر بازاروں میں گھسیٹا جارہا تھا۔" عبداللہ اور منذر کے بقول انہوں نے تمام حالات حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے گوش گزار کیے تو آپ نے کئی بار "**اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ**" پڑھا۔ (البدایہ والنہایہ ۸:۱۶۸، الطبری ۶:۹)

عبداللہ اور منذر کہتے ہیں "پھر ہم نے عرض کیا کہ ہم آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ اپنی اور اپنے گھر والوں کی فکر کریں اور یہیں سے واپس لوٹ جائیں کیونکہ کوفہ میں کوئی بھی آپ کا حامی و مددگار نہیں ہے۔ بلکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ لوگ جو آپ کو دعوت دینے والے ہیں وہی آپ کے دشمن ہو جائیں گے اس پر عقیل نے جوش میں آکر کہا "خدا کی قسم! ہم سرزمین کوفہ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک اپنے بھائی مسلمؓ کے خون کا بدلہ نہ لیں گے یا ان کی طرح قتل نہ ہو جائیں گے" اس کی بات سن کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ان لوگوں کے بعد زندہ رہنے میں کوئی لطف و بھلائی نہیں ہے۔" آپ کے بعض ساتھیوں نے کہا "خدا کی قسم! آپ مسلم بن عقیلؓ کی طرح نہیں۔ جوں ہی آپ کوفہ تشریف لے جائیں گے اور لوگ آپ کو دیکھیں گے سب آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔"

(البدایہ والنہایہ ۸:۱۶۹، الطبری ۶:۲۹)

جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے قافلے کے ہمراہ مقام "زرود" پر پہنچے تو آپ کو اپنے اس قاصد کے قتل کی خبر ملی جسے آپ نے مکہ سے روانگی کے بعد مقام "حاجر" سے خط دے کر روانہ کیا تھا۔ اس الم ناک خبر کے ملنے کے بعد آپ نے اپنے سب رفقاء کو جمع کر کے فرمایا "ہمارے شیعوں نے ہم کو چھوڑ دیا ہے۔ تم میں سے جو واپس جانا چاہے وہ بخوشی واپس چلا جائے ہماری طرف سے اس پر کوئی پابندی یا الزام نہیں ہے۔"

آپ نے یہ اس لئے فرمایا کہ راستہ میں دیہات کے بہت سے لوگ اس خیال کے تحت آپ کے ساتھ ہو لئے تھے کہ شاید آپ کسی ایسے شہر میں جا رہے ہیں جہاں کے رہنے والوں نے آپ کی اطاعت قبول کر لی ہے جب کہ ان لوگوں کو صحیح حالات سے آگاہ کئے بغیر ساتھ لے جانا مناسب نہ تھا۔ نیز آپ جانتے تھے کہ جب انہیں صحیح حالات کا علم ہو گا تو آپ کے ہمراہ صرف وہی لوگ رہ جائیں گے جو آپ کے ساتھ جان کی بازی لگانے پر بھی تیار ہوں گے۔ آپ کے اس اعلان کے بعد بہت سے وہ لوگ جو راستے میں آپ کے ہمراہ ہو گئے تھے، منتشر ہو گئے اور آپ کے ساتھ وہی لوگ رہ گئے جو مکہ سے چلے تھے۔

حر بن یزید کی آمد

امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا سفر جاری رکھا اور جب امام پاک "کوہ ذی حشم" کے مقام پر پہنچے تو حر بن یزید جو کہ حکومت یزید کی طرف سے آپ کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا، ایک ہزار مسلح سواروں کے ساتھ پہنچ گیا اور آپ کے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا۔ ظہر اور عصر کی نمازیں حر اور اس کے لشکر نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی امامت میں ہی ادا کیں، عصر کی نماز کے بعد آپ نے انہیں خطاب فرمایا اور سمع و اطاعت پر ابھارا اور ظلم کرنے والے دوسرے مدعیان خلافت کی بیعت کو توڑ دینے کی ترغیب دی۔

آپ نے خطوط اہل کوفہ اور قاصدوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آج تمہاری رائے اس سے مختلف ہے جو تمہارے خطوط اور قاصدوں نے مجھ پر ظاہر کی تھی

تو پھر میں واپس چلا جاتا ہوں۔ حُر نے کہا "ہم نہیں جانتے یہ خطوط کیسے ہیں اور کس نے انہیں لکھا ہے۔" حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے خطوط سے بھرے ہوئے دو تھیلے منگوا کر حُر کے سامنے انڈیل دیئے اور ان میں سے چند خطوط پڑھے۔ اس پر حُر نے کہا کہ ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہوں نے آپ کو یہ خطوط لکھے ہیں۔

ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ جب ہم آپ کو ملیں تو آپ سے اس وقت تک جدا نہ ہوں جب تک آپ کو ابن زیاد کے پاس نہ لے جائیں۔ آپ نے فرمایا "موت اس سے زیادہ قریب ہے" آپ کا مطلب تھا کہ مجھے زندہ گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لے جانا ناممکن ہے۔ اس کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا "سوار ہو جاؤ۔" جب مرد و عورتیں سب سوار ہو گئے اور آپ نے واپس لوٹنے کا ارادہ فرمایا تو حر کے لشکر نے آپ کا راستہ روک لیا۔ اس پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حُر سے فرمایا "تیری ماں تجھے روئے تو کیا چاہتا ہے؟" حُر نے جواباً کہا "خدا کی قسم! اگر آپ کے علاوہ کوئی اور عرب یہی بات کہتا جو آپ نے کہی ہے اور وہ اس حالت میں ہوتا جس میں اس وقت آپؓ ہیں تو میں ضرور اس سے بدلہ لیتا اور اس کی ماں کو نہ بخشتا لیکن میں ہر حال میں آپ کی ماں کا نام عزت اور احترام کے ساتھ لوں گا۔"

اس کے بعد فریقین میں کچھ بحث و مباحثہ ہوتا رہا۔ بالآخر حُر نے کہا "مجھے آپ کے ساتھ لڑنے کا حکم نہیں ہے، مجھے تو صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کے ساتھ لگا رہوں حتیٰ کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس کوفہ لے جاؤں۔ اگر آپ انکار کرتے ہیں تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ جاتا ہو اور نہ مدینے کو اسی اثناء میں اگر آپ چاہتے ہیں تو آپ یزید کو لکھئے، میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں۔ شاید اللہ تعالیٰ کوئی ایسی صورت پیدا فرما دے کہ جس سے میں آپ کے معاملے میں آزمائش سے بچ جاؤں۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے قافلہ کو کوچ کا حکم فرمایا اور غدیب اور قادسیہ جانے والے راستے سے بائیں جانب کو ہو لئے۔ حُر بن یزید آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ (البدایہ والنہایہ ۸: ۱۷۲، ۱۷۳، ابن اثیر ۴: ۴۷، ۴۸)

چلتے چلتے آپ نینوا کے میدان میں پہنچے تو آپ نے کوفہ سے آتے ہوئے ایک سوار کو دیکھا۔ سب لوگ ٹھہر کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ وہ آیا تو اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو سلام کرنے کی بجائے حُر کو سلام کیا اور ابن زیاد کی طرف سے حر کو ایک خط دیا۔ اس خط میں لکھا تھا "جس وقت میرا قاصد میرا خط لے کر تمہارے پاس پہنچے تو اسی وقت سے حسین رضی اللہ عنہ پر سختی کرو۔ پس تم اس کو سوائے ایسے کھلے میدان کے جہاں نہ تو کوئی پناہ گاہ ہو اور نہ پانی کہیں اور نہ اترنے دو میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ہی لگا رہے اور اس وقت تک تم سے الگ نہ ہو جب تک میرے پاس یہ خبر نہ آجائے کہ تم نے میرے حکم پر عمل کیا ہے۔"

جب حر نے یہ خط پڑھا تو اس نے حضرت امام حسینؓ اور آپ کے رفقاء سے کہا "یہ امیر ابن زیاد کا خط ہے جس میں اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کے ساتھ سختی کروں اور ایسی جگہ کے سوا جہاں نہ کوئی بستی ہو اور نہ پانی کسی اور جگہ نہ اترنے دوں۔" آپؓ کے ساتھیوں نے کہا کہ "ہم نینوا' غاضریہ یا شفیہ میں اتریں گے" اس نے کہا "میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ اس شخص (قاصد) کو مجھ پر برابر نگرانی کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔" (ابن اثیر' ۴:۵۱' ۵۲)

قافلہ حسینؓ ------ سرزمین کربلا میں

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ چلتے چلتے نینوا کے میدان میں بتاریخ ۲ محرم الحرام ۶۱ھ بروز جمعرات اپنے ساتھیوں اور اہل و عیال سمیت خیمہ زن ہو گئے۔ حُر نے بھی آپ کے مقابلے میں خیمے نصب کر دیئے۔ حر کے دل میں اگرچہ اہل بیت نبوت کی عظمت تھی اور یہاں تک کہ اس نے اپنی نمازیں بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہی ادا کیں تھیں مگر وہ ابن زیاد کے حکم سے مجبور تھا۔ وہ ابن زیاد کے ظالم و سفاک مزاج سے واقف تھا اور اسے علم تھا کہ اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کسی قسم کی کوئی نرمی روا رکھی یا ابن زیاد کی حکم عدولی کی کوشش کی تو یہ بات ایک ہزار کے لشکر کے سامنے چھپی نہ رہے گی۔ جب ابن زیادہ کو اس کا علم ہو گا تو وہ

ہرگز معاف نہیں کرے گا اور سخت سزا دے گا۔ اس خوف کی وجہ سے حر ابن زیاد کے حکم پر برابر عمل کرتا رہا۔

جس مقام پر حضرت امام حسینؓ اپنے ساتھیوں اور اہل و عیال کے ہمراہ خیمہ زن ہوئے اس دشت و بیابان کی اداس اور مغموم فضا کو دیکھ کر آپ نے پوچھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس جگہ کو "کربلا" کہتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا "بس! یہیں خیمے لگا لو، یہی ہمارے سفر کی آخری منزل ہے۔"

کربلا پہنچتے ہی حضرت امام حسینؓ کو حضور نبی کریم ﷺ کے وہ فرامین یاد آ رہے تھے جو آپ نے فرمائے تھے۔ بچپن کے زمانے کی یادیں اور حضور ﷺ کی دی ہوئی بشارتیں آپ کی آنکھوں کے سامنے آگئیں۔ آپ کو بچپن کا وہ لمحہ یاد آگیا جب حضرت ام سلمہؓ کی روایت کے مطابق آپ ان کے گھر میں اپنے بڑے بھائی حضرت حسنؓ کے ساتھ جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھیل رہے تھے کہ جرائیل امینؑ نازل ہوئے اور کہا "اے محمد! ﷺ بے شک آپ کی امت میں سے ایک جماعت آپ کے اس بیٹے حسینؓ کو آپ کے بعد قتل کر دے گی" اور حضور ﷺ کو حضرت حسینؓ کی جائے شہادت کی تھوڑی سی مٹی دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مٹی کو سونگھا اور فرمایا کہ "اس میں رنج و بلا کی بو آتی ہے۔" اور حضور اکرم ﷺ نے حضرت امام حسینؓ کو اپنے سینے سے چمٹا لیا اور رو دیئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

یا ام سلمۃ اذا تحولت ھذہ التربۃ دما فاعلمی ان ابنی قد قتل	اے ام سلمہؓ! جب یہ مٹی خون میں بدل جائے تو جان لینا کہ میرا یہ بیٹا قتل ہو گیا ہے۔

(الخصائص الکبریٰ، ۲: ۱۲۵ سر الشہادتین، ۲۸
المعجم الکبیر للطبرانی، ۳: ۱۰۸)

حضرت ام سلمہؓ نے اس مٹی کو بوتل میں رکھ دیا تھا۔ وہ ہر روز اس کو دیکھتیں اور فرماتیں کہ "جس دن یہ مٹی خون ہو جائے گی تو وہ دن عظیم دن ہو گا۔"

یہی وہ میدان تھا جس کی نسبت حضرت امام عالی مقامؓ کے والد حضرت علیؓ المرتضیٰ نے فرمایا تھا۔

ھھنا مناخ رکابھم و موضع رحالھم و مھراق دمائھم فئۃ من ال محمد ﷺ یقتلون بھذہ العرصۃ تبکی علیھم السماء و الارض

(الخصائص الکبریٰ' ۲: ۱۶۲ سر الشہادتین' ۳۱)

یہ ان (حسینؓ اور اس کے قافلے) کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور یہ ان کے کجاوے رکھنے کی جگہ ہے اور یہ ان کے خون کا مقام ہے۔ آل محمد ﷺ کا ایک گروہ اس میدان میں شہید ہو گا جس پر زمین و آسمان روئیں گے۔

چونکہ میدان کربلا اور حضرت امام عالی مقام کی شہادت کے بارے میں بشارتیں پہلے سے دی جا چکی تھیں اس لئے امام عالی مقام نے اس میدان کو اپنے سفر کا منتہیٰ سمجھ کر خیمے لگا دیئے۔

عمر بن سعد کی آمد

قافلہ حسینیؓ غریب الوطنی کے عالم میں کربلا کے میدان میں خیمہ زن تھا۔ دوسری طرف یزیدی حکومت ان نفوس قدسیہ پر قیامت برپا کرنے کو بھرپور تیاریوں میں مصروف تھی۔ چنانچہ ۳ محرم الحرام کو عمر بن سعد چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے کوفہ سے کربلا پہنچ گیا۔ ابن زیاد نے یہ لشکر "دیلم" کے لئے تیار کیا تھا لیکن جب حضرت امام حسینؓ کا معاملہ پیش آگیا اس نے عمر بن سعد کو حکم دیا کہ پہلے حسینؓ کی طرف جاؤ اور اس سے فارغ ہونے کے بعد دیلم کو چلے جانا۔ عمر بن سعد نے حضرت امام حسینؓ پر حملہ کرنے سے انکار کر دیا اور ساتھ ہی اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ ابن زیاد نے کہا اگر تم چاہو تو میں تمہارا استعفیٰ منظور کر لیتا ہوں مگر اس کے ساتھ میں تمہیں دوسرے علاقوں کی ولایت سے معزول کر دوں گا جن پر میں نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے۔ عمر بن سعد نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے کچھ مہلت مانگی اور پھر اس نے اس معاملہ میں

جس سے بھی مشورہ کیا اس نے حضرت امام حسینؓ پر حملہ کرنے سے روکا حتیٰ کہ اس کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ خدا کے لئے حضرت امام حسینؓ پر ہرگز لشکر کشی نہ کرنا۔ یہ سراسر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور قطع رحمی ہے۔ خدا کی قسم! اگر تمہیں سارے جہان کی سلطنت سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں تو یہ تمہارے لئے حضرت امام حسینؓ کا خون بہانے اور اپنی گردن پر لینے سے زیادہ آسان ہے۔ ابن سعد نے کہا انشاء اللہ میں ایسا ہی کروں گا مگر جب ابن زیاد نے اسے معزول کرنے کے علاوہ قتل کرنے کی دھمکی دی تو وہ لشکر کے ہمراہ حضرت امام حسینؓ کی طرف روانہ ہو گیا۔

(البدایہ والنہایہ ۸: ۱۸۴)

پانی بند کرنے کا حکم

عمر بن سعد نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بھیجا کہ آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اہل کوفہ نے مجھے لکھا تھا کہ میں ان کے پاس آؤں۔ اب اگر وہ مجھ سے بیزار ہیں تو میں واپس مکہ چلا جاتا ہوں۔ جب ابن سعد کو یہ جواب ملا تو اس نے کہا کہ میری یہ تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی طرح مجھے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کرنے سے بچالے۔

چنانچہ اس نے ابن زیاد کو یہ بات لکھ بھیجی کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کی ان سے بیزاری پر واپس مکہ جانا چاہتے ہیں لیکن ابن زیاد نے جواب دیا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کردو اور حسینؓ سے کہو کہ وہ خود اور ان کے ہمراہی امیرالمومنین یزید بن معاویہ کی بیعت کریں جب وہ بیعت کرلیں گے تو پھر ہم سوچیں گے کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ اس پر عمر بن حجاج کی قیادت میں ابن سعد کے آدمیوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قافلہ پر پانی بند کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ ۸: ۱۷۵)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تیس سوار اور بیس پیدل پانی لینے کے لئے بھیجے۔ عمرو بن حجاج اپنے ساتھیوں کے ہمراہ

مزاحمت کرنے لگا لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی مقابلہ کے بعد پانی لانے میں کامیاب ہو گئے۔ (ابن اثیر' ۴: ۵۴ ' طبری ' ۶: ۳۰)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ابن سعد سے ملنے کی خواہش کی۔ اس پر دونوں فریق بیس بیس سواروں کے ہمراہ آئے۔ آپ نے اپنے رفقاء کو اور ابن سعد نے اپنے ساتھیوں کو ایک طرف کر دیا۔ دونوں کے درمیان تنہائی میں کافی دیر تک گفتگو ہوئی جس کو کسی نے نہیں سنا پھر دونوں اپنے اپنے لشکر میں واپس ہو گئے۔ اس گفتگو کے متعلق دو روایتیں ہیں۔

۱۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ابن سعد سے فرمایا کہ لشکروں کو یہیں چھوڑ کر ہم دونوں یزید کے پاس شام چلتے ہیں اور اس سے براہ راست معاملہ طے کرتے ہیں۔ ابن سعد نے کہا اگر میں نے ایسا کیا تو ابن زیاد میرا گھر مسمار کرا دے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس سے بہتر گھر تعمیر کرا دوں گا۔ ابن سعد نے کہا کہ وہ میری جائیداد ضبط کر لے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں اپنی حجاز کی جائیداد میں سے اس سے بھی زیادہ مال دے دوں گا لیکن ابن سعد نے یہ بات منظور نہ کی۔

۲۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ

(ا) ہم دونوں یزید کے پاس چلتے ہیں۔ یا

(ب) تم مزاحمت نہ کرو' میں واپس حجاز چلا جاتا ہوں۔ یا ۔

(ج) ترکوں سے جنگ کرنے کے لئے سرحد کی طرف روانہ ہو جاتا ہوں۔

عمر بن سعد نے یہ بات ابن زیاد کو لکھ بھیجی۔ ابن سعد کا خط ابن زیاد کے پاس پہنچا تو اس کا ارادہ بھی ہوا کہ ان تین باتوں میں سے ایک بات مان لی جائے۔ اس وقت ابن زیاد کے پاس شمر بن ذی الجوشن بھی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بد بخت کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا ''کیا تم حسینؓ کی ان شرطوں کو قبول کرتے ہو حالانکہ اس وقت وہ تمہاری گرفت میں ہے۔ خدا کی قسم! اگر وہ تمہاری اطاعت کئے بغیر یہاں سے چلا گیا تو یہ اس کے غالب و قوی اور تمہارے مغلوب و کمزور ہونے کا باعث ہو گا۔ ایسا موقعہ اس کو ہرگز نہ دو۔

اس میں سراسر تمہاری ذلت ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ حسینؓ اور اس کے ساتھی تمہارے حکم پر گردنیں جھکا دیں پھر اگر تم ان کو سزا دو تو یہ تمہارا حق ہے اور اگر تم انہیں معاف کر دو تو اس کا بھی تمہیں اختیار ہے۔ خدا کی قسم! مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ حسینؓ اور ابن سعد اپنے لشکروں کے مابین رات رات بھر بیٹھے باتیں کرتے رہتے ہیں۔"

ابن زیاد نے کہا "تم نے بہت اچھی رائے دی ہے"۔ پھر شمر بن ذی الجوشن کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ اگر حسینؓ اور اس کے رفقاء میرے حکم کی تعمیل کریں تو بہتر ورنہ عمر بن سعد کو حکم دو کہ وہ حسینؓ اور اس کے اصحاب پر حملہ کر دے۔ اگر ابن سعد اس میں لیت و لعل کرے تو اسے قتل کر دو اور فوج کی کمان خود سنبھال لو۔ قتل حسینؓ میں سستی کرنے پر ابن زیاد نے عمر بن سعد کو ایک تہدید آمیز خط لکھا کہ اگر حسینؓ اور اس کے ساتھی اطاعت قبول نہ کریں تو ان سے جنگ کرو کیونکہ وہ باغی ہیں۔

(البدایہ والنھایہ، ۸: ۱۷۵، ۱۷۶)

جب شمر بن ذی الجوشن ابن زیاد کا خط لے کر عمر بن سعد کے پاس آیا تو اس نے کہا "اے شمر! خدا تیرے گھر کو برباد کرے اور جو کچھ تو لایا ہے اس پر تیرا ستیاناس کرے۔ مجھے یقین ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جو تین امور پیش کیے تھے انہیں منظور کرنے سے ابن زیاد کو تو نے ہی روکا ہے" شمر نے کہا کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا ارادہ اب کیا ہے؟ کیا تم ان سے جنگ کرتے ہو یا میرے اور ان کے درمیان سے ہٹتے ہو؟ ابن سعد نے کہا "نہیں میں سرداری تمہارے ہاتھ میں نہ دوں گا بلکہ خود فوج کی قیادت کروں گا۔"

یہ فوج ۹ محرم الحرام ۶۱ھ بروز جمعرات دن ڈھلے جنگ کے لئے قافلہ حسین کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ (البدایہ والنھایہ، ۸: ۱۷۵، ۱۷۶)

ایک رات کی مہلت

۹ محرالحرام ۶۱ھ جمعرات کے دن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے خیمے کے

سامنے تلوار کا سہارا لئے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ اسی دوران آپ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ ادھر ابن سعد نے اپنے لشکر کو پکارا کہ اے اللہ کے سپاہیو! سوار ہو جاؤ اور فتح و کامرانی کی خوشی مناؤ۔ اس پر تمام لشکری نماز عصر کے بعد سوار ہو کر حملہ کرنے کے لئے امام عالی مقامؓ کے خیموں کے قریب پہنچ گئے۔ یزیدی فوج کا شور و غوغا سن کر آپ کی ہمشیرہ حضرت زینبؓ آپ کے پاس آئیں اور آپ کو بیدار کیا۔ آپ نے سر اٹھایا کر فرمایا:

انی رایت رسول اللہ ﷺ فی المنام فقال لی انک تروح الینا

میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ تم ہمارے پاس آنے والے ہو۔

بہن نے یہ سن کر کہا "**یو یلتاہ**" (ہائے مصیبت)

آپ نے فرمایا "اے بہن! افسوس نہ کر، صبر کر اللہ تم پر رحم کرے۔"

آپ کے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "اے بھائی وہ لوگ تمہاری طرف آرہے ہیں۔" آپ نے فرمایا "جاؤ اور ان سے پوچھو کہ تم کس ارادے سے آئے ہو؟" حضرت عباس تقریباً بیس سواروں کو ساتھ لے کر یزیدی لشکر کی طرف گئے اور اس کے پاس پہنچ کر پوچھا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟۔ انہوں نے کہا کہ امیر ابن زیاد کا حکم ہے کہ تم اس کی اطاعت قبول کر لو ورنہ ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ ذرا ٹھہرو، میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر حضرت عباسؓ اپنے ساتھیوں کو وہیں چھوڑ کر واپس چلے گئے اور جا کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا "ان لوگوں سے کہو ہمیں ایک رات کی مہلت دے دیں تاکہ اس آخری رات میں ہم اچھی طرح نماز پڑھ لیں، دعائیں مانگ لیں اور توبہ و استغفار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھے نماز، تلاوت اور دعا و استغفار سے بڑا قلبی تعلق ہے۔"

حضرت عباسؓ نے ابن سعد کے دستہ سے کہا کہ ہمیں ایک رات کی مہلت دو تاکہ ہم رات کو کچھ عبادت کر لیں اور اس معاملہ میں مزید غور کر لیں پھر جو کچھ فیصلہ ہو گا صبح تم لوگوں کو بتا دیں گے۔ ابن سعد کے دستہ نے یہ بات مان لی۔

رفقاء سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا خطاب

ابن سعد کے دستے واپس لوٹنے کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقاء کو جمع کیا۔ آپؓ کے فرزند سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بیماری کی حالت میں ہی اپنے والد گرامی کے قریب جا بیٹھا تاکہ سنوں کہ وہ کیا فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سلام کے بعد آپ نے نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میں کسی کے ساتھیوں کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار اور بہتر نہیں سمجھتا اور نہ کسی اہل بیت کو اپنے اہل بیت سے زیادہ نیکوکار اور صلہ رحمی کرنے والا دیکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ہمارا کل کا دن دشمنوں سے مقابلہ کا دن ہو گا۔ میں تم سب کو خوشی کے ساتھ اجازت دیتا ہوں کہ رات کی اس تاریکی میں چلے جاؤ میری طرف سے کوئی ملامت نہ ہو گی۔ ایک ایک اونٹ لے لو اور تمہارا ایک ایک آدمی میرے اہل بیت میں سے ایک ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے لے۔ اللہ تعالیٰ تم سب کو جزائے خیر دے' پھر تم اپنے اپنے شہروں اور دیہاتوں میں منتشر ہو جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ یہ مصیبت ٹال دے۔ بے شک یہ لوگ میرے ہی قتل کے طالب ہیں۔ جب یہ مجھے قتل کریں گے تو پھر کسی اور کی ان کو طلب نہ ہو گی۔

آپ کے بھائیوں' بیٹوں' اور بھتیجوں نے عرض کیا کہ آپ کے بعد ہماری زندگی بے کار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے بارے میں ایسا برا دن ہمیں نہ دکھائے کہ آپ موجود نہ ہوں اور ہم ہوں۔

آپ نے بنی عقیل سے فرمایا "اے اولاد عقیل! تمہارے لئے تمہارے بھائی مسلم کا خون ہی کافی ہے۔ تم واپس چلے جاؤ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں" باحمیت

اور غیرت مند بھائیوں نے کہا "لوگ کیا کہیں گے کہ ہم نے عشرت دنیا کی خاطر اپنے شیخ' سردار اور اپنے بہترین ابن کا ساتھ چھوڑ دیا۔ نہ تیر پھینکا' نہ نیزہ مارا اور نہ تلوار چلائی فقط اس دنیا کی زندگی کے لئے! ہرگز نہیں!! خدا کی قسم! ہم ایسا نہیں کریں گے۔ بلکہ اپنی جانوں' مالوں اور اپنے اہل وعیال کو آپ پر قربان کر دیں گے' آپ کی ہمراہی میں جنگ کریں گے' جو انجام آپ کا ہو گا وہی ہمارا ہو گا۔ آپ کے بعد زندہ رہنے کا کوئی جواز نہیں۔

آپ کے دوسرے اصحاب نے بھی اسی طرح کے جذبات کا اظہار کیا اور کہا کہ "خدا کی قسم! ہم آپ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ ہم آپ پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ ہم اپنی گردنوں' پیشانیوں' ہاتھوں اور اپنے جسموں سے آپ کا دفاع کریں گے۔ جب ہم قتل ہو جائیں گے تو سمجھیں گے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

(البدایہ والنھایہ' ۸:۱۷۶' ۱۷۷ طبری' ۶:۳ ابن اثیر' ۴:۵۷' ۵۸))

اپنے ساتھیوں اور اہل بیت کے ان جذبات کو دیکھ کر آپ نے انہیں حکم دیا کہ تمام رات خیمے قریب قریب کر لو حتیٰ کہ ان کی طنابیں ایک دوسری میں گھسی ہوئی ہوں تاکہ دشمن ہم تک صرف ایک جانب سے آسکے۔ ہمارے دائیں بائیں اور پیچھے کی جانب خیمے ہوں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حکم پر عمل پیرا ہونے کے بعد آپ کے رفقاء آپ کی معیت میں ساری رات نوافل پڑھتے رہے اور عاجزی و انکساری کے ساتھ مغفرت کی دعائیں مانگتے رہے۔

(البدایہ والنھایہ' ۸:۱۷۷ ابن اثیر' ۴:۵۹)

دس محرم ۶۱ھ اور قیامت صغریٰ

دس محرم ۶۱ھ کا خونیں آفتاب اپنی پوری خون آشامیوں کے ساتھ طلوع ہوا۔ عمر بن سعد نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھ لی تو قتال کے لئے تیار ہو گیا۔ حسینی فوج کے بہتر (۷۲) جانثاروں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی امامت میں صبح

کی نماز ادا کی اور یزیدی فوج کے مقابلے کے لئے کربلا کے میدان میں صف آرا ہو گئے۔ یہ جانثار بتیس (۳۲) گھوڑ سواروں اور چالیس (۴۰) پیادوں پر مشتمل تھے۔ آپؓ نے میمنہ پر زہیر بن قینؓ کو اور میسرہ پر حبیب بن مظاہر کو مقرر فرمایا۔ علم اپنے بھائی حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور عورتوں کے خیموں کی طرف پشت کر لی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حکم سے آپ کے رفقاء نے راتوں رات خیموں کے عقب میں خندق کھودلی تھی اور اسے سوختنی' بانس اور نرکل جیسی لکڑیوں سے بھر دیا تھا۔ آپ کے حکم سے خندق میں ڈالی گئی لکڑیوں کو آگ لگا دی گئی تاکہ عقب سے کوئی خیموں میں داخل نہ ہو سکے۔ (البدایہ والنھایہ' ۸:۱۷۸)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہوئے' قرآن مجید منگوا کر سامنے رکھا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کی:

"اے باری تعالیٰ! ہر مصیبت میں تو ہی میرا سہارا اور ہر تکلیف میں تو ہی میری امید ہے۔ تمام حوادث میں تو ہی میرا مددگار اور ڈھارس ہے۔ بہت سے غم ایسے ہوتے ہیں جن میں دل بیٹھ جاتا ہے اور ان غموں سے رہائی کی تدبیریں کم ہو جاتی ہیں۔ دوست اس میں ساتھ چھوڑ جاتے ہیں اور دشمن اس سے خوش ہوتے ہیں لیکن میں نے ایسے تمام اوقات میں تیری ہی طرف رجوع کیا ہے اور تجھی سے اپنا درد دل کہا ہے۔ تیرے سوا کسی اور سے کہنے کو دل نہ چاہا۔ اے اللہ! تو نے ہر بار ان مصائب کو مجھ سے دور کر دیا اور ان سے بچالیا۔ تو ہی ہر نعمت کا ولی' ہر بھلائی کا مالک اور ہر خواہش کا منتہی ہے۔"

سہ

وہ صبر دے الٰہی! جس میں خلل نہ آئے
تیروں پہ تیر کھاؤں' ابرو پہ بل نہ آئے

اتمام حجت

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یزیدی لشکر کے قریب آئے اور بلند آواز کے ساتھ فرمایا "اے لوگو! میں تمہیں نصیحت کرنے والا ہوں۔ اسے غور سے سنو" اس پر سب

لوگ خاموش ہو گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ اے لوگو! اگر تم میرا عذر قبول کر لو اور میرے ساتھ انصاف کرو تو یہ تمہارے لئے باعث سعادت ہے اور تمہارے پاس مجھ پر زیادتی کرنے کا کوئی جواز بھی نہیں ہے۔ اگر تم میرا عذر قبول نہیں کرتے:

(پھر آپ نے یہ آیات پڑھیں)

فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَاءَ كُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْا اِلَيَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنَ
(یونس، ۱۰:۷۱)

پس تم اور تمہارے شریک سب مل کر اپنی ایک بات ٹھہرا لو تاکہ تمہاری وہ بات تم میں سے کسی پر مخفی نہ رہے پھر میرے خلاف اپنے فیصلے پر عمل کر گزرو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔

اِنَّ وَلِيِّ َ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتَابَ وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ
(الاعراف، ۷:۱۹۶)

بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہی صالحین کا مددگار ہوتا ہے

جب خیموں میں موجود آپ کی بہنوں اور بیٹیوں نے یہ تقریر سنی تو ان کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں اس پر آپ نے فرمایا خدا ابن عباسؓ کی عمر دراز کرے۔ انہوں نے کہا تھا کہ جب تک راہ ہموار نہ ہو جائے عورتوں کو ساتھ نہ لے جائیں بلکہ انہیں مکہ میں ہی چھوڑ جائیں" پھر آپ نے اپنے بھائی حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے جا کر عورتوں کو خاموش کرایا۔ عورتوں کے خاموش ہونے پر آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے فضل و عظمت، حسب و نسب اعلیٰ قدری اور علو شرفی کا ذکر فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکو اور محاسبہ کرو کیا تمہارے لئے مجھ جیسے آدمی کا قتل درست ہے؟ میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کا فرزند ہوں۔ میرے سوا نبی کا کوئی نواسہ تمام روئے زمین پر موجود نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ میرے والد ہیں اور جعفر ذوالجناحین میرے چچا ہیں۔ سید الشہداء حضرت حمزہ میرے

والد کے چچا ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا ہے:

یہ دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔	**هذان سيدا شباب اهل الجنة**

اگر تم میری بات کی تصدیق کرو تو یہ درست اور حق بات ہے۔ خدا کی قسم! جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ جھوٹے پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے میں نے کبھی جھوٹ بولنے کا ارادہ تک نہیں کیا۔ اگر تم تصدیق نہیں کرتے (کہ میں جنت کے نوجوانوں کا سردار ہوں) تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جابر بن عبداللہؓ' ابو سعیدؓ' زید بن ارقمؓ' اور انس بن مالکؓ سے پوچھو' وہ اس کی تصدیق کریں گے۔ افسوس ہے تم پر۔ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ کیا میری ان باتوں میں سے کوئی بات بھی میرا خون بہانے سے تمہیں روک نہیں سکتی؟"

آپ نے فرمایا "اے لوگو! میرا راستہ چھوڑ دو۔ میں کسی محفوظ مقام کی طرف چلا جاتا ہوں۔" انہوں نے کہا کہ آپ کو اپنے بنی عم ابن زیاد کا حکم تسلیم کر لینے میں کیا امر مانع ہے۔ آپ نے فرمایا:

"معاذ اللہ!" اور یہ آیت پڑھی:

میں ہر اس متکبر سے جو یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔	اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ (المؤمن: ۴۰، ۲۷)

پھر آپ نے اپنی سواری کو بٹھایا اور مخالفین سے فرمایا کہ بتاؤ کیا تم مجھ سے کسی خون کا بدلہ لینا چاہتے ہو یا میں نے تمہارا مال کھایا ہے یا کسی کو زخمی کیا ہے جس کا تم مجھ سے بدلہ چکانے آئے ہو؟ لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد آپ نے پکار پکار کر فرمایا کہ اے شیث بن ربعی! اے حجاز بن الجبر! اے قیس بن اشعث! اے زید بن حارث! کیا تم نے مجھے نہیں لکھا کہ پھل پک چکے ہیں اور باغات سرسبز ہیں آپ ہمارے پاس تشریف لائیں۔ آپ ایک مضبوط فوج کے پاس آئیں گے۔

انہوں نے کہا کہ ہم نے کوئی خط نہیں لکھا۔ آپ نے فرمایا "سبحان اللہ" تم نے یقیناً لکھے ہیں۔" پھر آپ نے فرمایا "اے لوگو! جب تم مجھ سے بیزار ہو گئے ہو تو میرا رستہ چھوڑ دو میں تم سے کہیں دور چلا جاتا ہوں۔" اس پر قیس بن اشعث نے کہا کہ آپ اپنے ہی عم ابن زیاد کا حکم کیوں نہیں مان لیتے؟ وہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچائیں گے اور آپ سے وہی معاملہ کریں گے جو آپ چاہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا "تو اپنے بھائی کا بھائی ہی تو ہے۔ (جب اہل کوفہ نے حضرت مسلم بن عقیلؓ سے غداری کی تو انہوں نے ایک بڑھیا "طوعہ" کے گھر پناہ لی۔ اس بڑھیا کے بیٹے بلال نے مخبری کر دی تھی۔ یہ مخبری محمد بن اشعث جو کہ قیس بن اشعث کا بھائی تھا' کی معرفت ہوئی تھی۔ ابن زیاد نے سپاہیوں کے ایک دستے کے ہمراہ محمد بن اشعث کو بھیجا تاکہ وہ امام مسلم کو گرفتار کریں۔ جب حضرت مسلمؓ نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور انہوں نے دیکھا کہ آپ کو گرفتار کرنا آسان نہیں ہے تو محمد بن اشعث نے امام مسلمؓ کو امان کا چکمہ دے کر گرفتار کرایا تھا۔ حضرت امام حسینؓ کے ان الفاظ کا معنی یہ تھا کہ جس طرح تیرے بھائی نے مسلم بن عقیلؓ کو دھوکہ سے گرفتار کرایا تھا اسی طرح تو مجھے بھی گرفتار کرانا چاہتا ہے۔) کیا تو چاہتا ہے کہ بنو ہاشم تم سے مسلم بن عقیلؓ کے علاوہ کچھ اور مقتولین کا بدلہ بھی طلب کریں؟ نہیں خدا کی قسم! میں ذلت کے ساتھ اپنے آپ کو ان کے حوالے نہ کروں گا اور نہ غلاموں کی طرح اپنے ناکردہ جرم کا اعتراف کروں گا۔"

(البدایہ والنہایہ' ۸:۱۷۹) ابن اثیر' ۴ :۶۱۱' ۶۲۰)

حرؒ کی توبہ

جب عمر بن سعد جنگ کا آغاز کرنے کے لئے آگے بڑھا تو حر بن یزید نے اس سے پوچھا "خدا تجھے ہدایت دے۔ کیا تو واقعی اس شخص (حضرت حسین رضی اللہ عنہ) سے لڑے گا؟" اس نے کہا "خدا کی قسم! ضرور کم ازکم ایسی لڑائی کہ جس میں سر کٹیں گے اور ہاتھ ضائع ہوں گے" حر نے کہا "کیا ان کی باتوں میں سے کوئی بات بھی تم لوگوں کو منظور نہیں؟" ابن سعد نے کہا "خدا کی قسم! اگر یہ معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں ضرور ایسا ہی کرتا لیکن کیا کروں تمہارا امیر نہیں مانتا"۔

یہ سن کر حر پر حق روشن ہو گیا اور اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کی برادری کے ہی ایک شخص نے اسے کہا "خدا کی قسم! آج تمہاری عجب حالت ہے۔ میں نے کسی جنگ میں تمہاری ایسی حالت نہیں دیکھی۔ حالانکہ میرے نزدیک تم کوفہ کے بہادروں میں سے ایک بہادر ترین انسان ہو۔ پھر تمہاری یہ حالت کیوں ہے؟" حر نے کہا "خدا کی قسم! میرے ایک طرف جنت اور ایک طرف دوزخ ہے اور میں اس کشمکش میں مبتلا ہوں کہ کدھر جاؤں" پھر توقف سے بولا "اب تو جنت کی طرف ہی جاؤں گا۔ خواہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا زندہ جلا دیا جائے۔" یہ کہ کر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑی لگائی اور امام عالی مقام کے پاس پہنچ گیا۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حر نے عرض کیا "اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے! میری جان آپ پر قربان میں وہی ہوں بد بخت جس نے آپ کو واپس نہ جانے دیا' راستہ بھر آپ کے ساتھ ساتھ رہا اور اس مقام پر ٹھہر جانے کیلئے آپ کو مجبور کر دیا۔ **خدا وحدہٗ لا شریک** کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے تو میں کبھی ان کا ساتھ نہ دیتا اور جو گستاخیاں مجھ سے سرزد ہوئیں ان کا مرتکب نہ ہوتا۔ اب میں اپنے کیے پر نادم ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتا ہوں اور اپنی جان آپ پر قربان کرنے کا عہد کرتا ہوں۔ فرمائیے کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟"۔ آپ نے فرمایا "ہاں اللہ تمہاری توبہ قبول کرے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ تمہارا نام کیا ہے؟" حر نے جواب دیا "حر بن یزید" آپ نے فرمایا "تم دنیا و آخرت میں انشاء اللہ حر (آزاد) ہو گے۔ گھوڑے سے نیچے اتر آؤ۔" حر نے عرض کیا "اب تو اسی وقت نیچے اتروں گا جب ان ظالموں سے لڑتے ہوئے آپ پر اپنی جان قربان کر دوں گا۔" آپ نے فرمایا "جس طرح چاہو کرو اللہ تم پر رحم کرے۔"

(الطبری ۶: ۳۱)

حر کا کوفیوں سے خطاب

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جانثاروں میں شامل ہو جانے کے بعد حر نے اہل کوفہ سے خطاب کیا اور کہا "اے کوفیو! تم نے خود حسین رضی اللہ عنہ کو دعوت دی اور جب

وہ آ گئے تو تم نے انہیں دشمن کے حوالے کر دیا۔ تم نے تو یہ کہا تھا کہ ہم اپنی جانیں ان پر قربان کر دیں گے اور اب تم ان پر حملہ کرنے اور انہیں قتل کرنے کے درپے ہو۔ تم انہیں اللہ تعالی کی وسیع و عریض زمین میں چلے جانے سے بھی روکتے ہو جس میں جانور بھی آزادی کے ساتھ دندناتے پھرتے ہیں۔ تم ان کے اور دریا فرات کے جاری پانی کے درمیان حائل ہو گئے ہو حالانکہ اس میں سے کتے اور خنزیر بھی پی پی کر سیراب ہو رہے ہیں۔ جبکہ حسینؓ اور ان کے ساتھ والے پیاس سے نڈھال ہو گئے ہیں۔ تم نے حضرت محمد ﷺ کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا ہے۔ اگر تم نے توبہ نہ کی اور اس ارادے سے باز نہ آئے جس پر عمل کرنے کے لئے تم نے آج کے دن اور اس گھڑی کمر باندھی ہے تو اللہ تعالی تمہیں سخت پیاس کے دن پانی سے محروم رکھے گا۔"

اس پر ابن سعد کی پیادہ فوج نے حر پر تیر برسانے شروع کر دیئے چنانچہ حر پیچھے ہٹ کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے جا کھڑا ہوا

(البدایہ والنہایہ' ۸: ۱۸۰' ۱۸۱)

جنگ کا آغاز

حر کے واپس آنے کے بعد ابن سعد اپنا علم لے کر آگے بڑھا اور ایک تیر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف چلا کر کہنے لگا "گواہ رہنا! سب سے پہلا تیر میں نے پھینکا ہے"۔ اس کے ساتھ ہی طبل جنگ پر چوٹ پڑی اور دوسروں نے بھی تیر چلانے شروع کر دیئے۔ جنگ شروع ہو گئی اور دونوں طرف سے نکل نکل کر سپاہی داد شجاعت دینے لگے۔ (الطبری' ۶: ۲۱)

اس روز کثرت سے مبارزت ہوئی۔ شجاعت و دلیری کی وجہ سے انفرادی جنگ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا پلہ بھاری تھا۔ اس لئے بعض امراء نے عمر بن سعد کو انفرادی جنگ ختم کر کے عام حملہ کا مشورہ دیا۔ چنانچہ عمر بن سعد نے عام حملے کا حکم دے دیا۔

شمر بن ذی الجوشن جو یزیدی لشکر کے میسرہ کا سردار تھا' وہ حضرت امام حسین

یزیدی لشکر چاروں طرف سے یزیدی لشکر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے میسرہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے یزیدی لشکر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے انصار پر ٹوٹ پڑا۔ امام عالی مقام کے ساتھ کل بتیس سوار تھے تاہم انہوں نے بے مثال شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ وہ جدھر کا رخ کرتے تھے یزیدی لشکر کی صفوں کو الٹ دیتے تھے اور ان میں بھگڈر مچا دیتے تھے۔ عزرہ بن قیس جو کہ کوفی سواروں کا سردار تھا اس نے جب ہر طرف سے اپنے سواروں کو پسپا ہوتے دیکھا تو عبدالرحمن بن حصین کو ابن سعد کے پاس بھیجا اور کہا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ ان چند سواروں نے میرے سوار دستے کا منہ پھیر دیا ہے اور اب حال یہ ہے کہ میرے سوار ادھر ادھر بھاگ کر اپنی جان بچانے کی فکر کر رہے ہیں۔ اس لئے فوراً کچھ پیدل سپاہی اور تیر انداز بھیجئے۔ ابن سعد نے غرزہ کی درخواست پر شیث بن ربعی کو جانے کا حکم دیا مگر اس نے گریز کیا۔ ابن سعد نے پھر حصین بن نمیر تمیمی کو بلایا اور اس کے ساتھ تمام زرہ پوش سواروں اور پانچ سو تیر اندازوں کو بھیجا۔ ان تیر اندازوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے پاس پہنچ کر تیروں کی بارش کر دی اور تھوڑی ہی دیر میں ان کے گھوڑوں کو زخمی اور بے کار کر دیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی۔ وہ گھوڑوں سے اتر پڑے اور بڑی دیر تک پیادہ ہی اس بہادری اور بے جگری کے ساتھ لڑتے رہے کہ کوفیوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ (ابن اثیر ۴: ۶۸، ۶۹ الطبری ۶: ۳۲)

خیموں میں آتشزدگی

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے خیموں کو اس ترتیب کے ساتھ لگا کر باندھا تھا کہ کوفی ایک رخ کے سوا کسی اور طرف سے حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ ابن سعد نے اس خیال کے تحت کہ ہر طرف سے حملہ کیا جا سکے حکم دیا کہ خیمے اکھاڑ دیئے جائیں۔ کوفی جب خیمے اکھاڑنے کے لئے آگے بڑھے تو امام عالی مقام کے چند جاں نثار خیموں کے اندر آ گئے اور خیموں کی طرف آنے والوں، اکھاڑنے والوں اور لوٹ مار کرنے والوں کو تلواروں اور تیروں سے ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ ابن سعد نے جب اپنے سپاہیوں کی ہلاکت اور ناکامی دیکھی تو حکم دیا کہ خیموں کو جلا دیا جائے۔ چنانچہ خیمون کو آگ لگا دی

گئی اور وہ جلنے لگے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو فرمایا کہ ان کو خیمے جلانے دو تب بھی وہ چاروں طرف سے حملہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ پہلے خیمے حائل تھے اب آگ حائل ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یزیدی لشکر آگ کے حائل ہونے کی وجہ سے پشت کی طرف سے حملہ نہ کر سکا۔

شمر لعین نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں، جو کہ دوسرے خیموں سے ذرا الگ تھا اور جس میں خواتین اور بچے تھے، نیزہ مارا اور ساتھیوں سے کہا کہ اس خیمے کو آگ لگا دو اور جو اس خیمے میں موجود ہیں ان کو بھی جلا دو۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا تو پکار کر کہا او ذی الجوشن کے بیٹے! تو میرے اہل بیت کو آگ میں جلانا چاہتا ہے۔ خدا تجھے جہنم کی آگ میں جلائے۔ شمر کے ساتھیوں میں سے حمید بن مسلم نے شمر کو روکا اور غیرت دلائی کہ تیرے جیسے بہادروں کا عورتوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا نہایت شرمناک ہے۔ خدا کی قسم! تمہارا مردوں کو قتل کر دینا بھی تمہارے امیر کو خوش کر دینے کے لئے کافی ہے۔ مگر شمر نہ مانا۔ پھر شیث بن ربعی نے روکا تو وہ اپنے ارادے سے باز آیا۔ (ابن اثیر ۴: ٦٩)

حضرت علی اکبر کی شہادت

جب اہل بیت نبوت کے افراد کے علاوہ باقی افراد ایک ایک کر کے شہادت کا جام نوش کر گئے تو بنی ہاشم اور خاندان نبوت میں سے سب سے پہلے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے علی الاکبر رضی اللہ عنہ جو کہ اٹھارہ سال کے نوجوان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے میدان جنگ میں آئے۔ آپ نے یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمن پر حملہ کر دیا۔

انا علی بن الحسین بن علی
نحن وبیت اللہ اولی بالنبی
تاللہ لا یحکم فینا ابن الدعی
کیف ترون الیوم ستری عن ابی

"میں علی بن حسین بن علی ہوں بیت اللہ کی قسم! ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب

سے زیادہ قرابت دار ہیں۔ خدا کی قسم! حرامزادے کا بیٹا (ابن زیاد) ہم پر حکومت نہ کر سکے گا۔ تم دیکھو گے کہ آج میں اپنے باپ کا کیسے دفاع کرتا ہوں۔"

(البدایہ والنہایہ' ۸:۱۸۵)

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے یزیدی سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ اپنے جوان بیٹے' شباب کے پیکر کامل اور حسن کے ماہ تمام کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ وہ داد شجاعت دے رہا ہو۔ لیکن میدان کربلا کی گرد نے ان کو چھپا لیا تھا۔ کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہے اور کیا بیت رہی ہے۔ بس اتنا اندازہ ہوتا تھا کہ جس سمت یزیدی لشکر بھیڑوں کی طرح بھاگتا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت نبوت سمجھ لیتے کہ حسینؓ کا لاڈلا بیٹا اسی سمت جا رہا ہے۔ حضرت علی حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا پوتا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نواسہ دیر تک یزیدیوں کو واصل جہنم کرتا رہا۔ اگرچہ جسم پر بیسیوں زخم لگے مگر لڑائی سے ہاتھ نہ روکا۔ لڑتے لڑتے جب پیاس کی شدت نے نڈھال کر دیا تو پانی کا ایک گھونٹ بھر کر دوبارہ تازہ دم ہونے کے لئے آئے اور عرض کیا "ابا جان! اگر پانی کا ایک گھونٹ مل جائے تو پھر تازہ دم ہو کر حملہ کروں" حضرت امام عالی مقامؓ نے فرمایا۔ "بیٹا علی! پانی تو میسر نہیں ہے لیکن میں اپنی سوکھی ہوئی زبان تیرے منہ میں ڈال سکتا ہوں۔" حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سوکھی ہوئی زبان چوسی اور پھر سے میدان میں جا پہنچے۔ دیر تک لڑنے کے بعد بے شمار زخم کھا کر آخر زمین پر گر پڑے۔ ایک نیزہ آپ کے سینہ اقدس میں پیوست ہو گیا تھا۔ حضرت علی الاکبر رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کی زین سے گرتے ہوئے آواز دی **یا ابتاہ ادرکنی** (ابا جان مجھے سنبھالئے) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بے ساختہ دوڑ پڑے' اپنے بیٹے کے پاس پہنچے تو عجیب انداز سے باپ کو تکتے ہوئے عرض کیا "ابا جان! اگر آپ نیزے کا یہ پھل جسم سے نکال دیں تو میں ایک بار پھر میدان میں جانے کو تیار ہوں۔ آپ کا بیٹا کثرت سے زخم خوردہ ہونے کے باوجود ہمت ہارنے والا نہیں تھا۔" حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے جوان بیٹے' حسن و جمال کے ماہ تمام اور پیکر رعنائی و زیبائی کو اپنی گود میں لے لیا۔ دیکھا تو نازوں پلا بیٹا سر سے پاؤں

تک زخموں سے چور ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ہمت کر کے نیزے کا پھل حضرت علی الاکبرؓ کے جسم سے نکالا تو خون کا فوارہ ابل پڑا اور لاڈلے بیٹے کی روح شفیق باپ کے سامنے قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اس واقعہ کے وقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عمر شریف چھپن برس' پانچ ماہ اور پانچ دن تھی اور اس وقت تک آپ کے سر اور ریش مبارک کا ایک بال بھی سفید نہ تھا۔ اپنے ہاتھوں جوان بیٹے کی روح کو قفس عنصری سے پرواز کرتے دیکھنا اس قدر الم ناک ثابت ہوا کہ میدان جنگ سے خیموں تک لاش اٹھالانے کے مختصر وقفہ میں آپ کے سر اور ریش مبارک کے بال سفید ہو چکے تھے۔

حضرت قاسم بن حسنؓ کی شہادت

اہل بیت نبوت کے شہید افراد میں سے ایک حضرت قاسم بن حسن رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ آپ حضرت امام حسن مجتبیٰؓ کے بیٹے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بھتیجے اور ہونے والے داماد تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی لخت جگر حضرت سکینہؓ کا مستقبل وابستہ تھا۔ جب اہل بیت نبوت کے افراد یکے بعد دیگرے شہید ہونا شروع ہو گئے تو حضرت قاسم بن حسن رضی اللہ عنہ نے بھی میدان جنگ میں جانے کے لئے اپنے چچا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی اور عرض کیا کہ چچا جان! مجھے بھی اجازت مرحمت ہو۔ میں بھی راہ حق میں سر کٹانے کے لیے بیتاب ہوں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بیٹے! میں تمہیں کس دل سے اجازت دوں؟ تم تو میرے بھائی حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی نشانی اور یادگار ہو" مگر حضرت قاسمؓ نے اصرار کرتے ہوئے کہا کہ چچا جان! خدا کے لئے مجھے ان دشمنوں سے لڑنے کی اجازت دیجئے اور اپنے اوپر نثار ہونے کی سعادت سے محروم نہ کیجئے۔" چنانچہ امام عالی مقامؓ اپنے اشک بار آنکھوں سے اپنے بھتیجے کو سینے سے لگا کر رخصت کر دیا۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ میں خوب شجاعت حیدری کا مظاہرہ کیا اور بے شمار یزیدیوں کو واصل جہنم کیا۔ حمید بن مسلم جو کہ ابن سعد کی فوج میں تھا' حضرت قاسمؓ کے میدان جنگ میں آنے کی منظر کشی یوں کرتا ہے کہ اچانک میدان جنگ

میں ایک ایسا خوبصورت لڑکا نکلا کہ اس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ یہ لڑکا قمیص' ازار اور جوتے پہنے اور ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے تھا۔ اس کے ایک جوتے غالباً بائیں' کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا۔ یہ لڑکا شیر کی مانند بھرا ہوا آیا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ عمر بن سعد ازدی نے اس کے سر پر تلوار مار دی۔ وہ نوجوان چلایا "**یاعماہ**" (ہائے چچا جان) اور زمین پر گر پڑا' آواز سنتے ہی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھرے ہوئے شیر کی طرح عمر بن سعد ازدی پر جھپٹے اور تلوار سے وار کیا۔ عمر بن سعد نے وار کو بازو پر روکا تو اس کا بازو کہنی سے کٹ کر گر پڑا۔ اس پر وہ چیختا چلاتا فرار ہوا۔ اہل کوفہ کے رسالہ کے جوان اسے بچانے کے لئے دوڑے لیکن عمر بن سعد گھوڑوں کی زد میں آگیا اور سموں تلے روندا گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب غبار چھٹ گیا تو میں نے دیکھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ لڑکے کے سرہانے کھڑے ہیں اور لڑکا ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس قوم نے تجھے قتل کیا ہے اس کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے۔ قیامت کے دن وہ تیرے جد امجد کو تیرے قتل کا کیا جواب دیں گے؟ تیرے چچا کے لئے یہ تکلیف دہ امر ہے کہ تو پکارے اور وہ جواب نہ دے یا وہ جواب دے تو اس سے تجھے کوئی فائدہ نہ ہو۔ خدا کی قسم! تیرے چچا کے مخالف زیادہ ہو گئے ہیں اور معاون کم۔

اس کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے سینے سے سینہ لگا کر اس شہید نوجوان کو اٹھا لیا اور اپنے بیٹے حضرت علی الاکبرؓ اور دوسرے شہداء کے پاس لے جا کر لٹا دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ جب امام عالی مقامؓ حضرت قاسمؓ کو اٹھا کر لے جا رہے تھے تو ان کے پاؤں زمین سے رگڑ رہے تھے اور مجھے اب بھی ان کے پاؤں زمین پر گھسٹتے ہوئے نظر آتے ہیں میں نے اس لڑکے کے بارے میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ قاسمؓ بن حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب ہیں۔ (البدایہ والنہایہ' ۸:۱۸۶)

اب تک حضرت علی اکبرؓ حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل' حضرت عبداللہ بن جعفر کے دو بیٹے عون اور محمد' حضرت عقیل بن ابی طالب کے دو بیٹے عبدالرحمٰن اور

جعفر اور قاسم بن حسنؓ یکے بعد دیگر شہید ہو چکے تھے۔

حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ کی شہادت

خاندان نبوت کے افراد یکے بعد دیگرے شہادت کے جام پی رہے تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے رب کی رضا پر شاکر اپنے خیمے کے دروازے پر بیٹھے تھے۔ اسی دوران آپ کا سب سے چھوٹا بیٹا جس کا نام عبداللہ علی اصغر رضی اللہ عنہ تھا۔ آپ کے پاس لایا گیا آپ نے اسے گود میں لے لیا اور اسے چومتے اور پیار کرتے رہے۔ پھر آپ اپنے اہل و عیال کو وصیتیں کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثنا میں بنی اسد کے ایک شخص نے جسے ابن موقد النار کہتے تھے' ایک تیر چلایا اور ننھے علی اصغر کو امام عالی مقامؓ کی گود میں ہلاک کر دیا۔ آپ نے بچے کے خون کا ایک چلو لیا اور آسمان کی طرف اچھال کر فریاد کی اے میرے رب! اگر تو نے آسمان سے ہماری فتح و نصرت اور اعانت کو روک دیا ہے تو وہی کر جو تیری مصلحت ہو اور ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے۔

(البدایہ والنھایہ' ۸:۱۸۶)

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت علی اصغرؓ جن کا اصلی نام عبداللہ تھا کی ولادت میدان کربلا میں ہوئی۔ ولادت کے بعد انہیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ آپؓ نے بچے کو گود میں لیا اور اس کے کان میں اذان دے رہے تھے کہ اچانک ایک تیر آیا اور بچے کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ بچے کی روح اسی وقت پرواز کر گئی۔ آپؓ نے تیر اس کے حلق سے کھینچ کر نکالا۔ خون سے چلو بھرا اور اس کے جسم پر مل کر فرمانے لگے "واللہ! تو خدا کی نظر میں حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی سے زیادہ عزیز ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی نظر میں حضرت صالح علیہ السلام سے زیادہ افضل ہیں۔ الٰہی! اگر تو نے ہم سے اپنی نصرت روک لی ہے تو وہی کر جس میں بہتری ہے۔" (الطبری' ۶:۳۳)

بعض دیگر راویوں کا کہنا ہے کہ اس وقت حضرت علی اصغرؓ کی عمر چھ ماہ تھی۔ وہ پیاس سے تڑپ رہے تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ انہیں اٹھا کر لے گئے اور لشکر یزید سے ان کے لئے پانی مانگا لیکن پانی کی بجائے تیر آیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی غیرت و حمیت اس روایت پر یقین کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ کیونکہ وہ حسین رضی اللہ عنہ جو اسلام اور اہل بیت کی غیرت و حمیت کی خاطر سب کچھ لٹا رہے تھے وہ اپنے بچے کیلئے یزیدی بدبختوں سے پانی کی بھیک کس طرح مانگ سکتے تھے؟ اگر آپ کو پانی طلب کرنا ہی تھا تو یزیدیوں سے مانگنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ اگر آپ چاہتے تو دریائے فرات کو اشارہ کرتے تو وہ آپ کے قدموں میں بہنے لگتا۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے تو بارش سے لدے بادل اُمڈ آتے اور موسلا دھار بارش ہوتی۔ اگر حضرت ابراھیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی رگڑنے سے زم زم کا چشمہ نکل سکتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے بیٹے حسین بن علیؓ کی ضرب اور ایڑی مارنے سے کربلا کے میدان میں چشمہ کیوں نہیں پھوٹ سکتا۔ اگر وہ زمین پر اس ارادے سے پاؤں مارتے تو ایک چشمہ کیا' ریگزار کربلا میں ہزاروں چشمے پھوٹ پڑتے۔ لیکن یہ میدان امتحان و آزمائش تھا۔ آپ تو ان مصائب و آلام میں صبر کر کے اپنے مولا کو راضی کر رہے تھے۔ آپ چشم تصور سے دیکھ رہے تھے میرے نانا علیہ الصلوٰۃ والسلام جنہوں نے مجھے اپنے کندھوں پر سوار کرایا تھا' میری والدہ حضرت فاطمہ الزہراؓ جنہوں نے مجھے اپنی چھاتی کا دودھ پلایا تھا اور میرے والد گرامی حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ جن کا خون میرے رگ و ریشے میں گردش کر رہا ہے یہ سب مجھے دیکھ رہے ہیں۔ آج اس مقام صبر و استقامت پر کہیں میرے قدم لڑکھڑاتے تو نہیں۔ چنانچہ آپ اس کڑی آزمائش میں صبر و رضا کا پیکر اتم بن کر عزم و ہمت کے ساتھ مسکراتے رہے۔

پھر اس معرکہ حق و باطل اور مبارزت خیر و شر میں آپ کے دیگر بھائیوں حضرت ابو بکر' حضرت عبداللہ' حضرت عباس' حضرت عثمان' حضرت جعفر اور حضرت محمد رضوان اللہ علیھم اجمعین کو بھی شہید کر دیا گیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

اہل بیت نبوت کے افراد جب ایک ایک کر کے شہادت پا گئے تو آخر میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے میدان میں آنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت زین العابدینؓ جو

اس وقت بیمار تھے' امام عالی مقام کے پاس آئے اور عرض کیا "ابا جان! مجھ پر ایسی زیادتی تو نہ کیجئے میرے ہوتے ہوئے آپ میدان میں جائیں یہ مجھے گوارا نہیں میں بھی اپنے باقی بھائیوں کی طرح اپنے نانا جان کا دیدار کرنا چاہتا ہوں۔ میں بھی اپنی دادی جان کی بارگاہ میں سرخرو ہونا چاہتا ہوں۔ اب شہادت کا جام پینے کی میری باری ہے" آپ نے فرمایا "بیٹے تو میدان جنگ میں نہیں جائے گا کہ خانوادۂ رسول ﷺ کا ہر چراغ گل ہو چکا ہے' ہر پھول مرجھا چکا ہے۔ اب میری نسل میں فقط تو ہی باقی رہ گیا ہے۔ مجھے تو شہید ہونا ہی ہے اگر تو بھی شہید ہو گیا تو میرے نانا کی نسل کیسے چلے گی؟ تجھے اپنے نانا کی نسل کی بقاء کیلئے زندہ رہنا ہے۔"

چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ امام زین العابدین کو چھوڑ کر خود میدان کربلا میں اترے مقابلے میں آپ دیر تک یزیدیوں کو واصل جہنم کرتے رہے۔ پورے یزیدی لشکر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا یہ بیٹا تلوار لے کر جس طرف نکل جاتا یزیدی لشکر خوف زدہ بھیڑوں کی طرح آگے بھاگنے لگتا۔ آپ اپنی شمشیر تشنہ لب کی پیاس بے وفا اور موقع پرست کوفیوں کے خون سے بجھاتے رہے اور خود تلواروں اور نیزوں کے وار سہتے رہے۔

اس معرکہ کے دوران آپ کو بہت پیاس لگی۔ آپ نے پانی کے لئے دریائے فرات کا رخ کر لیا مگر دشمن سخت مزاحمت کرنے لگا۔ اچانک ایک تیر آیا اور آ کے چہرہ کو زخمی کر دیا۔ آپ نے تیر کھینچ نکالا۔ پھر ہاتھ چہرے کی طرف اٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے۔ آپ نے اپنا خون آسمان کی طرف اچھال دیا اور خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا "الٰہی! میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ دیکھ تیرے رسول ﷺ کے نواسے کے ساتھ کیا برتاؤ ہو رہا ہے۔" (الطبری' ۶: ۳۴۴)

اس کے بعد شمر بن ذی الجوشن کوفہ کے تقریباً دس آدمیوں کو ساتھ لے کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خیمے کی طرف بڑھا۔ جہاں آپ کے اہل و عیال اور مال و اسباب تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ اور قافلہ کی طرف آنے لگے تو شمر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آپ کے اور آپ کے قافلہ کے درمیان حائل ہو گیا۔ اس پر

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا "افسوس ہے تم پر! اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے اور تم قیامت کے دن سے نہیں ڈرتے تو کم از کم دنیا کے ذی حسب اور شریف انسان تو بنو۔ اپنے اوباشوں اور جاہلوں کو میرے اہل و عیال اور مال و اسباب سے دور رکھو۔" شمر نے جواب دیا کہ اے فاطمہؓ کے بیٹے! تیرا یہ مطالبہ منظور ہے۔

(البدایہ والنہایہ ' ۸:۱۸۷)

عبداللہ بن عمار سے مروی ہے کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا محاصرہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ میمنہ پر حملہ آور ہوئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حملہ سے تمام سپاہی ڈر کے مارے بھاگ گئے۔ خدا کی قسم! میں حسین رضی اللہ عنہ سے پہلے اور حسین رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو کثیر دشمنوں میں اس حالت میں گھرا ہوا ہو کہ اس کی اولاد اور ساتھی قتل ہو گئے ہوں مگر پھر بھی وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرح شجاع ' دلیر اور مطمئن ہو۔ (البدایہ والنہایہ ' ۸:۱۸۸)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ دن کا طویل حصہ میدان میں کھڑے رہے اگر لوگ چاہتے تو فوراً آپ کو قتل کر دیتے لیکن ہر شخص دوسرے پر ٹالتا رہا کیونکہ حسین رضی اللہ عنہ کا گناہ کوئی بھی اپنے ذمہ نہ لینا چاہتا تھا۔ آخر شمر بن ذی الجوشن نے کہا "تمہارا برا ہو کیا انتظار کر رہے ہو؟ کام تمام کیوں نہیں کرتے؟ اب ہر طرف سے نرغہ ہوا آپ نے پکار کر کہا "کیا میرے قتل پر ایک دوسرے کو ابھارتے ہو؟ واللہ! میرے بعد کسی بندے کے قتل پر خدا تعالیٰ اتنا ناخوش نہیں ہو گا جتنا میرے قتل پر ناخوش ہو گا۔

(ابن اثیر ' ۴:۷۸)

شمر لعین کے اکسانے پر یزیدی لشکر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آگے بڑھ کر آپ کے بائیں کندھے پر تلوار ماری جس سے آپ لڑکھڑا گئے اس پر سب حملہ آور پیچھے ہٹ گئے پھر سنان بن ابی عمرو بن انس نخعی نے آگے بڑھ کر آپ کو نیزہ مارا جس سے آپ گھائل ہو کر گر پڑے سنان نے سواری سے اتر کر آپ کو ذبح کر دیا اور سر تن سے جدا کر کے خولی بن یزید کے حوالے کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ ' ۸:۱۸۸)

بعض روایات کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والا شمر بن الجوش تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کو بنی مذحج کے ایک آدمی نے شہید کیا۔

(البدایہ والنھایہ ۸:۱۸۸) **واللہ اعلم بالصواب**

یزیدی لشکر کے بد بختوں نے آپ کے جسم مبارک کے تمام کپڑے اتار لیے آپ کا جبہ جو کہ خزم عصری کا تھا وہ قیس بن محمد اشعث نے تن بے سر سے اتار لیا، بحر بن کعب نے پائجامہ لیا، اسود بن خالد نے نعلین اتار لیں، عمرو بن یزید نے امامہ مبارک لے لیا، یزید بن شبل نے چادر لے لی، سنان بن انس نخعی نے زرہ اور انگوٹھی آتارلی، بنی نہش کے ایک شخص نے تلوار لے لی جو بعد میں حبیب بن بدیل کے خاندان میں آگئی۔

اسقدر ظلم و ستم ڈھانے کے بعد بھی یزیدیوں کا جذبہ بغض و عناد ختم نہ ہوا۔ انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جسم اطہر کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر کے ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ اس سفاکی کے بعد بد بختوں نے اہل بیت نبوت کے خیموں میں داخل ہو کر اہل بیت کا سارا سامان لوٹ لیا۔ (الطبری ۶:۲۲۳)

جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو آپ کے بدن مبارک پر نیزے کے تینتیس اور تلوار کے چونتیس زخم تھے۔ شمر نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو جو کہ ابھی چھوٹے لڑکے تھے۔ (آپ کی عمر گیارہ یا تیرہ سال تھی) اور مریض تھے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو حمید بن مسلم نے جو شمر کے ساتھیوں میں سے تھا اسے روک دیا۔ پھر عمر بن سعد خیموں میں آگیا اور اس نے کہا کہ خبردار! کوئی ان عورتوں کے قریب نہ جائے اور نہ کوئی اس لڑکے کو قتل کرے اور جس نے ان کے مال میں سے کوئی چیز لی ہو واپس کر دے راوی کا قول ہے کہ خدا کی قسم! کسی نے بھی کوئی چیز واپس نہ کی۔

(البدایہ والنھایہ ۸:۱۸۸)

اسی دوران سنان بن انس، ابن سعد کے خیمے کے دروازے پر آیا اور بلند آواز کے ساتھ یہ اشعار پڑھے

اوقر رکابی فضۃ و ذھبا

انا قتلت الملک المحجبا

قتلت خیر الناس اما وابا
وخیرھم اذ ینسبون نسبا

"میرے سواروں کو سونے اور چاندی سے مالامال کردے۔ میں نے ایک بے تاج بادشاہ کو قتل کیا ہے۔

میں نے اسے قتل کیا ہے جس کے ماں باپ سب سے افضل ہیں اور وہ اپنے نسب میں تمام بلندنسب والوں سے بلند ہے۔"

ابن سعد نے کہا کہ اسے اندر لے آؤ۔ جب وہ اندر آگیا تو ابن سعد نے اسے کوڑے سے مارا اور کہا "افسوس ہے تجھ پر! کیا تو دیوانہ ہے؟ اگر تیرے یہ شعر ابن زیاد سنتا تو تجھے قتل کر دیتا۔ (البدایہ والنھایہ ‘۸:۱۸۹)

خاندان نبوت کے مقتولین

میدان کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں بہتر آدمی شہید ہوئے جنہیں اہل غاضریہ میں سے بنی اسد کے لوگوں نے دوسرے روز دفن کر دیا۔

خاندان نبوت میں سے جو افراد شہید ہوئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے بھائیوں میں سے حضرت جعفر‘ حضرت عباس‘ حضرت محمد‘ حضرت عثمان اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنھم۔

اولاد حسینؓ میں سے حضرت علی الاکبر اور حضرت عبداللہ (حضرت علی الاصغر) رضی اللہ عنھما

اولاد حسنؓ میں سے حضرت عبداللہؓ‘ حضرت قاسمؓ اور حضرت ابوبکرؓ

حضرت عبداللہ جعفر کی اولاد میں سے حضرت عون اور حضرت محمدؓ

اولاد عقیلؓ میں سے حضرت جعفر‘ حضرت عبداللہؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ جبکہ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اس سے پہلے کوفہ میں شہید ہو چکے تھے۔ یہ چاروں آپ کے صلبی بیٹے تھے جبکہ ان کے علاوہ عقیلؓ کی اولاد میں سے عبداللہ بن مسلم بن عقیلؓ اور محمد بن ابی سعید بن عقیلؓ بھی شہید ہوئے۔

(البدایہ والنھایہ ‘۸:۱۸۹)

کربلا کے اس تپتے ریگزار میں آقائے دو جہاں ﷺ کے اہل بیت پر جور و جفا اور ظلم و ستم کی انتہا کی گئی اس پر زمین و آسمان نے خون کے آنسو بہائے اور کائنات پر تاریکی چھا گئی۔ اس الم ناک واقعہ سے خود حضور اکرم ﷺ کی روح مبارکہ کو جو تکلیف پہنچی ہو گی اس کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ اس ضمن میں ایک دو واقعات رقم کئے جاتے ہیں۔

حضرت عباسؓ کو اذیت سے حضور ﷺ کی پریشانی

حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے سگے چچا تھے۔ چونکہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک تھے اور اہل مکہ کی طرف سے لڑنے کے لئے آئے تھے اس لئے اہل مکہ کی شکست اور مسلمانوں کی نمایاں فتح کے بعد جنگی قیدی کی حیثیت سے مدینہ طیبہ لائے گئے۔ دوسرے قیدیوں کی طرح آپ کو بھی رسیوں سے جکڑ دیا گیا۔ آپ رسیوں کی اذیت سے ساری رات کراہتے رہے۔ چونکہ آپ ناز و نعم میں پلے ہوئے تھے اس لئے قید و بند کی صعوبتیں آپ کے لئے انتہائی تکلیف کا سبب بن رہی تھیں۔ صبح کے وقت حضور اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا کہ چچا عباس کی تکلیف اور اذیت کے خیال سے ہمیں رات بھر نیند نہیں آئی۔ جب وہ کراہتے تھے تو ہمیں بے حد صدمہ پہنچتا تھا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس وقت حضرت عباسؓ کافر تھے۔ ابھی تک انہوں نے اسلام کی روشنی سے اپنے کاشانۂ دل کو منور نہیں کیا تھا۔ آپ کفر کی تائید و حمایت میں اسلام کے خلاف جنگ کے لئے آئے تھے اور جنگی قیدی کی حیثیت سے گرفتار ہوئے۔ اس کے باوجود حضور ﷺ نے ان کو اذیت کے خیال سے تکلیف محسوس کی اور ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی۔ محض اس لئے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نسبتی لحاظ سے آپ کے رشتہ دار یعنی سگے چچا تھے۔ چنانچہ آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ مناسب سمجھو تو فدیہ لے کر انہیں آزاد کر دو۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کو تنبیہہ

جنگ احد میں آقا ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔ آپؓ کا قاتل وحشی نام ایک غلام تھا جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لے آیا اور حضور اکرم ﷺ کے شرف صحابیت سے بہرہ ور ہوا۔ اسلام کی رو سے قبولیت اسلام سے پہلے کی جتنی بھی خطائیں گناہ اور لغزشیں ہوں وہ سب معاف ہو جاتی ہیں۔ اس ضابطہ کا اطلاق حسب دستور وحشی پر بھی ہوا اور اسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عم رسول ﷺ کے بے دردی و سفاکی سے قتل سے بری کر دیا گیا۔ تاہم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی آنحضرت ﷺ سے قرابت داری کا جو رشتہ تھا اور جس طرح انہوں نے آپ ﷺ کا ساتھ دیا تھا۔ اس وحشی کے ہاتھوں حضور ﷺ ان دو باتوں سے محروم ہو گئے تھے۔ اس بات کا آپ ﷺ کو آخر دم تک صدمہ رہا۔ چنانچہ آپ نے وحشی کو ہدایت فرما رکھی تھی کہ تو میرے سامنے آنے سے گریز کیا کر۔ کیونکہ میں جب بھی تجھے دیکھتا ہوں تو مجھے پیارے چچا کی شہادت کا منظر یاد آ جاتا ہے اور وہ دکھ درد کے زخم ہرے ہو جاتے ہیں۔

(صحیح البخاری' کتاب المغازی' باب قتل حمزۃ)

ان دو روایات سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے قرابت داروں کے دکھ کو اپنا دکھ جانتے' ان کے درد میں شریک ہوتے' ان کو اذیت پر آپ ﷺ کو بھی تکلیف ہوتی اور باوجود طویل وقت گزر جانے کے جب کبھی وہ خیال آ جاتا تو دکھ درد پھر تازہ ہو جاتا۔ پس اس کی روشنی میں جب ہم نواسۂ رسول ﷺ کو بے دردی کے ساتھ شہید کئے جانے کے واقعہ کو چشم تصور میں لاتے ہیں تو یہ خیال آتا ہے کہ وہ رسول ﷺ جو اپنے چچا عباسؓ کے حالت کفر میں ہوتے ہوئے بھی تکلیف سے کراہنے کو گوارا نہ کر سکے' وہ رسول ﷺ جو اپنے دوسرے چچا حمزہؓ کی بے دردی کے ساتھ شہادت کے الم ناک منظر کو کبھی نہ بھلا سکے' اس رسول پاک ﷺ کی تکلیف اور اذیت کا عالم کیا ہو گا جب دیار غیر میں بے بسی و بے کسی کے عالم میں جگر گوشہ بتولؓ'

راکب دوش رسول ﷺ نور چشم حیدر کرار"، تسکین خاطر حبیب ﷺ پروردگار سیدنا امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ پر کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں ظلم و ستم ڈھائے گئے ہوں گے۔

نبی اکرم ﷺ کو صدمہ اور اذیت پہنچانا کوئی معمولی جرم نہیں۔ جو کوئی یہ حرکت کرتا ہے اس کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّلَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا	بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں اللہ تعالی دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت فرماتا ہے اور اس نے ایسے لوگوں کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔
(الاحزاب '۳۳:۵۷)	

جب باری تعالی ایسے بدبخت کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب اور ذلت کو مقدر کر دیتا ہے جو رسول ﷺ کو زبانی کلامی یا کسی نوعیت کی معمولی سی اذیت بھی پہنچائے تو پھر ان بدبختوں کا انجام' عاقبت اور آخرت کیا ہو گی جنہوں نے نواسۂ رسول کو شہید کیا' خانوادۂ رسول کی توہین کی' شہداء اہل بیت کے جسموں پر گھوڑے دوڑائے اور ان کے سروں کو ان کے مبارک جسموں سے جدا کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت

کربلا کے الم ناک واقعہ پر حضور اکرم ﷺ کو جو اذیت اور تکلیف پہنچی اس کا اندازہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتا ہے:

رایت رسول اللہ ﷺ فیما یری النائم ذات یوم بنصف النھار اشعث اغبر بیدہ قارورۃ فیھا دم فقلت: بابی انت وامی ماھذا؟ قال	ایک روز دوپہر کے وقت خواب میں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کے بال مبارک بکھرے ہوئے گرد آلود ہیں۔ دست مبارک میں

هذا دم الحسین و اصحابہ ولم ازل التقطہ منذ الیوم
(تہذیب التہذیب' ۲:۳۵۵)

خون سے بھری ہوئی بوتل ہے۔ میں نے عرض کیا" میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ کیا ہے؟" آپ نے فرمایا " یہ حسین اور اس کے اصحاب کا خون ہے جسے میں آج صبح سے جمع کرتا رہا ہوں۔"

کتب حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ خواب سے بیدار ہوئے تو آپ کے زبان پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے الفاظ جاری تھے۔ لوگوں نے پوچھا "حضرت! کیا ہوا؟" فرمانے لگے "حسین ؓ ابن علی ؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔" لوگوں نے پوچھا کہ "حضرت آپ کو کیسے پتہ چلا؟" تو آپ نے فرمایا کہ "ابھی خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعزیتی کیفیت میں میرے سامنے تشریف لائے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں خون سے بھری ہوئی شیشی تھی۔ آپ فرما رہے تھے کہ اے عباس! میرے بیٹے حسین ؓ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ یہ اس کا اور اس کے رفقاء کا خون ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس تاریخ اور وقت کو یاد رکھا جب خبر آئی تو پتہ چلا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اسی وقت شہید کئے گئے تھے۔

حضرت ام سلمہ ؓ کی روایت

جس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اسی وقت ام المومنین حضرت ام سلمہ ؓ کو بھی خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت ام سلمہ ؓ کو ازواج مطہرات میں یہ منفرد اعزاز حاصل تھا کہ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مٹی عطا فرمائی تھی جو حضرت جرائیل امین نے انہیں ریگ زار کربلا سے اٹھا کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بچپن کے زمانے میں دے گئے تھے اور یہ عرض کر گئے تھے کہ حضور! یہ اس میدان کرب و بلا کی مٹی ہے جس میں آپ کی امت کے کچھ بد بخت حسین ؓ بن علی ؓ کو آپ کے بعد شہید کر دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ ؓ کو مٹی عنایت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے ام سلمہ!

اذا تحولت ھذہ التربۃ دما فاعلمی ان ابنی قد قتل (الخصائص الکبریٰ، ۲: ۱۲۵) تہذیب التہذیب، ۲: ۳۴۷)

جب یہ مٹی خون میں بدل جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا حسین شہید ہو گیا ہے۔

حضرت سلمیٰؓ سے مروی ہے کہ میں اپنی والدہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے ملنے کے لئے گئی تو دیکھا کہ آپ زاروقطار رو رہی ہیں۔ آپ پر دکھ اور درد و الم کی ایک ناقابل بیان کیفیت طاری ہے۔ میں نے عرض کیا "ام المومنین! رونے کا کیا سبب ہے؟" آپ فرمانے لگیں کہ ابھی خواب میں رسول پاک ﷺ اس حالت میں تشریف لائے تھے کہ:

علی رأسہ و لحیتہ تراب قلت مالک یارسول اللہ قال شھدت قتل الحسین انفا (مستدرک، ۴: ۱۹ البدایہ والنہایہ، ۸: ۲۰۰ تہذیب التہذیب، ۲: ۳۵۶)

آپ ﷺ کے سر انور اور ریش مبارک پر مٹی تھی۔ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ یہ سب کیا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "میں ابھی ابھی قتل حسینؓ دیکھ کر آیا ہوں۔"

قافلہ حسین کے بقیہ افراد کی کوفہ روانگی

سانحہ کربلا کے وقوع سے اگلی صبح عمر بن سعد نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بقیہ خاندان اور عورتوں کو ہودجوں میں سوار کر کے کوفے بھیج دیا۔ یہ قافلہ جب میدان کارزار سے گزرا اور انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کی بے گور و کفن لاشیں دیکھیں تو ان کی چیخیں نکل گئیں۔ ان کے رونے میں اتنا درد تھا کہ کلیجے پھٹے جا رہے تھے حضرت زینبؓ نے انتہائی درد و کرب کے ساتھ روتے ہوئے کہا:

"اے اللہ کے رسول آپ کی دہائی ہے، دہائی ہے دیکھئے یہ حسین رضی اللہ عنہ چٹیل میدان میں خون سے لتھڑے ہوئے، اعضاء بریدہ پڑے ہیں۔ اے رسول خدا!

ﷺ آپ کی دہائی ہے کہ آپکی بیٹیاں اسیر ہیں، آپ کی اولاد کے لاشے بے گور و کفن پڑے ہیں اور ہوائیں ان پر خاک اڑا رہی ہیں۔"

حضرت زینبؓ کی یہ دلدوز فریاد سن کر دوست دشمن سب رو پڑے
(البدایہ والنہایہ، ۸: ۱۹۳ طبری، ۶: ۳۴۳ ابن اثیر، ۴: ۸۱)

شہداء کی تدفین

جب یزیدی لشکر کربلا سے کچھ دور چلا گیا شہادت کے دوسرے یا تیسرے روز قبیلہ بنو اسد کے لوگ آئے جو دریائے فرات کے کنارے غاضریہ میں رہتے تھے، اور انہوں نے امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے تن بے سر کو ایک جگہ اور باقی شہداء کو دوسری جگہ دفن کیا۔ (طبری، ۶: ۳۴۳)

سرانور پر نور اور سفید پرندے

اہل بیت نبوت کے قافلے کے بقیہ افراد گیارہ محرم الحرام کو کوفہ پہنچے جب کہ شہداء کے سر پہلے ہی پہنچائے جا چکے تھے۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے سرانور کو ابن سعد نے خولی کے ہاتھ ابن زیاد کے پاس بھیجا تھا۔ جب خولی حضرت کا سر لے کر کوفہ پہنچا تو قصر امارت کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ سرانور کو لے کر اپنے گھر پہنچا اور ایک برتن کے نیچے ڈھانک کر رکھ دیا۔ پھر اپنی بیوی "نوار" کے پاس جا کر کہا کہ میں تیرے لئے زمانے بھر کی عزت لایا ہوں۔ اس نے پوچھا "وہ کیا ہے؟" خولی نے کہا "حسین کا سر لے کر آیا ہوں"۔ اس کی بیوی نے کہا "لوگ تو سونا اور چاندی لاتے ہیں اور تو رسول خدا کے نواسے کا سر لایا ہے۔ خدا کی قسم! میں آئندہ کبھی تیرے ساتھ شب باش نہ ہوں گی۔" یہ کہہ کر وہ بستر سے اٹھ گئی۔ اس پر خولی اپنی دوسری بیوی کو جو بنو اسد سے تھی، بلا لایا اور وہ اس کے ساتھ سوئی۔ (البدایہ والنہایہ، ۸: ۱۸۹)

نوار، خولی کے پاس سے اٹھ کر وہاں آ بیٹھی جہاں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سرانور رکھا تھا، وہ کہتی ہے:

فواللہ مازلت انظر الی نور یسطع خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ ایک نور

مثل العمود من السماء الی الاجانة ورایت طیرا بیضاء ترفرف حولها
(الطبری ۶: ۲۴۳ ابن اثیر ۴: ۸۰)

برابر آسمان سے اس برتن تک ستون کی مانند چمک رہا ہے اور میں نے سفید پرندے دیکھے جو برتن کے اردگرد منڈلا رہے تھے۔

جب صبح ہوئی تو خولی سرانور کو ابن زیاد کے پاس لے گیا۔

امام عالی مقام کا سرانور اور ابن زیاد

اگلے دن ابن زیاد کا دربار لگا اور لوگوں کے لئے اذن عام ہوا تو بھرے دربار میں اس کے سامنے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ایک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا۔ حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ مجھے عمر بن سعد نے فتح و نصرت کی خوشخبری اور اپنی عافیت کا پیغام دے کر اپنے اہل و عیال کے ساتھ کوفہ بھیجا۔ جب میں وہاں پہنچا تو ابن زیاد دربار لگائے ہوئے تھا اور ملاقاتیوں کا ایک وفد اس کے پاس بیٹھا تھا۔ میں بھی ان کی مجلس میں جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اس کے سامنے رکھا ہوا تھا وہ تھوڑی دیر اپنی چھڑی سے آپ کے سامنے کے دانتوں کو کریدتا رہا جس پر حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا اور وہ پکار اٹھے کہ چھڑی کو ان دانتوں پر سے دور ہٹاؤ قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ ان ہونٹوں کو چوم رہے تھے۔ یہ کہہ کر ابن ارقم رضی اللہ عنہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے۔ ابن زیاد نے کہا کہ خدا تجھے رلائے، اللہ کی قسم! اگر تو بوڑھا نہ ہوتا اور تیری عقل نہ ماری گئی ہوتی تو میں تجھے قتل کر دیتا۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر ابن ارقم رضی اللہ عنہ اٹھ کر چلے گئے۔ جب وہ چلے گئے تو لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم! زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جو بات کہی ہے اگر اسے ابن زیاد سن لیتا تو وہ ضرور انہیں قتل کر دیتا۔ حمید بن مسلم نے پوچھا "انہوں نے کیا کہا ہے" لوگوں نے کہا کہ وہ ہمارے قریب سے گزرتے وقت کہتے جا رہے تھے "ایک غلام غلاموں کا بادشاہ بن بیٹھا ہے اور حکومت کو اس نے اپنی جاگیر بنا لیا ہے۔ اے اہل عرب! آج کے بعد تم غلام ہو کہ تم نے ابن فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تو شہید کر دیا مگر ابن مرجانہ کو اپنا حاکم بنا لیا ہے۔ اب وہ تمہارے

بہترین لوگوں کو قتل کرے گا اور تم میں سے بروں کو اپنا غلام بنالے گا۔ پس جو اس ذلت و رسوائی کی زندگی پر راضی ہو اس کے مقدر میں محرومی ہے۔ (البدایہ والنھایہ' ۸:۱۹۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سرانور ایک طشت میں رکھ کر ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تو اس وقت میں اس کے پاس تھا وہ آپ کے حسن و جمال کی تعریف کر رہا تھا اور ساتھ ہی اپنے ہاتھ میں پکڑی ایک چھڑی سے آپ کی ناک کو چھیڑتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ تھے اور آپ نے وسمہ کا خضاب کیا ہوا تھا۔ (سنن الترمذی' باب مناقب الحسین)

ابن زیاد اور اسیران کربلا

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کے بعد اہل بیت نبوت کے بقیہ افراد کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ حضرت زینبؓ نے معمولی لباس پہنا ہوا تھا اور لونڈیوں کے جھرمٹ میں تھیں اس لئے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ جب انہیں ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے پوچھا "یہ کون ہے؟" حضرت زینبؓ کچھ نہ بولیں۔ اس پر ایک لونڈی نے کہا "یہ زینب بنت علیؓ ہیں۔" ابن زیاد بولا "اللہ کا شکر ہے جس نے تمہیں رسوا اور قتل کیا اور تمہارے دعوے کو جھوٹا کیا" حضرت زینبؓ نے فرمایا "بلکہ سب سے ہمیں عزت بخشی اور پاک و طاہر بنایا۔ بلاشبہ اللہ فاسق کو رسوا کرتا ہے اور فاجر کو جھٹلاتا ہے۔" ابن زیاد نے کہا "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے اہل بیت کے ساتھ کیا سلوک کیا؟" حضرت زینبؓ نے فرمایا "ان کے لئے شہادت مقدر ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ اپنی شہادت گاہ کی طرف خود نکل کر آگئے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اور تجھے ایک جگہ جمع کرے گا اس وقت وہ تیرے خلاف اپنا معاملہ اللہ کی عدالت میں پیش کریں گے" اس پر ابن زیاد بھڑک اٹھا اور کچھ کاروائی کرنے کا ارادہ کیا کہ عمرو بن حریث نے کہا کہ اللہ تعالی امیر کی بہتری کرے یہ تو ایک عورت ہے۔ کیا آپ ایک

عورت کی باتوں پر گرفت کریں گے؟ عورت کی باتوں پر مواخذہ نہیں کیا جاتا اور نہ اس کی نادانی پر اسے ملامت کی جاتی ہے (البدایہ والنھایہ' ۸: ۱۹۳)

جب ابن زیاد نے علی بن حسین (زین العابدین) رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ایک سپاہی سے کہا کہ اس لڑکے کو دیکھو! اگر بالغ ہو گیا ہو تو اسے لے جاؤ اور قتل کر دو۔ سپاہی نے حضرت زین العابدین کی بلوغت کی تصدیق کی تو ابن زیاد نے کہا اسے لے جاؤ اور قتل کر دو۔ اس پر علی ابن حسین رضی اللہ عنہ (زین العابدین) رضی اللہ عنہ نے ابن زیاد سے کہا کہ اگر تیرا ان عورتوں سے قرابت داری کا کوئی واسطہ ہے تو ان کے ساتھ کوئی محافظ بھیج دے جو ان کی حفاظت کرے۔ ابن زیاد نے ان سے کہا کہ تم ہی آجاؤ اور پھر حضرت زین العابدین ہی کو عورتوں کے ساتھ بھیج دیا۔ (البدایہ والنھایہ' ۸: ۱۹۱)

ابن عفیف کی شہادت

ابن زیاد کی طرف سے اعلان ہوا کہ تمام لوگ جامع مسجد میں جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو ابن زیاد منبر پر چڑھا اور اپنی فتح و کامرانی اور قتل حسین رضی اللہ عنہ کے ذکر کے بعد کہا کہ حسینؓ جماعت میں تفرقہ ڈال کر حکومت چھیننا چاہتے تھے۔ اس پر عبداللہ بن عفیف ازدی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے اور اپنی بینائی دونوں آنکھوں سے کھو چکے تھے' اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ افسوس ہے ابن زیاد! نبیوں کی اولاد کو قتل کرتے ہو اور صدیقوں جیسی باتیں کرتے ہو۔ ابن زیاد کے حکم سے انہیں قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا گیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو نصب کر کے ابن زیاد کے حکم سے کوفہ کے گلی کوچوں میں پھرایا گیا پھر زحر بن قیس کے ہاتھ معززین کے ایک وفد کی صورت میں یزید کے پاس ایک گھڑ سوار دستہ کی نگرانی میں شام بھیج دیا۔ (البدایہ والنھایہ' ۸: ۱۹۱)

اس کے بعد ابن زیاد نے بدبختوں کے ایک جماعت کے ساتھ دوسرے شہداء کے سروں اور اسیران اہل بیت کو یزید کے پاس اس حالت میں بھیجا کہ حضرت امام زین العابدینؓ کے ہاتھ' پاؤں اور گردن میں زنجیریں ڈال دی گئی تھیں جب کہ عورتوں کو اونٹوں کی ننگی پیٹھ پر بٹھایا گیا تھا۔ ابن زیاد نے اپنے سپاہیوں کو تاکید کر دی

تھی کہ وہ راستے میں سروں کو نیزوں پر چڑھا کر لوگوں کو بتاتے ہوئے جائیں کہ یزید کی مخالفت کرنے والے اس انجام سے دوچار ہوئے ہیں تاکہ لوگ ڈر کر مخالفت سے باز رہیں۔

امام عالی مقام کا سر مبارک لے جانے والے قافلہ کے راستہ میں ایک منزل پر ایک گرجا تھا۔ رات گزارنے کے لئے قافلہ نے وہاں قیام کیا اور بقول ابن کثیر وہ لوگ آپ کا سر مبارک پاس ہی رکھ کر شراب پینے لگے کہ اتنے میں پردہ غیب سے ایک آہنی قلم نمودار ہوا اور دیوار پر خون سے لکھا:

اترجو امۃ قتلت حسینا
شفاعۃ جدہ یوم الحساب

"کیا حسینؓ کو شہید کرنے والے یہ امید بھی لگائے بیٹھے ہیں کہ قیامت کے روز ان کے نانا ﷺ ان کی شفاعت کریں گے؟" (البدایہ والنہایہ ۸:۲۰۰)

بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ شعر پہلے سے دیوار پر لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے ابن عساکر سے روایت کیا ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت بلاد روم میں ایک غزوہ پر گئی تو انہوں نے ایک کنیسہ میں مذکور یہ شعر لکھا ہوا دیکھا۔ انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ شعر کس نے لکھا ہے تو لوگوں نے بتایا کہ یہ شعر تمہارے نبی ﷺ کی بعثت سے بھی تین سو سال پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۸:۲۰۰)

جس گرجے میں یہ قافلہ ٹھہرا ہوا تھا اس گرجے کے راہب نے جب شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر اور چند عورتوں کو حالت اسیری اور مظلومیت میں دیکھا تو اس کے دل پر بڑا اثر ہوا اس نے حالات دریافت کئے جب اس کو سب کچھ معلوم ہوا تو وہ سخت حیران ہوا اور کہنے لگا کہ تم لوگ بہت برے ہو کیا کوئی اپنے نبی کی اولاد کے ساتھ بھی ایسا سلوک کر سکتا ہے۔ جیسا تم نے کیا ہے؟۔ پھر اس راہب نے ان بدبختوں سے کہا کہ اگر تم ایک رات کے لئے اپنے نبی ﷺ کے نواسے کا سر میرے پاس رہنے دو اور مجھے ان عورتوں کی خدمت کا موقع دو تو میں تم کو دس ہزار دینار اس کے بدلے میں دوں گا۔ وہ ظالم سیم و زر کے غلام تھے اس لئے انہوں نے دس ہزار دینار کی خاطر ایک

رات راہب کے پاس پڑاؤ کرنا قبول کر لیا۔ راہب نے اپنے گھر کو خالی کر لیا۔ پردہ دار مقدس بیبیوں کو گھر کی چاردیواری میں ایک صاف ستھرا کمرہ رات گزارنے کے لئے پیش کیا اور اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے کہا کہ کسی چیز کی بھی ضرورت ہو تو مجھے بتاؤ۔ اگرچہ میں مسلمان نہیں ہوں لیکن میرے دل میں تمہارے خاندان کی بڑی عزت ہے۔ اس نے صبر کی تلقین بھی کی اور کہا کہ اللہ والوں کو اللہ کی راہ میں بڑی بڑی تکلیفیں اور مصیبتیں آتی ہیں انہوں نے صبر کیا تو اللہ تعالی نے انہیں صبر کا بہت اچھا بدلہ دیا۔ اب تمہارے لئے بھی سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ اہل بیت نبوت کی پاکباز عورتوں نے اس کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا اور دعائیں دیں۔

راہب نے گرجے کے خادم سے کہا کہ رات بھر ان مقدس عورتوں کی خدمت کرو کہ یہ مسلمانوں کے نبی ﷺ کی بیٹیاں ہیں۔ وہ خود امام عالی مقام کے سر انور کو ایک دھوئے ہوئے صاف اجلے طشت میں رکھ کر چہرہ مبارک مقدس زلفوں اور داڑھی مبارک کے بالوں کو جو غبار اور خون وغیرہ سے اٹے ہوئے تھے دھونے لگا۔ اس نے چہرہ مبارک دھو کر صاف کیا اور عطر کافور لگا کر معطر کیا پھر بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ ساری رات سرانور کے سامنے بیٹھا زاروقطار روتا رہا۔

ساری رات اس خدمت کے عوض خانوادۂ رسول ﷺ کی مقدس بیباں اس راہب کو دعائیں دیتی رہیں۔ سر حسین رضی اللہ عنہ بھی زبان حال سے اسے دعائیں دیتا رہا۔ یکایک اس راہب کی قسمت کا ستارہ چمکا اور اس کی آنکھوں سے حجابات اٹھ گئے اور وہ نور جو خولی کی بیوی نے عرش سے فرش تک پھیلا ہوا دیکھا تھا وہ راہب پر بھی منکشف ہو گیا اور اس نے دیکھا کہ ایک ہالۂ نور جو سر حسین کے گرد طواف کر رہا ہے۔ جب اس نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا اور سر اقدس کے رعب و جلال کا مشاہدہ کیا تو اس کے دل کی کیفیت ہی بدل گئی۔ اس کی محبت اور حسن عقیدت کا صلہ ملنے کے انتظامات ہو گئے۔ اس کی زبان پر بے ساختہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جاری ہو گیا۔ چونکہ اس نے دنیا کی دولت قربان کی تھی لہٰذا اللہ تعالی نے بدلے میں اسے ایمان کی دولت عطا فرمادی۔ چونکہ اس نے امام عالی مقام کے سرانور کا ادب و تعظیم کی تھی اور

ادب کرنے والے بدنصیب اور بے ایمان نہیں رہ سکتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو بانصیب اور باایمان بنا دیا۔ اس نے اہل بیت اطہار کی مقدس بیبیوں کی خدمت کر کے جو دعائیں حاصل کی تھیں وہ دعائیں رنگ لائیں اور اس کی تقدیر بدل گئی۔ اب اس کے لئے اہل بیت نبوت سے دور رہنا ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ جب اگلے دن یہ قافلہ روانہ ہوا تو وہ بھی مطیع و خادم بن کر ساتھ ہو لیا۔ (الصواعق المحرقہ)

یہاں ایک اور نہایت عبرت انگیز واقعہ رونما ہوا۔ یزیدی فوج کے بدبخت سپاہیوں نے امام عالی مقامؓ کے لشکر کے خیموں سے جو درہم و دینار لوٹے تھے اور جو دینار انہوں نے راہب سے لئے تھے ان کو تقسیم کرنے کے لئے جب انہوں نے تھیلیوں کے منہ کھولے تو کیا دیکھا کہ وہ سب درہم و دینار مٹی کی ٹھیکریاں بنے ہوئے تھے۔ ان کے ایک طرف یہ آیت مبارکہ لکھی ہوئی تھی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ (ابراہیم '۱۴:۴۲)

اور اے مخاطب! تو ہرگز یہ خیال مت کرنا کہ جو ظالم جو کچھ کرتے ہیں اللہ ان (کے اعمال) سے بے خبر ہے۔

جبکہ دوسری طرف یہ آیت مکتوب تھی۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ (الشعراء '۲۶:۲۲۷)

اور جن لوگوں نے ظلم ڈھایا ہے ان کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ انہیں کس کروٹ لوٹایا جائے گا۔

یزیدی فوج کے سپاہیوں کے پاس درہم و دینار کا ٹھیکریاں بن جانا ایک تنبیہہ تھی کہ بدبختو! تم نے اس فانی اور مادی دنیا کے لئے دین چھوڑا ہے اور آل رسول ﷺ پر ظلم و ستم کیا ہے' یاد رکھو! دین تو تم نے چھوڑ ہی دیا مگر جس فانی اور بے وفا دنیا کے لئے تم نے دین چھوڑا ہے وہ بھی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گی اور تم **خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ** کے مصداق بنو گے۔

سر حسینؓ دربار یزید میں

جب سر حسینؓ' دیگر شہداء کے سروں اور اسیران کربلا کے ہمراہ یزید کے

دربار میں پہنچا تو یزید نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس سلسلے میں مختلف روایات کتب تاریخ سے ملتی ہیں۔ اختصاراً ہم دو روایات یہاں نقل کرتے ہیں۔

پہلی روایت

ایک روایت کے مطابق جب شہداء کے سر اور اسیرانِ کربلا یزید کے پاس دمشق پہنچے تو یزید نے دربار لگایا اور عوام و خواص کو دربار میں آنے کی اجازت دی۔ لوگ اندر داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت امام حسینؓ کا سر انور یزید کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ یزید کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کو وہ آپؓ کے دندان مبارک پر مارتا تھا اور کہتا تھا کہ اب تو ان کی اور ہماری مثال ایسی ہے جیسا کہ حصین ابن الحمام نے کہا ہے:

ابی قومنا ان ینصفونا فانصفت
قواصب فی ایماننا تقطر الدما
یفلقن هاما من رجال اعز ة
علینا و هم کانوا اعق و اظلما

"ہماری قوم نے انصاف کرنے سے انکار کر دیا تھا پس ان تلواروں نے انصاف کر دیا جو ہمارے دائیں ہاتھ میں تھیں۔ جن سے خون ٹپکتا ہے۔ انہوں نے ایسے لوگوں کی کھوپڑیاں توڑیں جو ہم پر غالب تھے اور وہ نہایت نافرمان اور ظالم تھے۔"

حضرت ابو برزہ اسلمیؓ نے جب دیکھا کہ یزید حضرت امام حسینؓ کے دندان مبارک پر چھڑی مار رہا ہے تو وہ یہ بے ادبی برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے یزید سے کہا اے یزید! تو اپنی چھڑی حضرت حسینؓ کے دانتوں پر مار رہا ہے؟ (اس گستاخی سے باز آ) میں نے بارہا نبی کریم ﷺ کو ان ہونٹوں کو چومتے ہوئے دیکھا ہے۔ بے شک اے یزید! کل قیامت کے دن جب تو آئے گا تو تیرا شفیع ابن زیاد ہو گا اور یہ حسینؓ آئیں گے تو ان کے شفیع حضرت محمد ﷺ ہوں گے۔

یہ کہہ کر حضرت ابو برزہؓ وہاں سے چلے گئے۔ (البدایہ والنہایہ ۸: ۱۹۲)

دوسری روایت

دوسری روایت کے مطابق جب حضرت امام حسینؓ کا سرانور یزید کے پاس لا کر اس کے آگے رکھا گیا تو اس نے تمثیلاً یہ اشعار پڑھے۔

لیت اشیاخی ببدر شھدوا
جزع الخزرج فی وقع الاسل
قد قتلنا الضعف من اشرافکم
و عدلنا میل بدر فاعتدل

"اے کاش! بدر میں قتل ہونے والے میرے اشیاخ بنو خزرج کا نیزوں کی ضربوں سے چیخنا چلانا دیکھتے۔ ہم نے تمہارے دوگنا اشراف کو قتل کر دیا ہے اور یوم بدر کے میزان کے جھکاؤ کو برابر کر دیا ہے۔" (البدایہ والنہایہ' ۸: ۱۹۲)

یزید جو برملا نواسۂ رسول ﷺ کے لبان اقدس پر چھڑی مار کر کہہ رہا تھا کہ اگر آج میرے وہ بزرگ زندہ ہوتے جو غزوۂ بدر میں مارے گئے تھے تو میں انہیں بتاتا کہ تمہارے قتل کا بدلہ میں نے حسینؓ کی شہادت کی صورت میں نبی کریم ﷺ کے خاندان سے لے لیا ہے۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ اس کھلے اعلان کے بعد اس کے ایمان دار ہونے کا کوئی امکان باقی رہتا ہے نہ ہی اسلام' آخرت اور جنت کے ساتھ یزید کے کسی تعلق کا کوئی تصور کیا جا سکتا ہے۔

سفیر روم کی حیرت اور تنقید

جس وقت اہل نبوت کو شہداء کے سروں کے ساتھ یزید کے دربار میں پیش کیا گیا اس وقت دربار میں قیصر روم کا سفیر بھی موجود تھا۔ وہ یہ سب کچھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اور معاملے کی تہہ تک نہ پہنچ سکا۔ آخر اس سے رہا نہ گیا اور پوچھنے لگا کہ بتاؤ تو سہی یہ کس کا سر ہے جس کے لبوں پر یزید چھڑی مار رہا ہے' بڑے تفاخر و تمکنت کے ساتھ کہہ رہا ہے کاش بدر میں مرنے والے میرے بڑے آج زندہ ہوتے تو میں انہیں بتاتا کہ دیکھو ہم نے تمہارے قتل کا بدلہ نبی ﷺ کے خاندان سے لے لیا ہے اور معاملہ برابر کر دیا ہے؟

لوگوں نے بتایا کہ یہ ہمارے رسول ﷺ کا نواسہؓ ہے۔ عیسائی پر یہ سن کر کپکپی طاری ہو گئی اور وہ کہنے لگا ظالمو! مجھے کوئی شبہ نہیں رہا کہ تم قدر ناشناس، ظالم اور دنیا پرست ہو۔ ہمارے پاس ایک گرجے میں حضرت عیسیٰؑ کی سواری کے پاؤں کا ایک نشان محفوظ ہے۔ ہم سال ہا سال سے اس نشان کی تکریم کرتے آرہے ہیں اور جیسے تم کعبہ کی زیارت کو چل کر جاتے ہو ہم بھی اس کی زیارت کو چل کر جاتے ہیں۔ ہم تو اپنے نبی کی سواری کے پاؤں کے نشان کو حرز جاں بنائے ہوئے ہیں اور تم ہو کہ اپنے نبی کے بیٹے کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو! (الصواعق المحرقہ، ۱۹۹)

"تفو بر تو اے چراغ گردوں تفو"

ایک یہودی کی لعنت و ملامت

یزید کے دربار میں ایک یہودی بھی موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہوں۔ اب تک ستر پشتیں گزر چکی ہیں لیکن اس کے باوجود حضرت داؤدؑ کے امتی میری بے حد تعظیم کرتے ہیں اور ایک تم ہو کہ اپنے نبی ﷺ کے نواسے کو ہی بے دردی سے قتل کر دیا ہے اور اس پر اترا رہے ہو جب کہ یہ تمہارے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے اور اپنی اس بدبختی پر جتنا بھی تم ماتم کرو کم ہے۔ (الصواعق المحرقہ، ۱۹۹)

یزید کی منافقانہ سیاست

حضرت امام حسینؓ کا سر انور جب یزید کے پاس پہنچا تو یزید اولاً بہت خوش ہوا۔ اس کی نظر میں ابن زیاد کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی چنانچہ یزید نے پہلے تو ابن زیاد کو انعام و اکرام سے نوازنے کا اعلان کیا مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اسے معلوم ہو گیا کہ لوگوں کے دلوں میں اس اقدام کے بعد بجائے میری ہیبت پیدا ہونے کے میرے لئے نفرت پیدا ہو گئی ہے اور لوگ سرعام مجھ پر لعن طعن اور سب و شتم کرنے لگے ہیں۔ اسے یہ احساس اب شدت سے ستانے لگا کہ جس اقتدار کی خاطر اس نے یہ مظالم ڈھائے ہیں وہ پھر بھی خطرے میں ہے کیونکہ لوگوں کی نفرت کا لاوا کسی وقت بھی

پھٹ سکتا ہے اور یہ سب کچھ خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا چنانچہ اس نے گذشتہ خونی واقعات پر برملا یوں ندامت کا اظہار شروع کر دیا کہ خدا کی مار ہو ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر جس نے میدان کربلا میں اہل بیت کی توہین کی اور ان کے چیدہ چیدہ افراد کو قتل کیا اور نہایت سفاکی اور بے رحمی کا ثبوت دیا۔ میں اس کے اس فعل پر خوش نہیں ہوں۔ اگر وہ حسینؓ کو زندہ لے آتا تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی مگر اس ستمگر نے بہت جبر کیا ہے اور ظلم و ستم کی انتہا کر دی ہے۔ خدا اس پر لعنت کرے وہ بہت بڑی لعنت و ملامت کا مستحق ہے۔

علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اس بات کو یوں بیان کیا ہے:

لما قتل ابن زیاد الحسین و من معہ بعث برؤوسھم الی یزید فسر بقتلہ اولا و حسنت بذالک منزلۃ ابن زیاد عندہ ثم لم یلبث الا قلیلا حتی ندم وقد لعن ابن زیاد علی فعلہ ذالک وشمہ فیما یظھرو یبدو ولکن لم یعزلہ علی ذلک و لا عاقبہ ولا ارسل بعیب علیہ ذالک

(البدایہ والنہایہ ۸: ۲۳۲، ۲۰۴)

جب ابن زیاد نے حضرت امام حسینؓ کو ان کے رفقاء سمیت قتل کر دیا تو ان کے سروں کو یزید کے پاس بھیج دیا۔ یزید امام حسینؓ کے قتل سے اولاً تو خوش ہوا اور اس وجہ سے ابن زیاد کی قدر و منزلت اس کے نزدیک زیادہ ہو گئی مگر وہ خوشی پر زیادہ قائم نہ رہ سکا بلکہ جلدی نادم ہو گیا۔ بے شک یزید نے ابن زیاد پر اس کے فعل کی وجہ سے لعنت تو کی اور اس کو برا بھلا کہا جیسا کہ ظاہر ہے لیکن نہ تو اس نے ابن زیاد کو اس ناپاک حرکت پر معزول کیا اور نہ اس کو سزا دی اور کسی کو بھیج کر اس کا یہ شرمناک عیب اس کو جتایا۔

یزید کی ان منافقانہ باتوں کی بناء پر جس میں اس نے ابن زیاد پر لعنت کی ہے

اور اسے برا بھلا کہا بعض کوتاہ اندیش اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں وہ قتل حسینؓ سے خوش نہ تھا اور اسے اس واقعہ سے بے حد صدمہ پہنچا تھا۔

ایسی سوچ رکھنے والے سے یہ سوال ہے کہ اگر یزید' ابن زیاد کی اس کاروائی سے ناخوش تھا تو پھر اس نے ابن زیاد اور ابن سعد سے قصاص کیوں نہ لیا؟ قتل کا قصاص لینا تو دور کی بات ہے ان دونوں کو معزول کیوں نہ کیا یا ان کے عہدوں میں کمی کیوں نہ کی؟ ان سب صورتوں کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے ان سے باز پرس تک نہ کی اور نہ ہی کوئی سزا دی۔

یہ صورت حال اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اندر سے خوش تھا اور ابن زیاد و ابن سعد کی کاروائی کو حق بجانب جانتا تھا۔ بعد میں اس نے جو مگرمچھ کے آنسو بہائے اور چکنی چپڑی باتیں کیں وہ سب اپنے سیاسی انجام سے بچنے اور اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے تھیں کیونکہ قتل حسینؓ نے اس کے تخت اقتدار کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

بعد ازاں یزید نے امام عالی مقامؓ کے سر اور باقی شہداء کے سروں کے بارے میں کہا کہ انہیں دمشق کے بازاروں میں پھرایا جائے۔ کیا یہی وہ یزید ہے جو قتل حسینؓ پر ناخوش تھا؟ اگر وہ خوش نہیں تھا تو پھر کیا قتل حسینؓ کے بعد کوئی گنجائش رہ گئی تھی جو اس نے سروں کی نمائش کا بھی اہتمام کیا۔

بے شک یزید! ابن زیاد اور ابن سعد کی سفاکانہ کاروائی پر دل و جان سے خوش تھا اور وہ ابن زیاد کو برا بھلا کہہ کر اور قتل حسینؓ پر افسوس کا اظہار کر کے محض اوپر سے لیپا پوتی کر رہا تھا تاکہ لوگ اس سے بدظن نہ ہو جائیں۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یزید کے حکم سے اہل بیت کے قافلے کو دمشق کے بازاروں میں پھرایا گیا' شہداء کے سروں کی نمائش کی گئی اور نیزوں پر لٹکے ہوئے ان سروں کا جلوس نکالا گیا۔

سر حسینؓ کی اعجازی شان

یزید بدبخت کے حکم سے شہداء کے سروں اور اسیران کربلا کو تین روز تک دمشق کے بازاروں میں پھرایا گیا۔ حضرت منہال بن عمروؓ سے مروی ہے:

والله رایت رأس الحسين حين — خدا کی قسم! میں نے حسینؓ کے سر کو

حمل وانا بدمشق وبين يدي الرأس رجل يقرأ سورة الكهف حتي بلغ قوله تعالٰي: ام حسبت ان اصحاب الكهف الرقيم كانوا من ايتنا عجبا، فانطق الله الرأس بلسان ذرب فقال: اعجب من اصحاب الكهف قتلي و حملي

(سر الشہادتین، ۳۵)

نیزے پر چڑھے ہوئے دیکھا اور میں اس وقت دمشق میں تھا۔ سر مبارک کے سامنے ایک آدمی سورہ کہف پڑھ رہا تھا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد **ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم**......... الایہ (کیا تو نے جانا کہ بے شک اصحاب کہف اور رقیم ہماری نشانیوں میں سے ایک عجوبہ تھے) پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے سر مبارک کو گویائی دی اور اس نے بہ زبان فصیح کہا کہ اصحاب کہف (کے واقعہ) سے میرا قتل کیا جانا اور میرے سر کا نیزہ پر اٹھایا جانا عجیب تر ہے۔

اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضرت امام حسین؄ کا قتل کیا جانا اور آپ؄ کے سر انور کو تن سے جدا کر کے نیزے پر چڑھا کر دمشق کے بازاروں میں پھرایا جانا، یہ اصحاب کہف کے واقعہ سے کہیں عجیب تر ہے کیونکہ اصحاب کہف نے تو کفار کے خوف سے اپنے گھربار کو چھوڑا اور ترک وطن کر کے ایک غار میں پناہ لی تھی مگر حضرت امام حسین؄ آپ کے اہل بیت اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ جو ظلم و ستم اور ناروا سلوک ہوا وہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں ہوا جو اسلام اور ایمان کے دعویدار تھے۔ اصحاب کہف عام لوگ تھے جو اپنے اس عمل کی بدولت مقام ولایت پر فائز ہو گئے تھے جب کہ حضرت امام حسین؄ پیغمبر اسلام ﷺ کے جگر کے ٹکڑے اور نواسے تھے۔ اصحاب کہف نے اگرچہ کئی سو سال کی نیند کے بعد اٹھ کر کلام کیا تھا لیکن بہر حال وہ زندہ تھے مگر حضرت امام حسین؄ کے سر انور کا جسم سے جدا ہو جانے کے کئی روز بعد نیزے کی نوک پر بولنا یقیناً اصحاب کہف کے واقعہ سے عجیب تر ہے۔

اھل بیتؑ کی مدینہ منورہ واپسی

یزید نے اہل بیتؑ نبوت کے بقیہ افراد کو مدینہ منورہ بھجوانے کا ارادہ کیا تو پہلے اس نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو بلایا اور کہا کہ خدا ابن زیاد پر لعنت کرے خدا کی قسم! اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو حسینؑ جو کہتے مان لیتا خواہ اس میں میرا نقصان ہی کیوں نہ ہوتا لیکن خدا کو یہی منظور تھا جو تم نے دیکھا' بہرحال تمہیں کسی قسم کی ضرورت پیش آئے تو مجھے لکھ دینا۔ اس کے بعد یزید نے نعمان بن بشیر کو بلا کر کہا کہ ان کو ضروری سامان سفر اور شریف قسم کے حفاظتی دستہ کے ہمراہ بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دو چنانچہ انہوں نے بڑے ادب و احترام اور راحت و آرام کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دیا۔

اہل بیت نبوت نعمان بن بشیر کے حسن خدمت اور شریفانہ سلوک سے متاثر ہوئے اور انہوں نے اس حسن سلوک کا انہیں کچھ صلہ دینا چاہا چنانچہ حضرت زینبؑ اور حضرت فاطمہ (صغریٰ) نے وہ زیورات جو یزید نے ان کے زیورات کے بدلے میں دیئے تھے' اتار کر نعمان بن بشیر کے پاس بھیجے اور کہلا بھیجا کہ اس وقت ہم معذور ہیں ہمارے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں' یہ تمہارے حسن سلوک کا شکرانہ اور صلہ ہے' اسے قبول کر لو' مگر حضرت نعمان بن بشیر نے زیورات واپس کر دیئے اور کہا "خدا کی قسم! ہم نے دنیاوی منفعت کے لئے یہ خدمت نہیں کی بلکہ ہم نے یہ خدمت خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے کی ہے۔"

(طبری' ۶: ۳۴)

جب یہ ستم رسیدہ قافلہ شہر مدینہ میں داخل ہوا تو اس قافلہ کو دیکھنے کے لئے تمام اہل مدینہ اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ حضرت ام لقمانؓ بن عقیل بن ابی طالب اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ روتی ہوئی نکلیں اور یہ اشعار پڑھے۔

ماذا تقولون ان قال النبی لکم

ماذا فعلتم وانتم آخر الامم

بعترتی و باھلی بعد مفتقدی
منھم اساری و قتلی ضرجوا بدم
ما کان ھذا جزائی اذ نصحت لکم
ان تخلفونی بسوء فی ذوی رحمی

"لوگو! کیا جواب دو گے جب نبی کریم ﷺ تم سے پوچھیں گے کہ تم نے آخری امت ہونے کے باوجود کیا کیا؟"

میرے بعد میری اولاد اور اہل بیتؓ کے ساتھ کہ ان میں سے بعض کو تم نے اسیر کیا اور بعض کا خون بہایا۔"

"میں نے تم کو جو نصیحت دی تھی کہ میرے بعد میرے قرابت داروں سے برا سلوک نہ کرنا' کی جزا یہ تو نہ تھی۔"

(البدایہ والنہایہ' ۸:۱۹۸ ابن اثیر' ۴:۸۹)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ یہ حالت رہی کہ آپ دن کو روزہ رکھتے اور رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دیتے۔ افطار کے وقت جب کھانا اور پانی سامنے آتا تو آپ فرماتے کہ میرے باپ اور بھائی بھوکے اور پیاسے شہید ہوئے' افسوس! یہ کھانا اور پانی ان کو نہ ملا' اور رونے لگتے یہاں تک کہ بمشکل چند لقمے کھاتے اور چند گھونٹ پانی پیتے اس میں بھی آپ کے آنسو مل جاتے تھے۔ آپ کی آنکھوں سے کربلا کا تصور اور دل سے باپ اور بھائیوں کی یاد کبھی محو نہ ہوئی اور عمر بھر آنکھیں اشک بار رہیں۔

یزید کی فرعونیت اور گمراہی کی تفصیلات

امام عالی مقام حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد یزید بد بخت میں فرعونیت اور قارونیت نے مزید رنگ پکڑا' اس کی شیطنت اور بدکاری میں اضافہ ہو گیا اور وہ نشۂ اقتدار میں مزید دھت ہو گیا' شرابی تو وہ پہلے ہی تھا لیکن اب شراب نوشی کی کوئی حد نہ رہی' بدکار تو وہ پہلے ہی تھا لیکن اب سوتیلی ماؤں' بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ بھی

بدکاری پر اتر آیا' الغرض وہ عیوب و نقائص کا مجسمہ بن گیا اور اس کا ظلم و ستم انتہا کو پہنچ گیا اسی وجہ سے لوگ خصوصاً اہل حجاز اس کے سخت مخالف ہو گئے اور انہوں نے یزید کی بدکاریوں کی وجہ سے اس کی بیعت توڑ دی چنانچہ حضرت عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہؓ فرماتے ہیں۔

"خدا کی قسم! ہم لوگوں نے یزید کی بیعت اس وقت توڑ دی جب ہمیں یہ خوف ہوا کہ کہیں یزید کی بدکاریوں کی وجہ سے ہم پر آسمان سے پتھر نہ برسنے لگیں' بلاشبہ ماؤں' بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرتا' شراب پیتا اور نماز نہیں پڑھتا تھا۔"

جب یزید نے دیکھا کہ اہل حرمین اس کے سخت مخالف ہو گئے ہیں اور اس کی بیعت سے خارج ہو گئے ہیں اور اہل حرمین کا خروج دوسرے علاقوں کے لوگوں کے خروج کا سبب بنے گا کیونکہ حرمین شریفین ہی اسلام کا مرکز اور دل ہیں لہٰذا اس نے اپنے اقتدار کی ڈولتی نیا کو بچانے کی خاطر مسلم بن عقبہ کو بیس ہزار کا لشکر دے کر حرمین طیبین پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔

یہ کردار اس یزید کا ہے جسے کبھی امیر المومنین کہا جاتا ہے اور کبھی اس کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ پڑھا اور لکھا جاتا ہے بلکہ کچھ لوگ تو یزید کو مومن اور جنتی قرار دیتے ہیں۔ وہ یزید کہ جسے کبھی مومن اور جنتی قرار دیا جاتا ہے اس کا دینی کردار اور سیرت یہ ہے کہ وہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے بعد بیس ہزار فوج کا لشکر مدینہ منورہ کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے بھیج رہا ہے۔ چنانچہ مشہور واقعہ "حرّہ" پیش آیا۔

بدبخت یزیدی لشکر نے مدینہ منورہ میں وہ طوفان بدتمیزی برپا کیا کہ اس کے تصور سے ہی روح تڑپ اٹھتی ہے۔ اس لشکر نے ساکنین مدینہ منورہ اور ہمسایہ گان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مظالم کی انتہا کر دی۔ قتل و غارت' لوٹ مار اور آبروریزی کا وہ بازار گرم ہوا کہ توبہ توبہ......... اہل حرم سے یزید کی غلامی پر بالجبر بیعت لی جاتی کہ اس

بات پر یزید کی بیعت کرو "چاہے وہ بیچ دے یا آزاد کر دے" جو کہتا کہ میں خدا اور رسول ﷺ کے حکم پر کتاب و سنت کی اطاعت پر بیعت کرتا ہوں اس کو شہید کر دیا جاتا۔ بہت سے لوگ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے اور جو نہیں بھاگے ان میں سے سترہ سو مہاجرین و انصار صحابہ' سات سو حفاظ کرام' کبار تابعین اور مستورات سمیت دیگر افراد کو شامل کر کے دس ہزار کے قریب افراد کو شہید کر دیا گیا اور ان کے گھروں کو لوٹ کیا گیا۔ ان ظالموں نے تین دن کے لئے مدینہ منورہ کو مباح قرار دے کر جس بربریت اور درندگی کا مظاہرہ کیا اس کا تفصیلاً ذکر کرنا سخت ناگوار ہے۔ مدینہ پاک کی مقدس عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ حضور ﷺ کے صحابی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ جن کی داڑھی مبارکہ سفید تھی اور وہ نابینا ہو گئے تھے مسجد نبوی ﷺ میں آ رہے تھے تاکہ نماز ادا کریں کہ یزیدی لشکریوں نے پوچھا "بابا! تو کون ہے؟" وہ کہنے لگے کہ میں آقائے دو جہاں ﷺ کا صحابی ہوں' ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ میرا نام ہے۔ ان ظالموں نے ان کی داڑھی مبارک پکڑ کر طمانچے مارے اور سخت بے عزتی کر کے واپس گھر بھیج دیا۔

اس بدبخت فوج نے مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ اپنے گھوڑے باندھے۔ تین دن تک مسجد نبوی میں عبادتیں' نمازیں اور جماعتیں معطل رہیں۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ جو کہ ایک جلیل القدر تابعی تھے وہ فرماتے ہیں۔

"میں پاگل' دیوانہ اور مجنوں بن کر مسجد نبوی ﷺ میں منبر رسول ﷺ کے قریب چھپ گیا' پکڑا بھی گیا مگر دیوانہ اور مجنوں سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ میرا دل یہ گوارا نہ کرتا تھا کہ اس کیفیت میں اپنے آقائے دو جہاں ﷺ کا مزار چھوڑ کر اپنے گھر چلا جاؤں' تین دن اور تین راتیں میں اسی منبر شریف میں بیٹھا رہا' نہ تو مسجد میں اذان دی جاتی اور نہ جماعت کا اہتمام ہوتا تھا۔ رب ذوالجلال کی عزت کی قسم! جب نماز کا وقت آتا تو مجھے روضہ رسول ﷺ سے اذان' اقامت اور جماعت ہونے کی آواز سنائی دیتی تھی چنانچہ میں نے تین دن کی نمازیں اسی جماعت کی اقتداء میں ادا کیں اور

کوئی میرے ساتھ نہ ہوتا تھا۔"

اتنے قتل اور غارت گری کے بعد مسلم بن عقبہ نے لوگوں کو یزید کی بیعت کی دعوت دی تو لوگوں میں ملا جلا ردعمل تھا۔ کچھ لوگوں نے جان و مال کے خوف سے بیعت کرلی اور کچھ پھر بھی اپنی رائے پر قائم رہے۔ ایک قریشی نے بوقت بیعت یہ کہا کہ میں نے بیعت کی مگر اطاعت پر، معصیت پر نہیں۔ مسلم بن عقبہ نے اس کے قتل کا حکم دیا جب اسے قتل کر دیا گیا تو اس کی ماں یزید بنت عبد اللہ نے قسم کھائی کہ اگر میں قدرت پاؤں تو اس ظالم مسلم کو ضرور زندہ یا مردہ جلاؤں گی۔ چنانچہ جب اس ظالم مسلم بن عقبہ نے تاراجیٔ مدینہ کے بعد اپنا روئے بد مکہ معظمہ کی طرف کیا تاکہ وہاں جا کر عبد اللہ بن زبیرؓ اور ان کے ساتھیوں کا کام بھی تمام کرلے جو یزید کے خلاف بغاوت پر تھے، تو راستے میں اس پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ مرگیا۔ اس کی جگہ یزید کے حکم سے حصین بن نمیر کو فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا گیا۔ مسلم بن عقبہ کو انہوں نے وہیں دفن کیا اور آگے بڑھ گئے۔ جب یزیدی لشکر آگے چلا گیا تو مقتول قریشی کی والدہ کو مسلم کے مرنے کا پتہ چلا۔ وہ چند آدمیوں کے ہمراہ اس جگہ آئی جہاں مسلم کی قبر تھی تاکہ اس کو قبر سے نکال کر جلائے اور اپنی قسم پوری کرلے۔ جب قبر کھودی تو انہوں نے دیکھا کہ ایک اژدھا مسلم بن عقبہ کی گردن سے لپٹا ہوا اس کی ناک کی ہڈی پکڑے چوس رہا ہے۔ یہ دیکھ کر سب ڈر گئے اور اس عورت سے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی اس کے اعمال کی سزا دے رہا ہے اور اس نے عذاب کا فرشتہ مقرر کر رکھا ہے لہٰذا تو اس کو رہنے دے اور اسے جلانے کا خیال چھوڑ دے۔ اس عورت نے جواب دیا کہ نہیں خدا کی قسم! میں اپنا عہد اور قسم کو ضرور پورا کروں گی اور اسے جلا کر اپنے دل کو ٹھنڈا کروں گی۔ مجبور ہو کر لوگوں نے مسلم کو پیروں کی طرف سے کھولنا چاہا، جب ادھر سے مٹی ہٹائی تو کیا دیکھا کہ پیروں کی طرف بھی اسی طرح ایک اژدھا لپٹا ہوا ہے۔ سب نے عورت سے کہا اب تو اس کو جلانے کا خیال دل سے نکال دے اس کے لئے یہی عذاب کافی ہے مگر وہ عورت نہ مانی۔ اس نے وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کے لئے

ہاتھ اٹھاتے ہوئے عرض کیا کہ الٰہی تو خوب جانتا ہے کہ اس ظالم پر میرا غصہ تیری رضا کے لئے ہے۔ مجھے یہ قدرت دے کہ میں اپنی قسم پوری کروں اور اس کو جلاؤں۔ یہ دعا کر کے اس نے ایک لکڑی سانپ کی دم پر ماری' وہ گردن سے اتر کر چلا گیا پھر دوسرے سانپ کو ماری وہ بھی چلا گیا تو انہوں نے مسلم کی لاش کو قبر سے نکال کر جلا دیا۔ گویا اللہ تعالیٰ خود بھی اس کی پہلی سزا کو ناکافی جانتا تھا لہٰذا اس نے خاتون کے ذریعے اس کو آگ میں جلانے کی سزا دی۔

مسلم بن عقبہ نے قتل وغارت اور ہتک حرمت مدینہ میں اس قدر بدبختی' زیادتی اور اسراف کا مظاہرہ کیا کہ اس کے بعد اس کا نام ہی "مسرف" ہو گیا۔ وہ مدینہ منورہ جس کے باسیوں کے بارے میں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

من اراد اھل المدینۃ بسوء اذابہ اللہ کما یذوب الملح فی الماء	جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح (جہنم کی آگ میں) پگھلائے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔
(خلاصۃ الوفاء مترجم' ۱۲۱)	

ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

لا یرید احد اھل المدینۃ بسوء الا اذابہ اللہ فی النار ذوب الرصاص	جو بھی اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو اسے اللہ تعالیٰ آگ پر تانبے کے پگھلنے کی مانند پگھلائے گا۔
(جذب القلوب مترجم' ۳۷)	

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اخاف اھل المدینۃ ظلما اخافہ اللہ وعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ یوم القیامۃ صرفا و لا عدلا	جو اہل مدینہ کو بلا وجہ خوفزدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے مبتلاء خوف کرے گا اس پر اللہ' فرشتوں اور تمام انسانوں کی پھٹکار ہو گی اور اللہ قیامت کے دن اس کا کوئی عمل قبول نہیں کرے گا
(جذب القلوب' ۳۸)	

احادیث بالا سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مدینہ و اہل مدینہ کی بے حرمتی کرنے والے کا انجام کیا ہوگا اور یہ بھی کہ دنیا میں جملہ مخلوقات میں مبغوض ترین مخلوق میں اس کا شمار ہوگا۔

یزید کے حکم سے یزیدی لشکر نے اہل بیت نبوت اور اہل مدینہ منورہ کی وہ توہین و تذلیل کی اور انہیں ایسی تکالیف اور اذیتیں پہنچائیں کہ اس کے تصور ہی سے روح تڑپ اٹھتی ہے۔ بلاشبہ یزید اور اس کے اعوان و انصار لعنت کے مستحق اور باری تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت داخل ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا

(الاحزاب '۳۳:۵۷)

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو مبتلاء اذیت کرتے ہیں' ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور اللہ نے ان کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔

مکہ مکرمہ پر حملہ

یزید نے تخت نشین ہوتے ہی گورنر مدینہ ولید بن عقبہ کے ذریعے حضرت امام حسینؓ ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے بیعت طلب کی تھی۔ حضرت امام حسینؓ کو جب مدینہ کے گورنر نے بلایا تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور یزید کی بیعت سے انکار کر کے واپس تشریف لے آئے تھے۔ مدینہ کے گورنر نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو بھی بلایا تھا مگر آپ اس کے پاس نہیں گئے تھے اور اسی رات مدینہ منورہ سے ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ میں آ گئے تھے۔ ہجرت کے بعد سے اب تک آپ حرم مکہ کی پناہ میں سکون و اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب اہل حجاز یزید کی حرکات بد کی وجہ سے سخت متنفر ہو گئے تو حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے اہل مکہ کو جمع ہونے کی دعوت دی اور ان کے سامنے ایک موثر تقریر فرمائی جس کا خلاصہ اس طرح ہے:

"اہل عراق خصوصاً اہل کوفہ سوائے چند ایک کے ایسے غدار و بدکردار ہیں کہ انہوں نے فرزند رسول ﷺ کو بلایا کہ ان کی نصرت و امداد کریں گے اور انہیں اپنا فرمانروا بنائیں گے مگر ان غداروں نے ایسا نہ کیا بلکہ وہ یزیدی حکومت کے ساتھ مل گئے اور کہنے لگے کہ خود کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ابن زیاد کے حوالے کیا جا سکے یا پھر ہمارے ساتھ جنگ کریں۔ حضرت امام حسینؓ نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی اور دشمن کے انبوہ کثیر کے سامنے گردن نہ جھکائی۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور ان کے قاتلوں کو ذلیل و خوار کرے۔ ان لوگوں نے حضرت امام حسینؓ کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کے بعد ہم ان لوگوں سے کس طرح مطمئن ہو سکتے ہیں اور ان کی اطاعت قبول کر سکتے ہیں؟ وہ اس چیز کے اہل نہیں ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے خدا کی قسم! بلاشبہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو **قائم اللیل** اور **صائم النہار** تھا۔ وہ ان لوگوں سے امور سلطنت سپرد کئے جانے کا زیادہ حقدار تھا اور اپنے دین اور فضیلت و بزرگی میں ان سے بہت بہتر تھا۔ خدا کی قسم! وہ قرآن کے بدلے میں گمراہی پھیلانے والا نہ تھا۔ اللہ کے خوف سے اس کے گریہ و بکاء کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ روزوں کو شراب نوشی سے نہیں بدلا کرتا تھا اور نہ اس کی مجلس میں ذکر الٰہی کی بجائے شکاری کتوں کا ذکر ہوتا تھا۔"

یہ باتیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہیں۔

اس کے بعد ابن زبیرؓ نے کہا کہ عنقریب یہ یزیدی لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

(الطبری ۶: ۳۵)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی مذکورہ تقریر کے بعد لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ اپنی بیعت کا اعلان کر دیں چنانچہ آپ نے اپنی بیعت کا اعلان کر دیا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے سب لوگوں نے سوائے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت محمد بن حنفیہؒ کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ لوگوں نے یزید کے تمام عاملوں کو مکہ و مدینہ سے نکال دیا اور حجاز مقدس سے یزید کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

یزید کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اس نے ایک بہت بڑا لشکر مدینہ منورہ اور مکہ

مکرمہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اس لشکر نے مدینہ منورہ اور اہل مدینہ کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا اس کی تفصیلات کا ذکر ہو چکا ہے۔ مدینہ منورہ کے بعد اس لشکر نے حصین بن نمیری کی قیادت میں مکہ مکرمہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت ابن زبیرؓ مکہ مکرمہ میں محصور ہو گئے۔ یزیدی لشکر نے چونسٹھ روز تک مسلسل مکہ مکرمہ کا محاصرہ کئے رکھا۔ لوگوں کو قتل کرتے رہے اور منجنیقوں سے اس قدر سنگ باری کی کہ مکہ معظمہ کے صحن کو پتھروں سے بھر دیا۔ کعبہ معظمہ پر سنگ باری کرتے ہوئے یزیدی لشکر یہ شعر پڑھتا تھا:

خطارہ مثل الفیتق المزبد

ترمی بها جدران هذا المسجد

ترجمہ: "یہ منجنیق موٹے کف دار اونٹ کی مثل ہے جس کے ساتھ اس مسجد (حرام) کی دیواروں پر سنگ باری کی جاتی ہے۔"

سنگ باری کرتے ہوئے عمر بن حوطہ السدسی یہ شعر پڑھ رہا تھا:

کیف تری صنیع ام فروۃ

تاخذهم بین الصفا و المروۃ

ترجمہ: "ذرا ام فروہ (منجنیق کا نام) کو دیکھو وہ صفا اور مروہ کے درمیان لوگوں کو کیسے نشانہ بنا رہی ہے۔" (البدایہ والنہایہ ۸:۲۲۵)

غرض یہ کہ ان بے دینوں نے کعبۃ اللہ پر اتنی زیادہ سنگ باری کی کہ آگ لگ گئی۔ کعبۃ اللہ کا غلاف اور دیواریں جل گئیں اور مسجد حرام کے ستون ٹوٹ گئے۔ یزیدیوں کی درندگی اور بربریت کے باعث حرم شریف کے باشندے دو ماہ تک سخت مصیبت میں مبتلا رہے۔ کعبہ معظمہ کئی روز تک بے لباس رہا۔

یہ تمام واقعات ۶۴ھ میں ہوئے۔

جنگ ابھی جاری تھی کہ یزید بدبخت کے مرنے کی خبر آئی۔ جونہی یزید کی ہلاکت کی خبر آئی حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے پکار کر کہا "اے شامیو! تمہارا طاغوت ہلاک ہو گیا ہے۔" یزید کی موت سے اہل شام کے حوصلے پست ہو گئے جب کہ عبد اللہ بن زبیرؓ اور ان کے حامیوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ چنانچہ حضرت ابن زبیرؓ نے اپنے

ساتھیوں کے ساتھ یزیدی لشکر پر بھرپور حملہ کیا۔ یزید کی موت سے لشکریوں کے حوصلے پہلے ہی ٹوٹ چکے تھے۔ وہ اس حملے کی تاب نہ لا سکے چنانچہ پسپا ہو کر یزیدی لشکر واپس شام چلا گیا۔ اس طرح اہل مکہ کو یزیدیوں کی درندگی اور بربریت سے نجات ملی۔

حضرت امام حسینؓ کی شہادت' مقام شہادت اور زمان شہادت کی نسبت عہد رسالتمآب ﷺ اور عہد خلافت راشدہ میں حضور ﷺ کی روایات جن سے مروی ہیں ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ
(۲) حضرت اُمّ فضلؓ
(۳) حضرت انسؓ
(۴) اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ
(۵) سیدنا ابو ہریرہؓ
(۶) حضرت ابن عباسؓ
(۷) حضرت ابی سلمہؓ
(۸) حضرت محمد بن عمر بن امام حسنؓ
(۹) حضرت یحیٰ حضرمیؓ
(۱۰) حضرت اصبغ بن بنانہؓ

باب پنجم

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ

اور

مقام رضا

اللہ رب العزت کے نیک اور برگزیدہ بندوں کو اپنے مولا کی بارگاہ میں قرب و وصال اور خوشنودی کی منزلوں کو حاصل کرنے کے لئے جو جدوجہد اور کوشش کرنا پڑتی ہے اس کے کئی مراحل ہیں۔ صوفیاء کرام نے اس کے بالترتیب تین مراحل بیان کئے ہیں۔

(۱) مرحلۂ صبر

(۲) مرحلۂ توکل

(۳) مرحلۂ رضا

(۱) مرحلۂ صبر

صبر دو طرح کا ہوتا ہے۔

ا۔ زاہدوں کا صبر

ب۔ عاشقوں کا صبر

زاہدوں کا صبر

زاہدوں کے صبر کے تین مراتب اور درجات ہیں۔

۱۔ الصبر للّٰہ

۲۔ الصبر علی اللّٰہ

۳۔ الصبر مع اللّٰہ

صبر کی یہ تقسیم اور درجات حضرت ابوبکر شبلیؒ (جو کہ حضور سیدنا غوث اعظمؒ کے مشائخ میں سے ہیں) نے بیان فرمائی ہے۔

(۱) الصبر للّٰہ

زاہد، عبادت گزار اور پرہیزگار لوگوں کے صبر کا پہلا درجہ "الصبر للّٰہ" یعنی

اللہ کے لئے صبر کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بعض کام کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ انہیں امر کہتے ہیں۔ اسی طرح اس نے ہمیں بعض کاموں سے بچنے کا حکم فرمایا ہے انہیں نہی کہتے ہیں۔ شریعت نے فرض، واجب، سنت، مستحب اور مباح چیزوں کو حلال کیا ہے اور ان پر ثابت قدمی اختیار کرنے کو کہا ہے۔ جن چیزوں کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے ان سے ثابت قدمی سے بچے رہنے کی تلقین کی ہے۔ حلال کی راہ پر چلتے ہوئے اور حرام سے بچتے ہوئے انسان کو کبھی پریشانی ہوتی ہے۔ وہ کبھی حلال کی راہ پر چلتے ہوئے اور آرام و راحت اور ذاتی فائدے کو چھوڑتا ہے اور کبھی حرام سے بچتے ہوئے اپنے مفاد کو قربان کر دیتا ہے۔

حلال پر چلنے، حرام سے بچنے، حلال و حرام کے درمیان امتیاز کرنے اور امر و نہی پر عمل کرنے میں انسان کو جو پریشانی اور تکلیف پہنچے اس تکلیف کو ہنس کر برداشت کرنا "الصبر للہ" کہلاتا ہے مثلاً شریعت نے رزق حلال کھانے اور رزق حرام سے بچنے کا حکم دیا ہے چنانچہ رزق حلال کی تلاش میں رزق حرام سے بچتے ہوئے اگر انسان پر فاقہ آ جائے تو اس تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لینا "الصبر للہ" ہے۔

لمحہ فکریہ

الصبر للہ کی مندرجہ بالا تشریح کے آئینے میں ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا ہم اس صبر کو کسی حد تک حاصل کر سکے ہیں جو زاہدوں کا صبر ہے۔ عام طور پر ہم تو اس کی ابتدائی حدوں سے پہلے ختم ہو جاتے ہیں۔ ہم حلال کو پسند کرتے ہیں مگر صرف اس وقت تک جب تک حلال کی راہ میں کوئی تکلیف نہ آئے۔ ہم بڑے غنی، جرأت مند اور مبلغ اسلام ہیں۔ اسلام پر عمل کرتے ہیں اور ثابت قدم رہتے ہیں، بڑے متقی اور پرہیزگار ہیں، زاہد ہیں، اپنی دینداری کا بڑا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں مگر صرف اس وقت تک جب تک حلال میں اور اپنے مفاد میں ٹکراؤ نہ آئے۔ جہاں ہمارے مفاد اور دین میں ٹکراؤ آیا، ہماری ساری دینداری دھری کی دھری رہ جاتی ہے اور ہم اپنے مفاد کو سینے سے لگاتے

ہیں اور دین سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں حالانکہ یہی وقت آزمائش اور قربانی کا ہوتا ہے تاکہ پتہ چلے کہ کون دین کی راہ پر ہے اور کون اپنے مفاد کو عزیز رکھتا ہے۔

(۲) الصبر علی اللہ

زاہدوں کے صبر کا دوسرا درجہ "الصبر علی اللہ" ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے جو کچھ مقدر ہو اس پر خوش رہنا "الصبر علی اللہ" کہلاتا ہے۔ بیماری ہو یا صحت' کھانے کو ملے یا فاقہ آئے' خوشی ملے یا رنج' اولاد ملے یا چھن جائے' دنیا دوست ہو یا دشمن' عزت ملے یا بے وقار ہو جائے الغرض جو کچھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ملے اس پر خوش ہونا اور صبر کرنا کہ تکلیف میں شکوہ نہ کرنا اور خوشی و مسرت میں تکبر اور رعونت سے کام نہ لینا بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا "الصبر علی اللہ" ہے۔

خود اپنے آپ پر ذرا غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم تو اس بازار کے سوداگر ہی نہیں ہیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ اگر ہمیں کھانے کو ملتا رہے' خوشی' صحت' مال و دولت' عزت و آسائش' راحت اور سکون الغرض جو کچھ ہم چاہتے ہیں وہ ہمیں ملتا رہے تو ہم اللہ کے شکر گزار ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی بہت کم ہوتا ہے کیونکہ نعمتوں کی فراوانی سے ہم میں تکبر اور رعونت آجاتی ہے اور اگر مال و دولت' صحت و تندرستی' آرام و آسائش وغیرہ میں سے کوئی نعمت ہم سے چھن جاتی ہے تو ہماری زبان شکوہ دراز ہو جاتی ہے۔ ہمارا رب تو صرف اس وقت تک اچھا ہے جب تک وہ ہمیں ہماری مرضی کے مطابق عطا کرتا ہے گویا ہم اللہ پر اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتے ہیں اور اسے اپنی منشاء کے تابع کرنا چاہتے ہیں۔

ایک حکایت

الصبر علی اللہ پر ایک بزرگ کی حکایت بیان کی جاتی ہے۔ وہ بزرگ تجارت کرتے تھے۔ ایک دن انہیں خبر ملی کہ ان کا جہاز مع سامان تجارت ڈوب گیا ہے اور لاکھوں کا نقصان ہوا ہے۔ یہ خبر سن کر انہوں نے قدرے توقف سے کہا "الحمد للہ" پھر

کچھ دنوں کے بعد خبر آئی کہ پہلی خبر جھوٹ تھی۔ سامان تجارت بکا ہے اور لاکھوں کا نفع ہوا ہے۔ یہ خبر سن کر انہوں نے ایک لمحہ توقف کے بعد کہا "الحمد للہ"

کسی نے ان سے سوال کیا کہ حضرت یہ کیا ماجرا ہے کہ جب آپ نے جہاز ڈوبنے اور لاکھوں کے نقصان کی خبر سنی تو "الحمد للہ" کہا اور جب مال کے بک جانے اور لاکھوں کے نفع کی خبر سنی تو پھر "الحمد للہ" کہا؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ جب جہاز ڈوب جانے کی اطلاع آئی تھی تو میں نے فوراً اپنے دل کو دیکھا کہ مال کے چلے جانے پر دل کہیں رنجیدہ تو نہیں ہے۔ یہ دل جو اپنے رب کی یاد میں مست تھا کہیں اس کی توجہ اس طرف سے ہٹ تو نہیں گئی؟ جب میں نے دل کو دیکھا تو اسے لاکھوں کے نقصان کی خبر سن کر بھی نقصان سے بے پرواہ اپنے رب کی یاد میں مست پایا لہٰذا میں نے اپنے دل کی اس حالت پر اپنے رب کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد جب جہاز کے محفوظ رہنے اور لاکھوں کا نفع ہونے کی خبر آئی تو میں نے پھر اپنے دل کو دیکھا کہ نفع کی خبر سن کر یہ خوش تو نہیں ہو رہا تو میں نے دیکھا کہ میرے دل کو نقصان کی طرح نفع سے بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اسے صرف اللہ کی یاد سے دلچسپی ہے۔ میں نے جب اپنے دل کی یہ استقامت دیکھی تو اس پر پھر اللہ کا شکر ادا کیا۔

انہی لوگوں کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

زندہ رہنے کا ڈھب اگر سیکھنا ہے اور تم جینا چاہتے ہو تو نفع اور نقصان سے خود کو بلند کر لو۔ یہ راز سمجھ لو کہ صرف جینے کا نام زندگی نہیں ہے۔ زندگی کے دو روپ ہیں جس طرح جینے کو زندگی کہتے ہیں اسی طرح مرنے کو بھی زندگی کہتے ہیں۔ جو لوگ جینا جانتے ہیں ان کے لئے زندگی اور موت برابر ہو جاتی ہے۔

(۲) الصبر مع اللہ

زاہدوں کے صبر کا تیسرا درجہ "الصبر مع اللہ" ہے۔ اگر معمول کی تکالیف

اور راحتیں آئیں اور حالت ایک جیسی رہے تو یہ زاہدوں کے صبر کا دوسرا درجہ "الصبر علی اللہ" ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے لیکن اگر زندگی میں کوئی ایسا وقت آ جائے کہ جہاں تکالیف، مصائب، رنج والم، پریشانیاں اور دکھ ایک ہجوم کی صورت میں انسان پر حملہ آور ہوں انسان غیر معمولی مصائب و آلام کے بوجھ تلے دب جائے اور مسلسل پریشانیوں کی زد میں رہے گویا اللہ کی قضا اور تقدیر کی چھری چل رہی ہو، سر پر آرے چلائے جا رہے ہوں یا سینہ گولیوں سے چھلنی ہو رہا ہو تو عین ان لمحات میں بھی اللہ کے لئے صابر رہنا "**الصبر مع اللہ**" کہلاتا ہے۔

زاہدوں کے صبر کا یہ آخری درجہ کن لوگوں کو نصیب ہوتا ہے اس کا پتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے چلتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی دشمن کا نیزہ آپ کے جسم میں کسی جگہ پیوست ہو گیا۔ نیزہ اتنا گہرا چلا گیا تھا کہ اس کا نکالنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے بڑا تکلیف دہ تھا۔ آپؓ کو اذیت ہونے کا خیال کر کے نیزہ نہ نکالا گیا اور یہ طے پایا کہ جس وقت آپؓ اللہ کے حضور نماز میں کھڑے ہوں گے اس وقت نیزہ نکالا جائے چنانچہ جب حضرت علی المرتضیٰؓ نے نماز شروع کی تو نیزہ نکال لیا گیا اور حضرت علیؓ کو تکلیف کا ذرہ بھر بھی احساس نہ ہوا۔ خون کے فوارے جاری ہو گئے مگر آپ بدستور نماز میں مشغول رہے۔ نیزہ نکل آیا مگر اللہ کی بارگاہ میں حضوری کے مکمل انہماک کی وجہ سے آپ کو تکلیف کا بالکل احساس نہ ہوا۔ تکلیف کے ایسے لمحات میں خوش رہنا اور صبر کرنا "**الصبر مع اللہ**" ہے۔

(ب) عاشقوں کا صبر (الصبر عن اللہ)

اللہ تعالیٰ کے وصال سے محروم ہوتے ہوئے بھی ہجر و فراق کی گھڑیوں میں صبر کرنا، عاشقوں کا صبر ہے۔ اسے "الصبر عن اللہ" کہتے ہیں۔

مرد مومن ہر وقت اپنے مولا کی ملاقات، وصال اور اس کے بے نقاب جلوے کا خواہش مند رہتا ہے لیکن یہ جلوہ اسے اس وقت نصیب ہوتا ہے جب اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرتی ہے اور سارے حجابات کو دور کر کے اللہ تعالیٰ کی

بار گاہ میں حاضر کر دی جاتی ہے۔ جب تک وصال اور قربت کی یہ گھڑیاں نہ آئیں اس وقت تک محرومی کی گھڑیوں میں صابر و شاکر رہنا اور اپنے احوال عشق و محبت سے مغلوب نہ ہونا "الصبر عن اللہ" ہے۔

زاہدوں کا صبر یہ تھا کہ وہ اوامر و نواہی کی پیروی کریں۔ تکلیف، مصیبت اور اذیت کی انتہا کے لمحوں میں صابر و شاکر رہیں مگر عاشقوں کا صبر یہ ہے کہ وہ محبوب حقیقی سے وصال کی محرومی اور ہجر و فراق کے لمحوں میں صبر کریں۔ صبر کی یہ کیفیت زاہدوں کے صبر کی کیفیات سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہے کیونکہ عاشق ہر چیز کو برداشت کر لیتے ہیں۔ ان کے لئے فرحت و سکون اور اذیت و مصیبت یکساں ہے، امر و نہی پر عمل ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا، وہ سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں لیکن اگر کوئی بات وہ گوارا نہیں کر سکتے تو یہ محبوب کے وصال سے محرومی ہے۔ ہجر و فراق کی گھڑی عاشق پر بھاری ہوتی ہے۔

مشکل ترین صبر

کہا جاتا ہے کہ ایک شخص شیخ شبلیؒ کے پاس آیا اور آپ سے پوچھا کہ کون سا صبر، صبر کرنے والوں پر سب سے مشکل اور گراں ہے؟ حضرت شیخ شبلیؒ نے فرمایا "**الصبر فی اللہ**" (اللہ کے سوا سب سے رک جانا) اس شخص نے کہا "نہیں"۔ آپ نے فرمایا "**الصبر مع اللہ**" اس شخص نے کہا "نہیں" آپ نے پھر فرمایا "**الصبر للہ**" اس شخص نے کہا "جی! یہ بھی نہیں" یہ سن کر شیخ شبلیؒ کہنے لگے پھر تم ہی بتاؤ وہ کون سا صبر ہے؟ اس شخص نے کہا وہ "**الصبر عن اللہ**" ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ جواب سن کر شیخ شبلیؒ نے اتنے زور سے چیخ ماری کہ معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی جان نکل جائے گی۔ (عوارف المعارف للشیخ شہاب الدین سہروردی)

یہ ہے بھی حقیقت کہ اپنی کٹھن منزلوں کے اعتبار سے عاشقوں کے صبر کے مقابلہ میں عبادت گزاروں کا صبر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

حضرت مولانا غوث علی شاہؒ پانی پتی نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص

کسی عاشق درویش کی خدمت میں جاتا' ان کی صحبت میں بیٹھا رہتا اور اپنی کوئی مراد یا حاجت پیش نہ کرتا۔ ایک روز وہ درویش پوچھنے لگے کہ تم روزانہ آتے ہوئے اور بیٹھ کر چلے جاتے ہوں' ہر کوئی اپنی مراد اور حاجت پیش کرتا ہے' دعا کے لئے کہتا ہے مگر تم نے کبھی کچھ نہیں کہا' آخر تم کس لئے آتے ہو؟ وہ شخص کہنے لگا کہ حضور! میں تو عشق کی چنگاری لینے آتا ہوں' میں فقط یہ چاہتا ہوں کہ مجھے عشق کی آگ لگ جائے۔ یہ سن کر وہ مرد درویش چپ ہو رہے۔

کچھ دنوں بعد انہوں نے دوبارہ پوچھا اس شخص نے کہا کہ میرا تو بس ایک ہی مطالبہ ہے۔ وہ بزرگ پھر چپ ہو رہے۔ اسی طرح کچھ دنوں کے بعد انہوں نے پھر پوچھا تو اس شخص نے اپنا مطالبہ دھرایا کہ مجھے عشق کی چنگاری چاہئے اور کچھ نہیں چاہئے۔ اس پر وہ بزرگ کہنے لگے کہ کل جنگل میں فلاں جگہ جانا وہاں ایک شخص پڑا ہوا نظر آئے گا۔ اگلے دن آکر مجھے اس کی حالت بتانا۔

اگلے دن وہ شخص جنگل میں اس مقام پر گیا تو دیکھا کہ وہاں پر ایک شخص پڑا ہوا ہے جس کا سر' بازو اور ٹانگیں دھڑ سے جدا پڑے تڑپ رہے ہیں اور خون کے فوارے نکل رہے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر وہ شخص واپس بزرگ کے پاس آیا اور لوگوں کے جانے کے بعد بزرگ سے کہنے لگا کہ میں نے دیکھا ہے اس شخص کا ہر عضو' دھڑ سے جدا ہے اور تڑپ رہا ہے۔ یہ سن کر اس درویش نے کہا کہ عاشقوں کا یہ حال ہوتا ہے اگر یہ حال قبول ہے تو عشق کی چنگاری دے دیتے ہیں۔

وہ لوگ جو عشق و محبت کا دعویٰ نہیں کرتے ان سے محبوب اور طرح پیش آتا ہے اور جب وہ عشق و محبت کا دعویٰ کریں تو محبوب کا وطیرہ بدل جاتا ہے۔ اب وہ اور طرح آزماتا ہے۔ انہی عشق و محبت والوں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ	اور ہم تم کو کچھ خوف سے' کچھ بھوک سے' کچھ مالوں' جانوں اور پھلوں کے نقصان سے آزمائیں گے۔

(البقرہ' ۲:۱۵۵)

جو عشق و محبت کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں آزمائش کی بھٹی پر چڑھا دیا جاتا ہے
اور خوف و بھوک کے ساتھ مال و جان اور دوسری نعمتوں میں کمی کر کے آزمایا جاتا ہے
تاکہ معلوم ہو کہ یہ لوگ اپنے دعویٰ محبت میں کہاں تک سچے ہیں۔

صابرین کی جزا

اوامر و نواہی پر عمل کرتے ہوئے تکالیف برداشت کرنا، ہر قسم کی خوشی اور غم پر صبر کرنا، بڑے بڑے مصائب کو برداشت کرنا، محبوب حقیقی سے وصال کی محرومی اور ہجر و فراق کے لمحوں میں صبر کرنا، الغرض صبر کے تمام مراحل اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہیں چنانچہ صابرین کی جزا بیان کرتے ہوئے قرآن پاک کہتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ	بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے
(البقرہ، ۲: ۱۵۳)	ساتھ ہے۔

چنانچہ وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہو جاتی ہے
بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ارشاد فرمایا

أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ	ایسے لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے نوازشیں ہیں اور رحمت
(البقرہ، ۲: ۱۵۷)	ہے۔

صبر کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نچھاور کی جاتی ہے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں بھوک کی تکلیف برداشت کر کے صبر پر پورا اترتے ہیں، ہر قسم کے جان و مال کے خوف کی کٹھن منزلوں سے گزرتے ہیں، جو زندگی کی ہر متاع عزیز لٹا دیتے ہیں مگر اللہ کی خوشنودی کے حصول کی منزل ان کی نظروں سے کبھی اوجھل نہیں ہوتی۔ یہ لوگ اس بات کے مستحق ہو جاتے ہیں کہ ان پر رحمتوں کا نزول ہو اور وہ منزل مراد کو پالیں۔

(۲) مرحلۂ توکل

جب انسان صبر کے درجات سے آگے بڑھتا ہے تو مقام توکل میں داخل ہو

جاتا ہے۔ شیخ ابو علی الرودباری ؒ نے توکل کے تین مدارج بیان کئے ہیں۔
(الغنیۃ لطالبی طریق الحق للشیخ عبدالقادر جیلانیؒ ۲: ۱۹۰)

پہلا درجہ۔ عطا پر شکر اور منع پر صبر

دوسرا درجہ۔ منع اور عطا کا ایک ہو جانا

تیسرا درجہ۔ منع پر شکر کا محبوب ہو جانا

پہلا درجہ۔ عطا پر شکر اور منع پر صبر

صبر کی منازل طے کرنے کے بعد توکل کا جو درجہ شروع ہوتا ہے وہ ہے "**اذا اعطی شکر و اذا منع صبر**" عطا کئے جانے پر شکر اور رد کئے جانے پر صبر کرنا یعنی جب بندے کو نعمت ملے تو بندہ شکر بجالائے اور نعمت چھن جانے پر صبر کرے۔

دوسرا درجہ۔ منع اور عطا کا ایک ہو جانا

توکل کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ بندہ اس طرح ہو جائے کہ "**المنع و العطاء عندہ واحد**" یعنی منع اور عطا اس کے نزدیک ایک ہو جائے۔ توکل کے اس درجہ میں منع اور عطا دونوں باتیں اس بندے کے برابر ہو جاتی ہیں۔

پہلے درجہ میں ملنے اور چھن جانے میں فرق تھا کہ ملنے پر تو بندہ اللہ کا شکر ادا کرتا تھا مگر نعمت کے چھن جانے پر صبر کرتا تھا مگر توکل کے اس دوسرے درجہ میں بندہ دونوں صورتوں میں شکر ادا کرتا ہے، کوئی نعمت ملے بھی تو شکر ادا کرتا ہے اور اگر کوئی نعمت چھن جائے تو بھی شکر ادا کرتا ہے۔

تیسرا درجہ۔ منع پر شکر کا محبوب ہو جانا

توکل کا تیسرا درجہ ہے "**المنع مع الشکر احب الیہ**" کہ بندے کے لئے کسی نعمت کے چھن جانے پر شکر کرنا محبوب ہو جائے۔

جب کوئی نعمت چھن جاتی ہے اور بندہ سوچتا ہے کہ محبوب اس چیز کے چھن جانے پر راضی ہے تو یہ تصور کر کے وہ جھوم جھوم اٹھتا ہے اور اس نعمت کے چھن جانے پر اسے وہ لذت، سرور اور لطف آتا ہے جو کسی نعمت کے عطا ہونے پر نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔ کبھی وہ کوئی نعمت عطا کر کے آزماتا ہے اور کبھی کوئی نعمت چھین کر آزماتا ہے۔ دوسرے طریقے کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی آزمائش کرتا ہے۔ بندہ جب سوچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بڑی آزمائش کے لئے منتخب کیا ہے تو یہ سوچ کر اسے جو مزہ اور کیف و سرور حاصل ہوتا ہے وہ اس خوشی و مسرت سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے جو کسی نعمت کے عطا کئے جانے پر ہوتی ہے۔ اس بناء پر بندے کو نعمت چھن جانے پر اللہ کا شکر ادا کرنا زیادہ محبوب ہو جاتا ہے۔

مختلف اولیاء اور اہل اللہ اپنے اپنے حال اور کیفیت کے اعتبار سے توکل کے کسی نہ کسی درجے پر ہوتے ہیں چنانچہ کتب تصوف میں دو بزرگوں کی ملاقات کا واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ بلخ کے ایک نوجوان نے مجھے لاجواب کر دیا۔ ہوا یوں کہ وہ نوجوان حج کے سفر کے دوران ہمارے پاس بھی آیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ "زہد" کسے کہتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہمیں جو کچھ مل جاتا ہے وہ کھا لیتے ہیں۔ اگر نہیں ملتا تو صبر کر لیتے ہیں۔ اس نوجوان نے کہا ہمارے بلخ کے کتے بھی یہی کرتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے پوچھا' "تمہارے نزدیک زہد کیا ہے؟" اس نے کہا "جب ہمیں کچھ نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں اور اگر کچھ مل جاتا ہے تو اس کو دوسروں پر صرف کر دیتے ہیں۔" اس کی یہ بات سن کر میں لاجواب ہو گیا۔

(عوارف المعارف للشیخ شہاب الدین سہروردیؒ)

ایک حکایت

توکل کی وہ کیفیت کہ جہاں چھن جانے پر زیادہ لطف اور کیف آتا ہے اس کیفیت سے متعلق ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ مجنوں کو خبر ملی کہ لیلیٰ بیمار ہو گئی ہے اور طبیبوں نے اس کی از سر نو صحت یابی کے لئے تازہ خون کی فراہمی کی شرط کو لازم قرار دیا ہے۔ مجنوں کشاں کشاں لیلیٰ کے ہاں پہنچا اور ہر روز مکمل صحت یابی تک اپنا تازہ خون لیلیٰ کو دیتا رہا۔ لیلیٰ نے صحت یابی کے بعد بطور شکرانہ خیرات کرنے کا

فیصلہ کیا اور کچھ کھانا تیار کر کے یہ اعلان کیا کہ شہر کے فقراء و مساکین اور درویش آ کر کھانا کھالیں چنانچہ شہر بھر کے فقراء و مساکین اور درویش آ پہنچے ان میں مجنوں بھی شامل تھا جس نے جان پر کھیل کر لیلیٰ کی صحت یابی کا سامان کیا تھا۔ مجنوں کاسہ گدائی لئے دروازے پر بنی قطار میں اپنی باری کا منتظر رہا۔ لیلیٰ بلا امتیاز و تخصیص ہر بڑھنے والے کاسہ کو معمور کرتی رہی مگر جب مجنوں کی باری آئی اور اس نے اپنا کاسہ خیرات کے لئے آگے کیا تو لیلیٰ نے الٹا ہاتھ مار کر کاسہ نیچے گرا کر توڑ دیا اور پھر دوسرے فقیروں کو خیرات دینے میں مصروف ہو گئی۔ مجنوں نے ٹوٹے ہوئے کاسہ کے ٹکڑے اٹھائے اور دیوانہ وار ناچنے لگا۔ لوگوں نے کہا کہ تو واقعی پاگل ہے کیونکہ بھری بزم میں لیلیٰ نے تیری بے عزتی کی ہے اور تو ہے کہ اسے عزت افزائی سمجھ کر جھوم رہا ہے۔ مجنوں نے کہا نادانو! پاگل میں نہیں بلکہ تم ہو۔ لیلیٰ کو میری ذات سے کوئی خاص تعلق ہے تبھی تو اس نے میرا پیالہ توڑا ہے کسی اور کا پیالہ کیوں نہیں توڑا۔ توڑنے کے لئے اس نے میرے ہی پیالے کا جو انتخاب کیا ہے وہ لیلیٰ کے میرے اور تمہارے ساتھ تعلقِ خاطر کی نوعیت کو واضح کرتا ہے۔

یہ تو عشق مجازی والوں کا حال ہے کہ ان سے بھی جب محبوب کوئی چیز چھین لے تو انہیں زیادہ سرور آتا ہے تو ان لوگوں کی خوشی اور کیف و مستی کا کیا حال ہوتا ہو گا جو عشق حقیقی کے مسافر ہیں۔ ان سے ان کا محبوب حقیقی کوئی نعمت چھین لے کہ وہ تو محبوب حقیقی کی خصوصی توجہ کے تصور سے ہی جھوم جھوم جاتے ہیں۔ ان کی نظر چھنی ہوئی نعمت پر نہیں ہوتی بلکہ محبوب کی خوشی اور رضا پر ہوتی ہے۔

متوکّلین کی جزا

انسان صبر کی منازل اور مدارج طے کر کے مرحلہ توکل میں داخل ہوتا ہے۔ صبر کے سبب سے بندے کو اللہ کی معیت حاصل ہو چکی ہوتی ہے۔ خدائے عزوجل کے درود، رحمتوں اور برکتوں کا نزول بھی اس پر پہلے ہی ہو چکا ہوتا ہے لیکن توکل کے سبب سے اسے اللہ کی محبت کا مژدہ جانفزا سنایا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ　　　بیشک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔
(آل عمران، ۳:۱۵۹)

یہ متوکلین کے لئے بشارت ہے کہ اے توکل کرنے والو! صبر کی نعمتیں تو تم پہلے ہی اللہ تعالٰی کی بارگاہ سے پا چکے ہو، اب توکل کے سبب سے ہم تمہیں اپنی بارگاہ میں محبوب کرلیتے ہیں گویا متوکلین اللہ تعالٰی کی محبت سے سرفراز کئے جاتے ہیں۔

(۳) مرحلۂ رضا

صبر کی منازل اور مدارج طے کرنے کے بعد انسان جب توکل کی منزلوں کو بھی عبور کرلیتا ہے تو پھر مرحلہ رضا کا آغاز ہوتا ہے۔ بہت سے اولیاء ایسے ہو گزرے ہیں جو مرحلہ صبر کی کٹھن منزلوں ہی میں رک گئے۔ کچھ خوش نصیب ایسے بھی ہوئے جنہوں نے صبر کی منازل تو عبور کرلیں مگر وہ مرحلہ توکل میں جاکر رک گئے اور بہت کم ایسے ہوئے ہیں جو صبر کے بعد توکل کی منازل بھی عبور کر گئے اور مرحلہ رضا میں داخل ہو گئے۔

توکل کی طرح مرحلہ رضا کے بھی تین درجے ہیں۔ یہ درجات حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "غنیۃ الطالبین" میں حضرت شیخ ذوالنون مصری" کے حوالے سے بیان فرمائے ہیں۔　　　(الغنیۃ لطالبی طریق الحق، ۲:۱۹۸)

۱۔ ترک الاختیار قبل القضاء

۲۔ سرور القلب بمر القضاء

۳۔ فقدان المرارۃ بعد القضاء

۱۔ ترک الاختیار قبل القضاء

مرحلہ رضا کا پہلا درجہ "ترک الاختیار قبل القضاء" ہے یعنی جب قضا کی چھری چلنے لگے اور بچنے کا اختیار بھی ہو تو اختیار رکھتے ہوئے بھی خود کو قضا سے نہ بچایا جائے۔

ایک صورت یہ ہے کہ انسان کچھ نہ کر سکے اور ذبح ہو جائے۔ اس مقام کو رضا نہیں کہتے۔ رضا تو یہ ہے کہ انسان خود کو بچانے کا اختیار رکھتا ہو، خود کو بچانے پر

قادر ہو لیکن پھر بھی قضا کی چھری گوارا کرے۔

۲۔ سرور القلب بمر القضاء

مرحلہ رضا کا پہلا درجہ یہ تھا کہ قضا کی چھری چلنے سے پہلے اختیار کے باوجود بندہ خود کو نہ بچائے مگر جب قضا کی چھری چل رہی ہو' تقدیر اپنا فیصلہ سنا رہی ہو' بندے کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جا رہے ہوں۔ تقدیر اسے تکالیف' مصائب و آلام کے پہاڑوں تلے دبا رہی ہو اور ہر قسم کی پریشانیاں اور اذیتیں امڈی چلی آ رہی ہوں' مصیبتوں اور تکلیفوں کی انتہاء کے باوجود بندہ دل میں سرور و لذت پا رہا ہو تو یہ مرحلہ رضا کا دوسرا درجہ ہے۔

۳۔ فقدان المرارۃ بعد القضاء

مرحلہ رضا کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ جب قضاء کی چھری چل جائے اور سب کچھ لٹ جائے انسان اپنے انجام کو پہنچ جائے اور کچھ بھی باقی نہ بچے تو بعد میں کبھی بھول کر بھی زبان پر شکوہ نہ لائے' کبھی دل میں یہ خیال نہ آئے کہ میرا انجام بظاہر کیسا ناگوار ہوا' میرے ساتھ کیسا ظلم ہوا اور کتنی تکالیف' مصائب اور آلام مجھے برداشت کرنا پڑے تھے۔

مقام رضا۔۔۔ایک کٹھن منزل

مقام رضا تک رسائی اور استقامت ایک ایسا کٹھن مرحلہ ہے جہاں بڑے بڑے اولیاء کے قدم بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔ حضرت شاہ غوث گوالیاریؒ جو کہ کامل اولیاء اللہ میں سے تھے اور مقام رضا پر فائز تھے ان کے بارے میں منقول ہے کہ قلعہ گوالیار کے گورنر نے انہیں کہا کہ شام تک ریاست گوالیار کی حدود سے باہر نکل جائیں۔ جب وہ اپنے خاندان کے افراد اور مریدین کو لے کر گوالیار سے نکلے تو ہندو لٹیروں نے یہ جان کر کہ ہمیں روکنے والا کوئی نہیں' پیچھے سے حملہ کر دیا اور لوٹ مار شروع کر دی۔ حضرت شاہ محمد غوث گوالیاریؒ کے گھوڑے پر ان کے پیچھے ان کی نو سالہ نواسی سوار تھی جس کے کانوں میں سونے کی بالیاں تھیں۔ ڈاکو لوٹ مار کرتے ہوئے حضرت کے

گھوڑے تک آ پہنچے اور ایک ڈاکو نے آپ کی نواسی کے کانوں سے بالیاں جو نوچیں تو معصوم بچی کے کان چر گئے۔ درد کے مارے بچی کی چیخ نکل گئی تو حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری ؒ سے مقام رضا پر مزید ٹھہرے رہنا مشکل ہو گیا چنانچہ آپ نے بے اختیار اپنی چھڑی کو ہوا میں لہرایا تو تمام ڈاکوؤں کے سر قلم ہو کر زمین پر آ رہے۔

اگر وہ چاہتے تو ڈاکوؤں کے سر قلم کرنے کی کرامت پہلے بھی دکھا سکتے تھے۔ اگر چاہتے تو ڈاکوؤں کو پہلے ہی نیست و نابود کر سکتے تھے لیکن وہ رضا پر ثابت قدم رہے مگر جب انہوں نے اپنی معصوم نواسی کی چیخیں سنیں اور اسے خون میں لت پت دیکھا تو مقام رضا پر سے ان کے قدم ڈگمگا گئے اور انہوں نے اپنی چھڑی لہرا کر ڈاکوؤں کے سر قلم کر دیئے۔

اسی طرح امام نبہانی ؒ **"جامع کرامات اولیاء"** میں بیان کرتے ہیں کہ شیخ احمد شربنی ؒ ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں جو کہ مقام رضا پر فائز تھے۔ ان کا ایک چھوٹا سا اکلوتا بچہ تھا۔ جب وہ معصوم بچہ فوت ہونے لگا تو آپ کی بیوی آپ کی خدمت میں آکر رونے لگی اور عرض کرنے لگی کہ آپ کی تو اللہ سے لو لگی ہوئی ہے مگر میرا اکلوتا بیٹا میری محبت کا مرکز و محور ہے۔ اگر میری گود اس سے خالی ہو گئی تو میرا جینا محال ہو جائے گا لہٰذا آپ میرے بیٹے کی زندگی کے لئے اپنے مولا کے حضور دعا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے مولا کی رضا پر راضی ہوں اگر میرا مولا میرے بیٹے کی جان لے کر خوش ہے تو میں بھی اس پر خوش ہوں۔ آپ کی بیوی روتی رہی' منت سماجت کرتی رہی مگر آپ کا دل اللہ کی رضا پر جما رہا۔ اسی دوران ملک الموت بچے کی روح قبض کرنے کے لئے آ گیا۔ جب روح قبض کرنے کے لئے ملک الموت نے ہاتھ بڑھایا' بچے پر حالت نزع طاری ہوئی تو بچے کی یہ حالت شفقت پدری سے دیکھی نہ گئی۔ آپ ؒ کے قدم مقام رضا سے لڑکھڑا گئے۔ اسی وقت نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا' تصرف کا یہ عالم تھا کہ اللہ کی بارگاہ میں التجا کے انداز میں دیکھنے کی دیر تھی کہ لوح محفوظ پر تقدیر بدل گئی۔ آپ نے ملک الموت سے فرمایا :

ارجع الی ربک فان حکم موتہ قد نسخ	اے ملک الموت! اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔ بچے کی موت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔
(جامع کرامات اولیاء' ۱:۲۹۶)	

حضرت امام حسینؓ اور مقام رضا

حضور اکرم ﷺ کی امت کے ایک ولی کا روحانی تصرف یہ ہے کہ اگر وہ نگاہ اٹھائے تو رب کریم اس کی خاطر تقدیر کو بدل دے اور موت کو زندگی سے تبدیل فرما دے اور حضرت امام حسینؓ کہ جن کی شان یہ ہے کہ اگر لاکھوں کروڑوں ولی اللہ جمع ہو جائیں تو ان کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔ امام حسینؓ اگر نگاہ اٹھاتے تو خدا جانے کیا سے کیا ہو جاتا۔ اگر آپ چاہتے تو قافلہ حسینؓ بچ جاتا' یزیدی لشکر تباہ ہو جاتا' کوفہ و بصرہ میں آپ کا اقتدار ہوتا مگر یہ سب مقام رضا کے منافی تھا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ امت مصطفوی ﷺ میں بڑے بڑے اولیاء کے قدم مقام رضا کی کٹھن منزلوں پر ڈگمگا گئے مگر نواسۂ رسول ﷺ اور جگر گوشہ بتولؓ کے قدم مقام رضا کی منزل پر نہیں ڈگمگائے۔ میدان کربلا میں آفتاب کی تمازت سے تپتے ہوئے ریگزار پر شہادت کی کٹھن منزلوں پر آپ کامیاب و کامران دکھائی دیتے ہیں۔ آپ مرحلہ رضا کے تینوں مدارج پر کامیاب ہیں۔ مرحلہ رضا کا پہلا درجہ یہ تھا کہ علم ہو پھر بھی قضا کو قبول کر لیا جائے اور اختیار رکھتے ہوئے خود کو نہ بچایا جائے' چنانچہ متعدد احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ حضرت امام حسینؓ بے خبری کی حالت میں شہید نہیں کر دیئے گئے۔ (ان احادیث کا ذکر سابقہ ابواب میں ہو چکا ہے)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے بچپن سے جانتے تھے کہ میری شہادت میدان کربلا میں لکھی جا چکی ہے۔ وہ تو وقت شہادت' مقام شہادت اور احوال شہادت تک سے باخبر تھے۔ اگر وہ چاہتے تو یزید کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی قضا سے چھٹکارا پا لیتے' اگر چاہتے تو خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کر کے اس قضا سے فرار کا راستہ اختیار کر لیتے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا کہ آپ عاشقوں میں سے تھے۔ آپ کی زندگی کے کئی برس' تو

محبوب کے وصال کے انتظار میں بیت گئے تھے۔ آپؓ نے تو بچپن سے اپنے نانا جان ﷺ سے سن رکھا تھا کہ کربلا کے میدان میں رب ذوالجلال کا بے حجاب نظارہ کرایا جائے گا۔ کتنا بڑا صبر تھا کہ آپ نے پچاس برس کی زندگی ہجر و فراق کی کٹھن منزلوں میں گزار دی۔

آپ مقام رضا کے پہلے مرحلے پر یوں پورے اترے کہ سب کچھ جانتے ہوئے یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ یزید کی اتباع کا پیغام ملا مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ آپ کے قدم کشاں کشاں میدان کربلا کو بڑھتے چلے گئے۔ وہ جانتے تھے کہ جام شہادت ان کا انتظار کر رہا ہے۔ آپ نے آگے بڑھ کر جام شہادت نوش کیا اور عزم و استقلال کے ساتھ اپنے محبوب حقیقی کی بارگاہ تک جا پہنچے۔

مرحلہ رضا کا دوسرا درجہ "سرور القلب بمر القضاء" ہے کہ جب تقدیر کی چھریاں چل رہی ہوں تو بندے کو کڑواہٹ کا احساس نہ ہو بلکہ وہ لذت اور میٹھاپن محسوس کرے۔ مقام رضا کے اس دوسرے درجے پر حضرت امام حسینؓ یوں پورے اترتے نظر آتے ہیں کہ ایک لمحے کے لئے بھی ان کی زبان سے شکوہ سنائی نہیں دیتا۔ وہ زبان سے دشمنوں کے آگے درخواست کرتے دکھائی نہیں دیتے' چیخ و پکار اور آہ و فغاں کا کوئی کلمہ بلند ہوتا سنائی نہیں دیتا اور خانوادۂ اہل بیت کے خیموں سے ماتم کی آواز نہیں آتی کہ خانوادۂ نبوت کا ہر ہر فرد صبر کا دودھ' توکل کا پانی اور رضا کی خوراک کھا کر جوان ہوا تھا۔ یہ کیسے ماتم کناں ہو سکتے تھے؟ یہ تو خوشی سے شہادت قبول کر رہے تھے۔ بچے' جوان' بیبیاں سبھی تو شہادت پر خوش تھے کہ یہ ان کی کامیابی اور امتحان میں سرخرو ہونے کا وقت تھا۔ چنانچہ قضا کی چھری چلتی رہی' خانوادۂ رسول ﷺ کا ایک ایک فرد گردن کٹواتا رہا' جام شہادت نوش ہوتے رہے یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جس کا قدسیان فلک انتظار کر رہے تھے۔ جس کے نظارے کو چشم فلک ترس رہی تھی۔ نواسۂ رسول ﷺ اپنے ساتھیوں کی قربانی دینے اور سینکڑوں یزیدیوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد بالآخر تیروں اور نیزوں سے جسم چھلنی کروا کر گھوڑے سے نیچے گرے' اس دوران ظہر کا وقت ہو گیا اور اسی گھڑی کے حضرت امام حسینؓ منتظر تھے۔ انہوں نے

تلوار زمین پر رکھ دی' اپنے خون آلود ہاتھ ریگزار کربلا پر مار کر گرم ریت کے ساتھ تیمم کیا، تیمم کے ساتھ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کی' قیام اور رکوع تک کوئی بدبخت حسینؓ ابن علیؓ کے قریب نہ آسکا' ادھر حسینؓ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوئے ادھر قاتل کی تلوار گردن حسینؓ پر لگی اور ملک الموت نے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ مژدہ جانفزا سنایا۔

يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (الفجر' ۸۹:۲۷)

اے وہ نفس جس نے اطمینان حاصل کر لیا تو اپنے رب کی طرف واپس چل اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

اے حسینؓ! تو اپنے امتحان رضا میں کامیاب ہو گیا تو ہم پر راضی تھا۔ ہم تیری گردن کو کٹتے دیکھ کر تجھ پر راضی ہو گئے لہٰذا تو رضا بالقضاء کا تاج پہن کر بصد ناز میری بارگاہ میں حاضر ہو جا۔

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (الفجر' ۸۹:۲۹'۳۰)

پھر تو میرے (برگزیدہ) بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ رضا کے تیسرے درجے میں بھی کامیاب و کامران رہے۔ تیسرا درجہ یہ تھا کہ سب کچھ لٹا دینے کے بعد بھی زبان پر شکوہ نہ آئے اور امام عالی مقام تو سب کچھ چھینے جانے کے بعد خوش و خرم اللہ کی بارگاہ اور اپنے نانا ﷺ کے قدموں میں پہنچ چکے تھے۔ اب ان کے لئے تو زبان پر شکوہ لانے کا یا پریشانی کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔

کردار کی عظمت

واقعہ کربلا کی تفصیلات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ مقام رضا پر نہ صرف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ثابت قدم رہے بلکہ آپؓ کے گھرانے کے باقی افراد بھی آپؓ

ہی کی طرح کوہ استقامت و وقار بن کر ثابت قدم رہے اور ان کے قدموں میں ذرا سی بھی لغزش نہیں آئی۔ بعد میں بھی کبھی کسی شخص نے خانوادۂ نبوت ﷺ کے کسی فرد سے میدان کربلا کے مصائب کا ذکر نہیں سنا۔ ان کی زبان پر کبھی شکوہ نہیں آیا بلکہ انہوں نے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بھی حسن سلوک کیا۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ واقعہ کربلا کے بعد مدینہ منورہ سے کچھ دور ایک مقام پر آباد ہو گئے تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں سے ایک شخص کو یزید نے کسی غلطی کی سزا دینا چاہی تو وہ جان بچا کر بھاگا۔ پوری سلطنت میں اسے جانے بچانے کی کوئی جگہ نہ ملی تو وہ بالآخر اسی گھرانے کے پاس چلا آیا جس گھرانے کے خون سے وہ میدان کربلا میں ہولی کھیل چکا تھا۔ وہ شخص حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور پناہ چاہی۔ آپؒ نے اسے تین دن اپنے پاس ٹھہرایا۔ اس کی خدمت اور تواضع کرتے رہے اور جب وہ رخصت ہونے لگا تو اسے رخت سفر بھی دیا۔ یہ حسن سلوک دیکھ اس شخص کے باہر جاتے ہوئے قدم رک گئے' اسے خیال آیا کہ شاید امام زین العابدینؒ نے اسے پہچانا نہیں اگر پہچان لیتے تو شاید یہ سلوک نہ کرتے اور انتقام لیتے' چنانچہ وہ مڑ کر واپس آیا اور دبے لفظوں میں کہنے لگا کہ اے عالی مقام! آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں ہے۔ آپؒ نے پوچھا کہ تمہیں یہ گمان کیونکر گزرا کہ میں نے تمہیں پہچانا نہیں' اس نے عرض کیا کہ جو سلوک آپ نے میرے ساتھ کیا ہے کبھی کوئی اپنے دشمنوں اور قاتلوں کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرتا۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ مسکرا پڑے اور فرمانے لگے کہ ظالم! میں تجھے میدان کربلا کی اس گھڑی سے جانتا ہوں جب میرے باپ کی گردن پر تم لوگ تلوار چلا رہے تھے لیکن فرق یہ ہے کہ وہ تمہارا کردار تھا اور یہ ہمارا کردار ہے۔

باب ششم

واقعہ کربلا کی دینی اہمیت

اسلامی سال کا آغاز ماہ محرم الحرام سے ہوتا ہے اور ماہ ذوالحجہ پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔ محرم الحرام سے اس کا آغاز اور ذوالحجہ پر اختتام ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اسلامی زندگی کا سفر شروع بھی قربانی سے ہوتا ہے اور ختم بھی قربانی پر ہوتا ہے گویا ایک مسلمان کی تمام زندگی قربانی سے عبارت ہے۔

ذوالحجہ کا مہینہ ہمارے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عشق الٰہی کا بے پناہ جذبہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آرزوئے شہادت کا نقشہ پیش کرتا ہے اور محرم الحرام کا مہینہ امام الشہداء سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کے عملی واقعہ کی جانب دعوت دیتا ہے۔ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو حضرت اسماعیلؑ اللہ تعالٰی کی خوشنودی اور رضا کی خاطر اپنا سر چھری کے نیچے رکھ دیتے ہیں مگر یہ سر تن سے جدا ہونے سے پہلے ہی درجہ قبولیت حاصل کرلیتا ہے اور محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف اپنی بلکہ اپنے جگر گوشوں، بھائیوں اور عزیزوں کی گردنیں اپنے مولا کی بارگاہ میں پذیرائی کے لئے کٹا دیتے ہیں۔

محرم الحرام میں امام عالی مقام سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خانوادۂ نبوت اور اپنے اصحاب (جن کی اختلاف روایات سے زیادہ سے زیادہ تعداد ایک سو پینتالیس بنتی ہے) کے ساتھ میدان کربلا میں اللہ کے دین کی سربلندی اور ظالمانہ، فاسقانہ اور آمرانہ نظام کے خلاف جہاد کا علم بلند کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ مستورات مقدسہ اور سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر باقی سب مقدس نفوس جام شہادت نوش فرما گئے۔ یہ تاریخ انسانیت کی ایک بہت بڑی قربانی ہے جو ماہ محرم الحرام میں پیش آئی اور اللہ تعالٰی نے اسے امت مسلمہ کے لئے تا ابد اسلام کے شعائر میں داخل فرما دیا ہے۔

واقعہ کربلا ---- کیا محض ایک تاریخی واقعہ ہے؟

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات اور

شہادت کا اہتمام کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ واقعہ کربلا اور شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کو محض تاریخی واقعات میں سے ایک واقعہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح بہت سے لوگ مظالم کا شکار ہوئے ' ان پر آفات و بلیات اور مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے اور بالآخر انہوں نے شہادت پائی۔ اسی طرح شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی محض ایک تاریخی واقعہ ہے اس سے بڑھ کر اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

یہ ایک خاص رجحان ہے جو پچھلے ایک خاص عرصہ سے پیدا ہوا ہے اور واقعہ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بیان عملاً اور شعوری طور پر ترک کیا جانے لگا ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ واقعہ کربلا اور شہادت امام حسینؓ کا ذکر شیعیت کی طرف رغبت ہے اور یہ اہل تشیع کا کام ہے کہ وہ واقعہ کربلا اور شہادت امام حسینؓ کو بیان کریں۔ علاوہ ازیں واقعہ کربلا اور شہادت امام حسینؓ کو بیان کرنے کی کوئی بھی اہمیت نہیں ہے۔

قرآن پاک کا الحمد سے والناس تک اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن پاک میں مختلف قسم کے مضامین یا علوم بیان ہوئے ہیں۔ یہ مضامین اور علوم درج ذیل ہیں۔

۱۔ علم العقائد

۲۔ علم الاحکام

۳۔ علم التذکیر

علم التذکیر کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ علم التذکیر بالموت و بعد الموت

۲۔ علم التذکیر باآلاء اللہ

۳۔ علم التذکیر باایام اللہ

گویا کل مضامین قرآن یا علوم قرآن کی تعداد پانچ ہے۔

۱۔ علم العقائد

۲۔ علم الاحکام

۳۔ علم التذکیر بالموت و بعد الموت

۴۔ علم التذکیر بآلاء اللہ

۵۔ علم التذکیر بایام اللہ

اب ہم قرآن پاک کے ان علوم خمسہ اور ان کے فوائد کے متعلق کچھ بیان کرتے ہیں۔

(۱) علم العقائد

قرآن پاک کے کچھ مضامین اور علوم کا تعلق عقائد سے ہے یعنی توحید، رسالت، آخرت، ملائکہ، حیات بعد الممات، قیامت کے دن کا انعقاد، جنت، دوزخ اور تقدیر وغیرہ کے موضوع پر آیات ملتی ہیں۔ مختصراً یہ ہے کہ ان آیات میں ہمارے ایمان اور عقائد کی بنیاد ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ نے علم العقائد کو علم المخاصمہ کا نام دیا ہے کہ قرآن پاک میں عقائد حقہ کو بیان کرنے کے بعد عقائد باطلہ کے ساتھ ان کا موازنہ بھی کیا گیا ہے مثلاً ہمارا عقیدہ توحید کا ہے جبکہ عیسائی تثلیث کے قائل ہیں۔ چنانچہ دونوں عقائد کا قرآن مجید میں موازنہ کیا گیا ہے اور تثلیث کا بطلان کرتے ہوئے توحید کو ثابت کیا گیا ہے اسی طرح کچھ لوگ مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ جی اٹھنے کے منکر ہیں۔ قرآن پاک نے اس عقیدے کا رد کیا ہے۔ قرآن مجید کے عقیدہ حق کے احقاق اور عقیدہ باطل کے ابطال کی بنا پر حضرت شاہ ولی اللہ ؒ محدث دہلوی نے علم العقائد کو علم المخاصمہ کا نام دیا ہے۔

علم العقائد کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کو اپنے افکار، نظریات، معتقدات اور خیالات استوار کرنے کا اسلوب ملتا ہے۔

(۲) علم الاحکام

مضامین قرآن میں سے ایک مضمون اور علوم قرآن میں سے ایک علم، علم

الاحکام ہے۔ قرآن پاک کی بعض آیات سے ہمیں نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' نکاح و طلاق اور حلال و حرام وغیرہ کے مسائل کا پتہ چلتا ہے۔ ان آیات میں شرعی احکام کہ جن کو ہم قوانین سے تعبیر کرتے ہیں ان کا بیان ہوتا ہے۔

علم الاحکام کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس سے انسان کو اپنی زندگی ایک خاص ڈگر پر ڈالنے اور چلانے کا درس ملتا ہے۔

(۳) علم التذکیر

مضامین اور علوم قرآن میں سے ایک علم التذکیر ہے۔ علم التذکیر سے مراد ایسے مضامین کا بیان ہے جن کے پڑھنے اور سننے سے انسان کو نصیحت حاصل ہو۔ علم التذکیر میں ایسے مضامین بیان کئے جاتے ہیں جن کو پڑھنے یا سننے کا اثر انسان کے دل اور روح پر ہوتا ہے۔ انسان کے دل میں خوف الٰہی' آخرت کی فکر' اللہ کی محبت' خشوع و خضوع اور تواضع وانکساری پیدا ہوتی ہے جبکہ تکبر اور رعونت جیسے خصائل رذیلہ انسان کے اندر سے ختم ہو جاتے ہیں۔ نفس کے رذائل اور خرابیوں سے انسان پاک ہو جاتا ہے۔ نفس کی تہذیب ہوتی ہے اور انسان کو اچھے اخلاق نصیب ہوتے ہیں۔ الغرض علم التذکیر کے ذریعے انسان کو مختلف اعتبارات سے نصیحت ملتی ہے۔

علم التذکیر کی تین صورتیں ہیں۔

ا۔ علم التذکیر بالموت و بعد الموت

ب۔ علم التذکیر باآلاء اللہ

ج۔ علم التذکیر باایام اللہ

(ا) علم التذکیر بالموت وبعد الموت

قرآن پاک میں متعدد جگہوں پر موت کا ذکر ملتا ہے۔ کبھی اہل ایمان کی موت کا ذکر ہے تو کبھی کفار کی موت کا ذکر ہے پھر اہل ایمان کی موت کے بعد اللہ تعالٰی کے انعامات جو اہل ایمان پر ہوتے ہیں ان کا ذکر ہے اور کافروں کی موت کے بعد جس عذاب الٰہی میں وہ اپنی نافرمانی کے سبب سے مبتلا ہوتے ہیں اس کا ذکر ہے۔ اہل ایمان کی

موت کے بعد انعامات اور نافرمانوں کی موت کے بعد عذاب کا ذکر اس لئے ہوتا ہے کہ ترغیب و ترہیب دونوں طریقوں سے انسان کو ایمان، نیکی اور بھلائی کی طرف رجوع نصیب ہو۔

(ب) علم التذکیر بآلاء اللہ

اللہ تعالیٰ نے مختلف جگہوں اور قوموں پر مختلف وقتوں میں جو انعامات، احسانات اور نعمتیں نازل فرمائی ہیں قرآن پاک میں ہمیں ان کا جابجا ذکر ملتا ہے مثلاً بنی اسرائیل کو قرآن پاک میں یوں مخاطب کیا گیا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ

(البقرہ، ۲:۴۷)

اے بنی اسرائیل! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور (اس خصوصی نعمت کو بھی کہ) میں نے تم کو عالمین پر فضیلت دی۔

پھر فرمایا

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ

(البقرہ، ۲:۴۹)

اے (آل یعقوب یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے رہائی دی جو تم کو سخت عذاب دیتے تھے۔ تمہارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

(البقرہ، ۲:۵۷)

اور (یاد کرو کہ فرعون کے غرق ہونے کے بعد جب تم شام کو روانہ ہوئے اور میدان تیہ میں سرگرداں پھرتے تھے تو) ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا

اور تمہارے لئے من و سلوئی اتارا۔
تم ہماری دی ہوئی پاک چیزوں سے
کھاؤ۔

اسی طرح انسان کے اوپر اللہ تعالٰی نے دن اور رات، پھلوں اور خوراک، زندگی کی مختلف آسائشوں کے حوالے سے جو نعمتیں ارزاں کی ہیں قرآن پاک میں ہمیں ان نعمتوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان نعمتوں کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ انسان کے اندر تواضع، انکساری اور شکر کا مادہ پیدا ہو کیونکہ جب انسان کو یہ پتہ چلتا ہے کہ اسے جو طرح طرح کی نعمتیں میسر ہیں یہ تمام کی تمام اس کے رب کریم کی عطا ہیں اس میں انسان کا ذاتی کوئی کمال یا خوبی نہیں ہے تو اس میں ضرور تواضع اور تشکر کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔

(ج) علم التذکیر بایام اللہ

اس سے مراد ایسے ادوار اور واقعات کا ذکر کرنا ہے جن کو پڑھ کر اور سن کر انسان دلی طور پر متاثر ہو۔ اس میں ایسے واقعات ذکر کئے جاتے ہیں جن میں حق اور باطل باہم برسرپیکار ہوئے ہوں اور نتیجتاً طاعت گزاروں پر انعام کیا گیا ہو اور نافرمانوں کو سزا دی گئی ہو۔ ایسے واقعات سے بعض انسانوں کے دلوں کو حوصلہ اور بعض کو نصیحت و ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

واقعہ کربلا ---- مضامین قرآن سے ایک مضمون

واقعہ کربلا مضامین قرآن میں سے ایک مستقل مضمون ہے جس کا تعلق التذکیر بایام اللہ سے ہے یعنی ایسے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے کہ جس کو بیان کرنے سے انسان کو نصیحت اور ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ اس سے درس اور سبق کے طور پر بہت کچھ اخذ ہوتا ہے۔ واقعہ کربلا ان واقعات میں سے ایک ہے جنہیں سن کر انسان کا دل شکستہ اور روح متاثر ہوتی ہے۔

ہم قرآن حکیم کا مطالعہ کریں تو ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات کا

ذکر ملتا ہے جس میں آپ کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح کرنے کا پورا واقعہ تفصیلات اور جزئیات کے ساتھ موجود ہے۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرھم کے واقعات قرآن پاک نے بیان کئے ہیں۔ سورۃ یوسف پوری میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ تفصیلاً موجود ہے۔ بچپن میں بھائیوں کا ناروا سلوک، آپ کو خواب آنا، سوتیلے بھائیوں کا ساتھ لے کر شکار کے لئے جانا، جنگل میں بے آباد کنویں میں گرانا، ایک قافلے کا آپ کو کنویں سے نکال کر مصر لے جانا، مصر کے بازار میں بیچنا، آپ کا جوان ہونا، عزیز مصر کی بیوی کا آپ پر فریفتہ ہو کر مطالبہ وصال کرنا، نہ ماننے کی صورت میں اس کا آپ پر تہمت لگانا اور قید میں ڈال دینا، قید میں آپ کے ہمراہی دو قیدیوں کا خواب دیکھنا اور تعبیر کے لئے یوسف علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنا، آپ کا خوابوں کی تعبیر بیان کرنا علیٰ ہذا القیاس سورۃ یوسف ان واقعات سے بھری پڑی ہے۔

وہ لوگ جو قرآن پاک کو صرف مسائل اور احکام کا سرچشمہ سمجھتے ہیں اور جن کے نزدیک مسائل و احکام کے علاوہ کسی اور چیز کے بیان کرنے یا سننے میں کچھ افادیت نہیں ہے ان کے لئے مقام غور ہے کہ وہ سورہ یوسف علیہ السلام کو پڑھیں اور دیکھیں کہ اس سورۃ میں کتنے مسائل اور احکام کا ذکر آیا ہے۔ کتنے فرائض، واجبات اور سنن کا ذکر ہے اور کتنے حلال و حرام بیان کئے گئے ہیں؟ لامحالہ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن حکیم محض مسائل اور احکام کے ذکر کا نام نہیں ہے اور یہ نقطہ نظر قائم کر لینا کہ وہی چیز مفید ہے اور وہی چیز شریعت ہے جن میں احکام کا بیان ہو اور مسائل کا ذکر ہو، دین کے حوالے سے انتہائی تنگ نظری ہے۔

قرآن حکیم میں محض مسائل اور احکام کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ واقعات کا بیان کرنا بھی مضامین قرآن میں سے ایک مستقل مضمون ہے اور اس چیز سے انکار ممکن

نہیں ہے کہ واقعات کے پڑھنے یا سننے سے کئی طرح کی نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں، کئی مقامات ایسے آتے ہیں جہاں دل پر چوٹ لگتی ہے، کہیں کوئی چھوٹی سی ندا آتی ہے اور جھنجوڑ جاتی ہے، کبھی آنکھیں چھلک پڑتی ہیں، کئی بار دل رقیق ہو جاتا ہے، ضمناً احکامات اور مسائل بھی آ جاتے ہیں، کبھی صاحب واقعہ کی عظمت ذہن پر آشکار ہوتی ہے۔ الغرض ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں جو ایک واقعہ کی تفصیل سے میسر آتی ہیں۔

صالحین کے واقعات

قرآن مجید نے اپنے نازل ہونے کے دور سے پہلے کے جو واقعات بیان کئے ہیں وہ صرف انبیاء علیہم السلام کے ہی نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے بھی واقعات بیان کئے ہیں مثلاً اصحاب کہف کے واقعہ کو ہی لیں۔ اصحاب کہف انبیاء تو نہیں تھے بلکہ صلحاء، مومنین اور صاحب اخلاص تھے۔ قرآن پاک نے ان کے واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے ساتھ ان کا کتا بھی تھا۔ قرآن بیان کرتا ہے کہ وہ نکلے تو کتا ان کے ساتھ ہو لیا۔ وہ غار میں جا کر لیٹ گئے۔

وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ
(الکہف، ۱۸:۱۸)

اور ان کا کتا چوکھٹ (غار کے دہانے پر) اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے (بیٹھا) تھا۔

قرآن پاک نے ان کے کتے کے انداز نشست کو بیان کیا ہے۔ اگر کتے کا ذکر ضمناً آیا ہوتا تو کتے کے بیٹھنے کے انداز کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی مگر قرآن حکیم اس کتے کے بیٹھنے کے انداز کو بیان کر رہا ہے۔

وہ لوگ جن کی نظر قرآن حکیم کے مضامین کی وسعتوں اور حکمتوں پر نہیں ہوتی اور جو معاملات کو تنگ نظری سے دیکھتے اور فیصلہ کرتے ہیں ان کے لئے لازم ہے کہ وہ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ کتے کے اسلوب نشست کو بیان کرنے کی کیا حکمت ہے؟ یہی نہیں بلکہ جب قرآن حکیم اصحاب کہف کی تعداد بیان کرتا ہے تو یوں کہتا ہے۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًاۢ بِالْغَيْبِ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ

(الکھف ۱۸: ۲۲)

لوگ (تو یونہی) کہتے رہیں گے کہ وہ تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ ان کی اٹکل پچو باتیں ہیں (گویا بغیر نشانہ پر نظر کئے پتھر مار رہے ہیں) اور بعض کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ کو یہ اسلوب تکلم اپنانے کی کیا ضرورت تھی جبکہ اگر چند آدمیوں کا ایک وفد جا رہا ہوں اور ان کے ساتھ ان کا کتا بھی ہو پھر کوئی پوچھے کہ وفد میں کتنے آدمی ہیں تو جواب میں یہ نہیں کہا جائیگا کہ وہ سات آدمی ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے بلکہ سوال کے مطابق صرف آدمیوں کی تعداد بتائی جائے گی۔

قرآن پاک کا ہر بار بدل بدل کر اصحاب کہف کی تعداد بیان کرنا اور ہر بار ان کے ساتھ ان کے کتے کا ذکر کرنا اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ یہ اسلوب خالی از حکمت نہیں ہے۔ اگر عقل، فکر اور سوچ کو قرآن حکیم کے مضامین اور دین کا معیار مقرر کریں تو معاذ اللہ قرآن حکیم کے وہ تمام بیان جہاں واقعات کا ذکر آیا ہے بے فائدہ، عبث اور خالی از حکمت ہو جائیں گے اور قرآن مجید کے کسی جزو کو بے فائدہ خیال کرنا کفر ہے۔

اصحاب کہف کے واقعہ کو اگر دوسرے پہلو سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس واقعہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان بندوں کی عظمتوں کا حال بیان کر رہا ہے کہ وہ تین سو نو سال تک غار میں سوئے رہے اور زندہ رہے۔ سورج چڑھتا مگر انہیں دھوپ سے بچانے کے لئے راستہ چھوڑ کر دائیں طرف ہو جاتا تھا اور غروب کے وقت بائیں طرف ہو جاتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ

اور (اے پیارے رسول ﷺ)

عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ
(الکہف ۱۸:۱۷)

آپ سورج کو دیکھیں گے کہ وہ جب نکلتا ہے تو ان کے غار سے داہنی جانب بچ کر نکلتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو ان سے بائیں جانب کترا (کر نکل) جاتا ہے اور وہ اس غار کے ایک کشادہ میدان میں تھے۔

یہ سب اللہ کی قدرتیں اور نشانیاں ہیں کہ تین سو نو سال تک اصحاب کہف کے ساتھ ان کا کتا بھی غار میں کھائے پئے بغیر زندہ رہا۔

حکمت و بصیرت کی نگاہ سے قرآن پاک کا مطالعہ کریں تو اس کی ہر ہر آیت سے حکمت و معرفت کے ہزارہا چشمے پھوٹتے نظر آتے ہیں مثلاً اگر یہ غور کریں کہ اصحاب کہف کے واقعہ میں کتے کا ذکر بار بار کیوں کیا گیا ہے تو نکتہ محبت سمجھ میں آ جائے گا کہ کتے کا بار بار ذکر کر کے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اگر کتا بھی نیکوں کے ساتھ لگ جائے اور ان کی سنگت کو اپنالے تو وہ بھی فیض سے خالی نہیں رہتا۔

غرضیکہ قرآن پاک میں بے شمار واقعات ہیں کہ اگر بصیرت و حکمت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ہر واقعہ میں فائدہ کی باتیں ہیں لیکن اگر بصیرت و حکمت نہ ہو تو وہ واقعہ محض ایک واقعہ ہی نظر آئے گا۔

گزرے ہوئے واقعات کا ذکر کرنا قرآن حکیم کی سنت ہے لیکن وہ واقعات جو نزول قرآن کے بعد رونما ہونا تھے وہ قرآن حکیم میں تو ذکر ہو نہیں سکتے تھے لہٰذا ان کے بارے میں قرآن حکیم نے ایک اصول اور ضابطہ دے دیا جو یوں ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ سے سالوں پہلے کے واقعات اجمالاً یا تفصیلاً بیان کئے اور بتایا کہ پہلوں کے واقعات ذکر کرنا نہ صرف درست اور بے غبار طرز عمل ہے بلکہ اس سے دلوں میں خوف و خشیت اور عظمت و نصیحت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔اس طرح ضابطہ یہ ہوا کہ وہ واقعات جو نزول قرآن کے بعد پیش آئیں گے ان کو پڑھنا اور ذکر کرنا بھی

درست ہو گا۔ گویا قرآن کریم یہ تعلیم دے رہا ہے کہ بعد میں پیش آنے والے واقعات کی طرف بھی متوجہ ہونا اور انہیں بیان کرتے رہنا۔ اس سے تمہیں ہدایت اور نصیحت ملے گی۔

واقعہ کربلا ---- واقعہ اصحاب کہف سے عجیب تر

اصحاب کہف کا واقعہ قرآن حکیم میں مذکور ہوا ہے۔ یہ واقعہ بڑا عجیب ہے کہ اس میں اصحاب کہف تین سو نو سال سوئے رہنے کے بعد دوبارہ جاگ پڑے اور ان کے کتے کے ساتھ بھی یہی کیفیت و صورت حال پیش آئی۔ یہ واقعہ اگرچہ عظیم واقعات میں سے ہے جن کا ذکر قرآن حکیم نے کیا ہے مگر واقعہ کربلا واقعہ اصحاب کہف سے بھی عجیب تر ہے۔

حضرت منہال بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ شہادت امام حسین ؓ کے بعد آپ کا سر اقدس نیزے پر چڑھا کر یزید کے کہنے پر دمشق کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ یہ قافلہ دمشق کے بازار سے گزرا تو حضرت منہالؒ بن عمرؓ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دمشق کا ایک شخص حضرت امام حسین ؓ کے سر مبارک کے آگے آگے چلتا جا رہا تھا اور قرآن مجید تلاوت کر رہا تھا۔ جب وہ سورہ کہف کی یہ آیت تلاوت کر رہا تھا:

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا

(الکھف ۱۸: ۹)

کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار (میں پناہ لینے) والے اور کتبہ والے (یعنی رقیم کے لفظ سے یاد کئے جانے والے) یہ ہماری (قدرت کی) نشانیوں میں سے عجوبہ چیز تھے۔

تو اس لمحے

فانطق الله الراس فقال اعجب من اصحب الكهف قتلى و حملى

اللہ تعالیٰ نے سر (حسینؓ) کو زبان عطا فرما دی اور وہ سر بولا کہ میرا قتل اور (نیزے پر) اٹھایا جانا اصحاب کہف (کے واقعہ) سے عجیب تر ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل کیا جانا اور آپ رضی اللہ عنہ کے سر اقدس کا نیزے پر چڑھا کر دمشق کے بازاروں میں پھرائے جانا یقیناً اصحاب کہف کے واقعہ کی نسبت عجیب تر ہے۔

واقعہ کربلا ---- ایمان میں پختگی کا سبب

قرآن حکیم نے انبیاء کرام علیہم السلام اور صلحاء کے فقط تذکرے پڑھنے کا حکم بھی دیا چنانچہ سورہ مریم میں ہے

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا

(مریم' ۱۹:۴۱)

اور (اس) کتاب (قرآن پاک) میں (جو) ابراہیم کا حال (مذکور ہو چکا ہے) وہ بھی سنا دیجئے بے شک وہ بہت ہی سچے نبی تھے۔

ایک دوسرے مقام پر باری تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا

(مریم' ۱۹:۱۶)

اور اس کتاب قرآن مجید میں مریم کا حال لوگوں سے بیان فرمایئے جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر ایک ایسے مکان میں گئیں جو مشرق کی جانب تھا۔

مذکورہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام جو کہ ایک نبی اور جد الانبیاء تھے اور حضرت مریمؑ جو کہ ایک صالحہ خاتون تھیں ان کے ذکر کو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ انبیاء اور صلحاء کے واقعات کو پڑھنے کا حکم دینے کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان نیک لوگوں کی زندگی کے احوال' ان کے تذکرے' معاملات' ان کے لئے راہ حق میں آنے والے مصائب و آلام اور مشکلات اور اس پر ان کا صبر و استقامت اور صبر و استقامت پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول وغیرہ پڑھتا ہے تو اس سے انسان کے ایمان کو مضبوطی اور پختگی نصیب ہوتی ہے۔ اس کے ایمان میں استقامت آ جاتی ہے۔ اسے حوصلہ ملتا ہے کہ جب اتنے برگزیدہ بندوں پر ایسے ایسے مصائب و آلام اور مشکلات آئیں اور اللہ نے

انہیں بڑی بڑی تکالیف اور آزمائشوں کے بعد اپنی رضا اور خوشنودی کی منزلوں پر سرفراز فرمایا تو ہمیں ان لوگوں کے سیدھے راستے پر چلتے ہوئے صبرو استقامت کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ

(البقرہ ۲: ۱۵۵)

اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے ڈر' بھوک سے مالوں' جانوں اور پھلوں کی کمی سے۔

اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو اور اللہ کا بندہ کہلوانے والو! صدقِ دل سے عظمت خداوندی کا اعتراف کر کے دنیا کے جھوٹے خداؤں کو پاش پاش کرنے والو! اگر تم نے اللہ تعالیٰ سے اپنی بندگی کا تعلق قائم کر لیا ہے تو اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہاری بندگی کو آزمائے گا۔ بازار سے برتن خریدتے ہوئے خوب ٹھونک بجا کر دیکھتے ہو کہ کچا' ٹوٹا ہوا یا ناقص تو نہیں چاہے معمولی اہمیت کا ہی ہو۔ تم اس پر معمولی رقم ضائع کرنا گوارا نہیں کرتے' وہ رب جو رضا کے بدلے میں تمہاری جانوں کا سودا کر رہا ہے اور بے شک ایسے بندے بھی ہیں جن کی جانیں اللہ تعالیٰ خرید لیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ

(البقرہ ۲: ۲۰۷)

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ کی مرضی چاہنے میں اپنی جان بیچ دیتے ہیں۔

تو کیا خیال ہے وہ اللہ بنا آزمائے اپنی رضا کے لئے خرید لے گا؟ تمہیں نہیں یقیناً نہیں! تو پھر کیوں نہ تمہیں بھوک کے ذریعے ٹھونک بجا کر دیکھے اور کبھی جان و مال کی کمی کے ذریعے آزمائے اور جب وہ جانچ کے مطلوبہ معیار پر پورا اترے اور ہر آزمائش میں کامیاب ہو جائے تو بندے کو اللہ تعالیٰ اپنی آغوش رحمت و رضا میں لے لے گا۔ بلا تشبیہ و بلا تمثیل اس خریدار کی طرح جو اپنے پسندیدہ برتن کو بخوشی خریدتا

ہے اور بغل میں داب کر چل دیتا ہے۔

پس بندے کو اپنا بنانے سے پہلے اللہ تعالٰی مختلف آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ کائنات کے سامنے اس کی شخصیت کا یہ پہلو آئے کہ میرا یہ بندہ پیٹ بھرنے پر تو میرا شکر ادا کرتا تھا بھوک میں بھی میرا شکر ادا کرتا ہے؟ جب اس کے پاس نعمتیں اور آسائشیں تھیں اور کوئی کھٹکا نہ تھا اس وقت تو میرا ذکر کرتا تھا اب جب کہ یہ خوف وہراس میں مبتلا ہے' اس کا مال و جان اور عزت خطرے میں ہے' یہ میرا ذکر کرتا ہے یا نہیں؟ یہ مجھ سے راضی ہے یا شاکی؟ اللہ تعالٰی نقص اموال و انفس و ثمرات (مالوں' جانوں اور نعمتوں کی کمی) کے ذریعے آزماتا ہے۔ اس کی آزمائش کے مختلف طریقے ہیں۔ کبھی دے کر آزماتا ہے' کبھی لے کر آزماتا ہے' جب اپنے بندے کو مختلف حالات میں مبتلا کر کے دیکھتا رہتا ہے کہ اب اس کا کیا ردعمل ہے اور اچھی طرح سے اپنے بندے کی آزمائش کرلیتا ہے' پرکھ لیتا ہے تو پھر فرماتا ہے

وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

(البقرہ' ۲: ۱۵۵' ۱۵۶)

اور خوشخبری سنا دیجئے ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اے میرے صابر بندو! تمہیں خوشخبری ہو' تم میرے ایسے بندے ہو کہ جب تمہیں کوئی مصیبت آتی ہے تو تم کہتے ہو کہ ہمیں اپنے اللہ تعالٰی کی ہر آزمائش قبول ہے کہ ہم تو اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ خوش ہو جاؤ کہ زندگی میں صرف امتحان ہی امتحان' آزمائشیں ہی آزمائشیں اور دکھ ہی دکھ نہیں ہیں بلکہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا کے مصداق ہر تنگی کے بعد فراخی ہے۔ یہ تنگی اور فراخی کا سلسلہ چلتا رہے گا۔

ان صفات سے مزین و متصف لوگوں کے لئے اللہ نے فرمایا

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کے

وَرَحۡمَةٌ   درود اور رحمت ہے۔

(البقرہ‘ ۲:۱۵۷)

سب آزمائشوں اور مرحلوں سے کامیاب گزرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمتوں اور برکتوں کی بارش کر دیتے ہیں‘ بلندی درجات اور بلندی ذکر کی نعمت سے نواز دیتے ہیں۔ انہیں اپنا قرب عطا کرتے اور اپنی رحمت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔

وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ   اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

(البقرہ‘ ۲:۱۵۷)

کہ سب کچھ عطا کرنے کے بعد ہدایت کا آخری درجہ دیتے ہوئے اسے بازو سے پکڑ کر منزل مراد تک لا کھڑا کرتے ہیں۔

باب ہفتم

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ

امت مسلمہ کے نام ایک پیغام

جب سے اس عالم آب و گل میں معاشرتی سلسلہ کی بنیاد پڑی ہے اور معاشرے کو ایک نظم میں مختلف نظام ہائے سیاست کے تحت چلایا جانے لگا ہے اس وقت سے اقتدار و انحطاط کا سلسلہ بھی چل رہا ہے۔ ایک وقت میں اگر کوئی صاحب اقتدار ہوتا ہے اور اس کی شہرت و فرمانروائی کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہوتا ہے تو پھر وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اسے مسند اقتدار سے محروم کر کے ذلت و گمنامی کے اندھیروں میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ دور اقتدار میں صاحب اقتدار کو خیال بھی نہیں آتا کہ کل یہی منصب کسی دوسرے کی مسند سے اس کا منہ چڑا رہا ہو گا حالانکہ اس نے اپنا دھن دولت اور آرام و چین اور جسمانی و ذہنی صلاحیتیں اسی منصب کے لئے داؤ پر لگا کر اسے حاصل کیا ہوتا ہے اور اسی اقتدار کو وہ انتہائی اور ابدی کامیابی قرار دے رہا ہوتا ہے۔

دنیوی کامیابی اصل کامیابی نہیں

وہ لوگ جنہیں اللہ اس دنیا کی عارضی اور فانی زندگی میں اقتدار عطا کرتا ہے تو وہ نشہ اقتدار میں بدمست ہو کر اکڑ جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ شاید ہم ابدی کامیابی سے ہمکنار ہو گئے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ (آل عمران ' ۱۹۶)	اور (اے مسلمان) کافروں کا (بے فکری کے ساتھ) ملک میں آنا جانا تجھ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔

اس دنیائے فانی میں کسی کا بظاہر کامیاب نظر آنا اور اقتدار حاصل کر لینا' اصل کامیابی نہیں۔ مذکورہ آیہ کریمہ میں باری تعالیٰ برملا اعلان فرما رہے ہیں کہ اے بندہ مومن! یہ کافر بدبخت ' ظالم ' فاسق و فاجر ' منافق اور طاغوت صفت لوگ جو زمین پر نشہ اقتدار کے باعث اکڑ اکڑ کر چلتے ہیں ان کا کچھ لمحوں اور کچھ دنوں کے لئے اپنی

چالوں میں کامیاب نظر آنا تجھے اس مغالطہ میں مبتلا نہ کر دے کہ یہ کامیاب ترین لوگ ہیں۔ ان کا زمین پر رعونت اور تکبر سے چلنا پھرنا تو محض اس لئے ہے کہ اللہ ان کو ڈھیل دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کا وقت آئے گا تو یہ نیست و نابود کر دیئے جائیں گے اور ایسے ذلیل و رسوا کئے جائیں گے کہ آنے والی نسلوں میں ان کا نام و نشان عبرت کے طور پر لیا جائے گا۔ قرآن حکیم نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ مزید فرمایا

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ
(آل عمران' ۳:۱۹۶)

(ان کے) یہ (دنیاوی) فائدے تھوڑے ہی دنوں کے لئے پھر (آخر کار) ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

بتایا جا رہا ہے کہ ظالم و فاسق لوگوں کا کچھ وقت کے لئے اقتدار کے نشے میں بدمست ہونا تمہیں ان کی کامیابی کا مغالطہ نہ دے کیونکہ ان کے یہ دنیاوی فوائد تو چند روزہ ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ گرفت فرمائیں گے تو یہ سب مال و متاع اور جاہ و حشمت دھری رہ جائے گی اور یہ لوگ دوزخ کی بھڑکتی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور آخرت کے ساتھ ان کی دنیا بھی جہنم زار بنا دی جائے گی نتیجہ یہ کہ ان کا انجام اور ٹھکانہ بہت برا ہو گا۔

بے شمار لوگ ایسے ہوئے کہ جو کرسی اقتدار پر بیٹھ کر تکبر کرتے رہے اور اپنے زعم باطل میں خدا بن بیٹھے کہ ہم پوری دنیا پر ہمیشہ کے لئے مقتدر اعلیٰ ہو گئے ہیں مگر ان کا انجام یہ ہوا کہ وہ نہ صرف اس جھوٹی خدائی کے تخت سے ہٹائے گئے بلکہ انہیں اسی دنیا میں پھانسی پر لٹکایا گیا' ذلیل و رسوا کیا گیا اور نیست و نابود کر دیا گیا۔ کسی شاعر نے ایسے ہی نشہ اقتدار میں بدمست حکمران کے لئے کیا خوب کہا ہے۔

؎ تم سے پہلے بھی کوئی شخص یہاں تخت نشیں تھا
اس کو بھی خدا ہونے کا اتنا ہی یقیں تھا

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی ....

نشہ اقتدار میں بدمست وہ حکمران جو یزیدی اور فرعونی روش اختیار کر رہے ہیں' اپنے چند روزہ اقتدار کے نشہ میں متکبر ہو چکے ہیں اور اپنی چالوں پر گھمنڈ کرتے ہیں۔ انہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ دنیوی اقتدار ابدی کامیابی نہیں ہے۔ یہ تو رب ذوالجلال کی طرف سے ڈھیل ہے جو شخص اللہ کے دین سے بغاوت کرتا ہے' قوت ربانی کو کچلنے کی کوشش کرتا ہے چند دنوں کے لئے اسے ڈھیل دی جاتی ہے تاکہ وہ ظلم میں اپنی انتہاء اور بدبختی میں اپنی حد کو پہنچ لے۔ جب اس کا ظلم اپنے انجام کو پہنچتا ہے اللہ تعالیٰ کا عذاب اور گرفت آتی ہے' اسے نیست و نابود کر دیا جاتا ہے اور آنے والی نسلوں میں اس کا نام تک لینے والا کوئی نہیں ہوتا۔

یزید کہ جس نے دنیا کی چند روزہ حکومت اور اقتدار کی خاطر اپنے ایمان کا سودا کرتے ہوئے خانوادۂ رسول ﷺ پر ظلم کی انتہاء کر دی اور کربلا کے تپتے ہوئے ریگزار میں بھوک اور پیاس سے نڈھال اہل بیت نبوت اور ان کے انصار میں سے ستر افراد کو شہید کیا تھا اسی یزید پر وہ وقت بھی آیا کہ لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ستر افراد کے بدلے میں تقریباً ایک لاکھ ستر ہزار یزیدیوں کو قتل کیا گیا۔

یزید کہ جس نے مدینہ طیبہ میں گھوڑوں اور اونٹوں کا لشکر بھیجا تھا' تین دن تک مسجد نبوی ﷺ اور روضہ رسول ﷺ پر لشکر کے گھوڑوں کو باندھا گیا اور تین دن تک مسجد میں نمازیں اور جماعتیں معطل رہیں اس پر وہ وقت بھی آیا کہ اس کی قبر پر اونٹ اور گھوڑے باندھے گئے جہاں وہ گندگی پھیلاتے تھے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کا خانوادہ خود تو شہید ہو گئے مگر اسلام کو زندگی عطا کر گئے' خود تو دنیا سے رخصت ہو گئے مگر امت کو جینا سکھا گئے

پیغام شہادت حسین رضی اللہ عنہ

شہادت حسینؓ ہمیں دو طرح کا پیغام دیتی ہے۔

۱۔ عملی جدوجہد کا پیغام

۲۔ امن کا پیغام

(۱) عملی جدوجہد کا پیغام

شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کا پہلا پیغام عملی جدوجہد کا پیغام ہے۔ محبت حسینؓ، تعلق حسین رضی اللہ عنہ اور نسبت حسینؓ کو رسمی نہ رہنے دیا جائے بلکہ اسے عمل، حال اور حقیقت میں بدل دیا جائے، اسے حقیقی زندگی کے طور پر اپنایا جائے یہی نسبت اور تعلق ہمارا اوڑھنا بچھونا ہو۔ اس نسبت اور تعلق کو حقیقی زندگی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ پہچان لیا جائے کہ یزیدی کردار کیا ہے اور حسینی کردار کیا ہے؟

یزید نے اسلام کا کھلا انکار نہیں کیا تھا اور نہ ہی بتوں کی پوجا کی تھی۔ مسجدیں بھی مسمار نہیں کی تھیں۔ وہ اسلام کا نام لیتا تھا، بیعت بھی اسلام پر لیتا تھا، وہ یہ بھی کہتا تھا کہ میں نماز پڑھتا ہوں، اسلام کا کھلا انکار تو ابولہبی ہے، یزیدیت یہ ہے کہ اسلام کا نام بھی لیا جائے اور اسلام سے دھوکہ بھی کیا جائے، اسلام کا نام لیا جائے اور امانت میں خیانت بھی کی جائے، نام اسلام کا لیا جائے اور آمریت مسلط کی جائے، اپنے سے اختلاف کرنے والوں کو کچلا جائے اور اسلام کے مقدس نام کو پامال کیا جائے۔ یزیدیت، اسلام سے منافقت، دجل اور فریب کا نام ہے۔ اسلامی نظام کے ساتھ دھوکہ کرنے، امانتوں میں خیانت کرنے، بیت المال میں خیانت کرنے اور قومی ذرائع اور دولت کو اپنے تعیشات پر خرچ کرنے کا نام یزیدیت ہے۔

روح حسینؓ آج ہم سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ میری محبت کا دم بھرنے والو! میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میری محبت رسمی ہی ہے یا میری محبت میں آج تم پھر کوئی معرکہ کربلا برپا کرتے ہو۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میری محبت میں آج تم پھر وقت کے یزیدوں کو للکارتے ہو یا نہیں۔ روح حسینؓ آج پھر دریائے فرات کو رنگین دیکھنا چاہتی ہے، آج پھر ایک نیا معرکہ کربلا برپا ہوتا دیکھنا چاہتی ہے اور تمہارے صبر واستقامت کا امتحان لینا چاہتی ہے۔ روح حسینؓ دیکھنا چاہتی ہے کہ کون اسلام کا جھنڈا سربلند کرتے

ہوئے تن من دھن کی بازی لگاتا ہے' کون ہے جو مجھ سے حقیقی پیار کرتا ہے۔

شہادت امام حسینؓ کا سبق یہ ہے کہ دیکھو! کیا تمہارے دور کے حکمران اسلام کا نام لینے میں مخلص ہیں؟ کیا وہ اسلامی نظام کو نافذ کرنے اور بپا کرنے میں مخلص ہیں؟ کہیں وہ اسلام کی امانت میں خیانت تو نہیں کر رہے یا اسلامی نظام کے نفاذ میں دھوکہ تو نہیں کر رہے؟ اگر وہ اسلام کا نام بھی لیتے ہیں اور منافقت اور دجل و فریب بھی کرتے ہیں تو جان لو کہ ان کا کردار یزیدیت کا کردار ہے۔ حسینیت کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں جہاں تمہیں یزیدیت کے کردار کا نام و نشان نظر آئے' حسینی لشکر کے غلام اور فرد بن کر یزیدیت کے بتوں کو پاش پاش کر دو۔ اس کے لئے خواہ تمہیں اپنا مال' اپنی جان اور اپنی اولادیں ہی کیوں نہ قربان کرنی پڑیں۔

(۲) امن کا پیغام

اہل ایمان کے لئے شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا دوسرا پیغام' امن کا پیغام ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ جب نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا مہینہ آتا ہے تو پورے پاکستان اور امت مسلمہ کے لئے فسادات کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ گولیاں چلنے لگتی ہیں' کرفیو نافذ ہونے لگتا ہے' قتل و غارت گری ہوتی ہے' ایک دوسرے کے گلے کاٹے جاتے ہیں' جنگ اور فتنہ و فساد کا ایک عجیب ماحول بن جاتا ہے' غیر مسلموں کے لئے مسلم قوم وجہ استہزاء بن جاتی ہے' غیروں کے نزدیک مسلمان نہ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر متفق ہیں' نہ صحابہ اور اہل بیت پر' ان کا قرآن پر اتفاق ہے نہ اسلام پر' بلکہ یہ تو ایسی امت ہے جو امن پر بھی متفق نہیں ہے آخر کس منہ سے ہم عالم کفر کے سامنے اسلام کی بات کریں اور انہیں اسلام کی دعوت دیں

سنی شیعہ اختلاف میں اعتدال کی راہ

موجودہ دور میں یہ بات بڑی توجہ طلب اور اہمیت کی حامل ہے کہ سنی اور شیعہ کے مابین اختلاف کو اعتدال پر کیسے رکھا جائے تاکہ امت میں وحدت' یگانگت اور

یک جہتی کا تصور پیدا ہو۔

امت مسلمہ میں وحدت' یگانگت اور یک جہتی کا تصور پیدا کرنے اور اسے تباہی وہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ سنی اور شیعہ کے مابین اختلاف اعتدال پر رہے۔ آج جس طرح امت میں وحدت' یگانگت اور یک جہتی کے تصور کو پارا پارا کیا جارہا ہے اور سنی شیعہ اختلاف کو ہوا دے کر اس امت کو تباہی کے گڑھے میں دھکیلا جارہا ہے اس کا انجام بڑا عبرت ناک اور اذیت ناک ہو گا۔

نسبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ----- ایمان کا مرکز و محور

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ایمان کا مرکز و محور ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا

(الفتح' ۲۹:۴۸)

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں (لیکن) آپس میں رحم دل ہیں (اے دیکھنے والے) تو ان کو رکوع سجدہ میں دیکھے گا جس سے ان کی مراد اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی کی طلب ہے۔

اس آیت کریمہ میں صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کا ذکر اجمالاً اور اشارتاً مذکور ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام میں ایمان کے مرکز ومحور اور مسلمانوں کی پہچان کے طور پر جس نسبت کو بطور عنوان متعین فرمایا ہے وہ **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** ہے کہ "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں"۔ آپ کا ذکر اسلام اور ایمان کا مرکز و محور کے طور پر لیا گیا ہے۔ اس کے بعد جس کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مفسرین کے اختلافی اقوال کی روشنی میں صحابہ کرام' اہل بیت اطہار اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم لئے جا سکتے ہیں جس سے وہ تفسیر بھی مراد لی جا سکتی ہے جو اہل سنت و جماعت

نے کی ہے اور وہ تفسیر بھی جو شیعہ حضرات کرتے ہیں۔ ان دونوں تفسیروں کو سامنے رکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ خواہ صحابہ کرام‘ خلفاء راشدین یا اہل بیت اطہار جو بھی مراد ہوں اس کو **والذین معہ** کا عنوان دیا گیا ہے گویا اس بات کا اعلان کیا جا رہا ہے کہ وہ لوگ جو محمد ﷺ کے ساتھ ہیں اور جنہیں آپ کی سنگت حاصل ہے اور معیت نصیب ہے ان کی شان یہ ہے کہ وہ کافروں اور دین کے دشمنوں پر سخت ہیں اور آپس میں رحم دل‘ شفقت‘ مودت اور الفت کے پیکر ہیں۔

مذکورہ کیفیت تو دین کے دشمنوں اور اہل ایمان کے حوالے سے ہے مگر رات کی تنہائی میں انہیں دیکھو تو وہ مصلوں پر سراپا نیاز اور دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے مولا کی بارگاہ جلال میں سراپا اطاعت بنے سجدہ ریز نظر آتے ہیں۔ ہر وقت وہ عبادت و اطاعت کا پیکر بنے رہتے ہیں۔ انہیں ہر وقت اپنے مولا کو راضی کرنے کی فکر رہتی ہے۔ ہر وقت یہی تمنا دامن گیر رہتی ہے کہ اللہ کا دیدار نصیب ہو جائے‘ اس کا قرب‘ فضل اور خوشنودی حاصل ہو جائے۔

یہ سیرت و کردار‘ یہ صفتیں اور خصلتیں بے شک صحابہ کرامؓ‘ خلفائے راشدینؓ اور اہل بیت اطہارؓ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان مقدس ہستیوں کی شناخت **والذین معہ** کہہ کر کروائی ہے کہ ان تمام کی شناخت اور پہچان یہ ہے کہ یہ آقائے دوجہاں ﷺ کی سنگت اور صحبت والے ہیں۔ دوسرے لوگوں سے ان کی انفرادیت اور امتیاز یہ ہے کہ انہیں آپ کی رفاقت نصیب ہوئی ہے۔ الغرض صحابہؓ کرام‘ صحابہ تب بنے جب انہیں حضور نبی اکرم ﷺ کی سنگت ملی۔ اگر انہیں آپ کی سنگت نصیب نہ ہوتی تو وہ اور سب کچھ ہو سکتے تھے مگر صحابی نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ عالم و فاضل‘ شہید‘ غازی‘ عبادت گزار‘ متقی اور پرہیزگار ہو سکتے تھے بہت سی فضیلتوں‘ کمالات‘ درجات اور مراتب کے حامل تو ہو سکتے تھے مگر صحبت رسول ﷺ میسر نہ آنے کے سبب سے صحابیت کے شرف سے مشرف نہیں ہو سکتے تھے۔

اہل بیت پاکؓ اور صحابہؓ کرام کی پہچان----- حضور ﷺ کی نسبت سے

مذکورہ آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی رسالت بیان کرنے کے بعد آپ کی سنگت والوں کا حال بیان کیا ہے کہ جو میرے محبوب ﷺ کی صحبت میں بیٹھنے والے ہیں ان کی فلاں فلاں خصلتیں اور علامتیں ہیں گویا قرآن مجید نے ایک ضابطہ اور قاعدہ سمجھا دیا کہ اہل بیت پاک ہوں یا صحابہ کرام، جس کو جو شان اور شرف ملا وہ آقائے دوجہاں ﷺ کے صدقے اور غلامی سے ملا۔ یہ حضور ﷺ کی سنگت، صحبت اور غلامی کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابو بکر، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بن گئے، حضرت عمر، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بن گئے، حضرت عثمان، ذوالنورین رضی اللہ عنہ بن گئے اور حضرت علی، حیدر کرار رضی اللہ عنہ بن گئے لہٰذا صحابہ کرام یا اہل بیت پاک، سب کی پہچان حضور اکرم ﷺ کی نسبت سے ہے بالفاظ دیگر قرآن کریم میں خالق کائنات یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ صحابہ کا ادب بھی میرے محبوب ﷺ کی خاطر کیا کرو اور اہل بیت کی عزت بھی میرے محبوب ﷺ کی خاطر کیا کرو۔ صحابہ کرامؓ کا حیا، ادب، احترام اور تعظیم و تکریم نسبت مصطفوی ﷺ کی وجہ سے ہے اور اہل بیت اطہار کا ادب و احترام اور عزت و تکریم بھی نسبت مصطفےٰ ﷺ کی وجہ سے ہے۔

وہ لوگ جو اس بات کے دعویدار ہیں کہ ہم حضور ﷺ پر ایمان لانے والے اور آپ ﷺ سے محبت اور غلامی کا دم بھرنے والے ہیں، ان کے لئے لازم ہے کہ وہ محبت رسول ﷺ کے سبب سے صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار سے بھی محبت کریں۔ ادب رسالتمآب ﷺ کی وجہ سے صحابہ کا ادب کریں اور اہل بیت پاک کا بھی۔ آقائے دوجہاں ﷺ کی وجہ سے نہ وہ صحابہ کرام سے منہ موڑیں اور نہ اہل بیت اطہار سے۔

اہل بیت اطہار اور صحابہؓ کرام سے برابر کا تعلق

سورہ الفتح کی مذکورہ آیت مبارکہ میں **والذین معه** کے الفاظ اس بات کی

طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اہل بیت پاک اور صحابہ کرام دونوں سے برابری کا تعلق رکھنا ضروری ہے جس نے حضور ﷺ کی سنگت اور نسبت والوں میں سے کسی ایک سے منہ پھیرلیا' خواہ وہ صحابہ کرام ہوں یا اہل بیت پاک' اس نے اپنا آدھا تعلق تاجدار کائنات ﷺ سے کاٹ لیا اور اپنے آدھے ایمان کو مفلوج کر لیا لہٰذا اگر کوئی چاہتا ہے کہ اس کا حضور ﷺ سے کامل تعلق قائم اور ایمان سلامت رہے تو پھر اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام دونوں کا ادب و احترام اور محبت و تعظیم اپنے اوپر لازم کر لے۔

امت کی مختلف طبقات میں تقسیم

بدقسمتی سے تاریخی حالات کچھ اس طرح کے ہوئے ہیں کہ امت مسلمہ مختلف طبقات میں تقسیم ہوتی چلی گئی ہے اگرچہ ایک جماعت ہر دور میں موجود رہی ہے جس نے اعتدال کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ تاہم ذیل میں ہم ان دو گروہوں کا ذکر کرتے ہیں جن میں سے ایک گروہ حب اہل بیت میں اتنا آگے بڑھ گیا کہ نوبت بغض صحابہ تک جا پہنچی جبکہ دوسرا گروہ حب صحابہ میں اتنا آگے بڑھ گیا کہ نوبت بغض اہل بیت تک جا پہنچی۔ بعض لوگوں نے اہل بیت اطہار کی طرف جھکاؤ کیا اور اس نسبت میں وہ اتنا آگے بڑھ گئے کہ صحابہ کرام کے طبقے کی اہمیت اور تعلق ان کی نظروں سے اوجھل ہونے لگا۔ آہستہ آہستہ یک طرفہ تعلق میں وہ اتنا آگے بڑھے کہ صحابہ کرامؓ سے کٹ گئے' جب تعلق کٹ گیا تو صحابہ کرام کی نسبت اعتقاد' سوچ اور فکر میں وہ ادب و احترام اور محبت نہ رہی جو کہ ضروری تھی گویا انہوں نے ایمان کے ایک حصے کو قبول کیا اور دوسرے کو ترک کر دیا۔ یہ کیفیت سیدنا حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ کے آخری دور میں اس وقت کے معروضی حالات سیاست' بنو امیہ کے اس وقت کے حکمرانوں اور بطور خاص یزیدیوں کے معرکہ کربلا میں اہل بیت اطہار کے ساتھ ظالمانہ' فاسقانہ سلوک اور بربریت و درندگی نے پیدا کی۔

جب اس گروہ کی توجہ صرف اہلِ بیت اطہار پر اور آل رسول ﷺ پر رہی اور حضور اکرم ﷺ سے تعلق کی دوسری جہت یعنی صحابہ کرام کو اس گروہ نے نظر انداز کر دیا تو رفتہ رفتہ نہ صرف صحابہ کرام سے تعلق ٹوٹا بلکہ ذہن بھی بالعموم صحابہ کرامؓ کے خلاف ہو گئے۔ ان کا مقام و مرتبہ ذہنوں سے اتر گیا اور ان کے فضائل و کمالات اور ایمان میں درجات ذہنوں سے محو ہو گئے

اس کے ردِ عمل میں کچھ لوگوں نے صحابہ کرامؓ کے ذکر کو اسی طرح اجاگر کیا جس طرح ایک گروہ نے اہل بیتؓ اطہار کے طبقے کو اجاگر کیا تھا۔ انہوں نے اپنی توجہ صرف صحابہ کرامؓ کے ذکر پر مرکوز رکھی اور ردِ عمل کے طور پر اپنا قلبی، جذباتی اور ذہنی تعلق اہل بیت اطہار سے کاٹ لیا اور صرف صحابہ کرامؓ کا ذکر کرتے کرتے اور اہل بیت کا ذکر چھوڑتے چھوڑتے نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ جس طرح پہلا گروہ صرف اہل بیتؓ کو ایمان کا حصہ تصور کرتا ہے اور خود کو نہ صرف صحابہ کرامؓ سے کاٹ چکا ہے بلکہ صحابہ کرامؓ کے مقام و مرتبہ کو بھی داخل ایمان نہیں سمجھتا اسی طرح دوسرا گروہ صرف صحابہ کرامؓ سے تعلق ہی کو ایمان گردانتا ہے اور اہل بیت پاک سے اپنا قلبی اور جذباتی تعلق ختم کر چکا ہے۔

اس بد نصیب امت کی حالت اب یہ ہے کہ اس میں دو گروہ اب واضح طور پر ایک دوسرے کی ضد بن چکے ہیں۔ ایک طبقے کو یہ تاثر دیا جا رہا ہے اور کئی نسلوں سے ذہن یہ بنائے جا رہے ہیں کہ سنی وہ ہے جو فقط صحابہ کرامؓ کی بات کرے۔ اگر کوئی حضرت علی شیر خداؓ، حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت امام زین العابدینؓ یا دیگر آئمہ اہل بیت کی بات کرتا ہے، واقعہ کربلا بیان کرتا ہے یا اہل بیت اطہار سے محبت اور ان کے فضائل کا ذکر کرتا ہے تو فوراً یہ "الزام" دے دیا جاتا ہے کہ یہ تو شیعہ ہے، شیعہ نواز ہے یا شیعت کی طرف جھکاؤ ہے۔

اسی طرح دوسرے طبقے کا یہ ذہن بنا دیا گیا ہے کہ اگر اہل بیت پاک کی بات ہو تو مومن اور مسلمان ہے، اگر صحابہ کرامؓ کی بات ہو تو مسلمان ہی نہیں۔ اس طرح ایک

طبقے نے صرف اہل بیت پاک کو اپنا لیا اور ایک طبقے نے فقط صحابہ کرام کو۔ یوں اس امت کو ظالمانہ انداز سے دو دھڑوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ آقا ﷺ کی نسبت' غلامی اور تعلق کو اپنے گروہ کے ساتھ مختص قرار دے کر ایمان کے دو ٹکڑے کرنے کی کوشش کی گئی کیونکہ اہل بیت پاکؓ سے تعلق ایمان کا ایک حصہ تھا اور صحابہ کرامؓ سے تعلق ایمان کا دوسرا حصہ تھا۔ دونوں گروہوں میں سے ہر ایک نے ایمان کے ایک حصے کو اپنا لیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔

دین اسلام پر اس سے بڑا اور کوئی ظلم نہیں ہو گا کہ اہل بیت اطہار کی محبت میں صحابہ کرامؓ کی بے ادبی کی جائے۔ اسلام کے اندر اس چیز کی کوئی گنجائش نہیں' بے شک اہل بیت اطہارؓ کی محبت عین ایمان ہے۔ جس شخص کے دل میں اہل بیتؓ پاک کی محبت نہیں وہ مسلمان نہیں۔ وہ اسلام سے خارج اور جہنم کا ایندھن ہے۔ دل کے اہل بیتؓ پاک کی محبت سے خالی ہونے کا مطلب دل کا اسلام' ایمان' قرآن اور نسبت مصطفےٰ ﷺ سے خالی ہونا ہے۔

جس طرح اہل بیت اطہارؓ کا حضور اکرم ﷺ کی نسبت سے ایمان میں یہ درجہ ہے اسی طرح صحابہ کرامؓ کا بھی حضور ﷺ کی نسبت سے ایمان میں یہی درجہ ہے لہٰذا جو شخص صحابہ کرام بشمول خلفائے راشدینؓ کی طرف سے کسی کی طرف کسی قسم کی ناپاکی منسوب کرتا ہے خواہ وہ اہل بیت پاکؓ کی محبت کے نام پر کرے یا کسی اور حوالے سے وہ شخص کبھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ وہ بے ایمان' لعنتی اور جہنم کا ایندھن ہے۔ وہ صحابہ کرام' خلفائے راشدین یا ازواج مطہرات کا ہی منکر نہیں وہ منکر مصطفےٰ اور منکر رسول ہے۔

طبقاتی کشمکش کا نقصان

حضور اکرم ﷺ کی امت میں سے دو گروہوں کا اس طرح اپنی حدوں سے آگے بڑھ جانے اور اس طبقاتی کشمکش کا نقصان یہ ہوا کہ صحابہ اور اہل بیتؓ کے نام پر ہونے والی جنگ نے نسبت مصطفےٰ ﷺ کو بھلا دیا چنانچہ اب خود حضور اکرم ﷺ کا ذکر مبارک ہو تو ان میں سے ایک گروہ کو اتنی لذت محسوس نہیں ہوتی جتنی صحابہ کرامؓ کے ذکر سے محسوس ہوتی ہے اسی طرح دوسرا گروہ آقا ﷺ کے ذکر مبارک

میں اتنی لذت اور حلاوت محسوس نہیں کرتا جتنی وہ اہل بیت اطہار کے ذکر میں محسوس کرتا ہے۔ افسوس کہ نادانی میں دونوں گروہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی پہچان حضور اکرم ﷺ کے حوالے سے تھی اور اسی طرح اہل بیت اطہار کی پہچان بھی حضور اکرم ﷺ کے حوالے سے تھی مگر افسوس کہ حضور اکرم ﷺ جن کے حوالے سے دوسروں کی پہچان تھی ان کے ذکر مبارک سے تو اتنی لذت اور حلاوت محسوس نہیں ہوتی جتنی صحابہ کرامؓ اور اہل بیت پاکؓ کے ذکر سے محسوس ہوتی ہے گویا بنیاد مسمار کر دینے کے بعد عمارت تعمیر کی جا رہی ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے نسبت رسول ﷺ اور تعلق رسالتمآب ﷺ جو کہ بنیاد ہے اسے پختہ کیا جائے۔ سب سے پہلے ہمارا تعلق بالرسالت پر ایمان ہونا مضبوط ہونا چاہئے کہ حضور ﷺ کا ذکر تو خیر بڑی بات ہے، جو بھی حضور ﷺ سے نسبت والے ہیں آپ کی خاطر وہ بھی اور ان کا ذکر بھی اچھا لگے۔ جب ایمان کا مرکز و محور حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ بن جائے گی تو ایمان کا مزاج یہ ہو جائے گا کہ جو آقا ﷺ کو پسند ہو گا وہ تمہیں بھی پسند اور جو محبوب خدا ﷺ کو ناپسند ہو گا وہ تمہیں بھی ناپسند ہو گا۔ اسطرح دوستی اور دشمنی کا معیار آقا ﷺ کا تعلق ہو جائے گا۔ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ پہلے ہم اپنے ایمان کے مرکز و محور کو پہچاننے کی کوشش کریں۔

اہل بیت کون؟

بیت عربی زبان میں گھر کو کہتے ہیں۔ گھر تین قسم کا ہوتا ہے۔

۱۔ بیت نسب ۲۔ بیت مسکن یا بیت سکنیٰ ۳۔ بیت ولادت

اسی اعتبار سے گھر والوں کے بھی تین طبقے ہیں۔

۱۔ اہل بیت نسب ۲۔ اہل بیت سکنیٰ ۳۔ اہل بیت ولادت

۱۔ اہل بیت نسب سے مراد انسان کے وہ رشتہ دار ہیں جو نسب میں آتے ہیں یعنی وہ رشتہ دار جو باپ اور دادا کی وجہ سے ہوتے ہیں مثلاً چچا، تایا، پھوپھی وغیرہ نسب کے رشتے ہیں۔

۲۔ اہل بیت مسکن سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جو گھر کے اندر آباد ہوتے ہیں یعنی شوہر کی بیوی۔

۳۔ اہل بیت ولادت سے مراد وہ نسل ہے جو گھر میں پیدا ہوئی ہے۔ اس میں بیٹے' بیٹیاں اور آگے ان کی اولاد شامل ہے۔

جب مطلق اہل بیت کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد مذکورہ تینوں طبقات ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ اہل ایمان ہوں۔ ان میں سے کسی ایک طبقے کو خارج کر دینے سے اہل بیت کا مفہوم پورا نہیں ہوتا۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (الاحزاب' ۳۳:۳۳)	اے (نبی ﷺ کے) گھر والو! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور کر دے اور تم کو خوب پاک صاف کر دے۔

یعنی اے میرے نبی ﷺ کے اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے دامن' سیرت' کردار اور اعمال کے ظاہر و باطن کو ہر نجس اور ناپاکی سے اس طرح پاک فرما دے کہ تم طہارت اور پاکیزگی کا قابل تقلید نمونہ بن جاؤ اور قیامت تک طہارت اور پاکیزگی تم سے جنم لیتی رہے۔

تعصب چھوڑ اے نادان!

جب انسان متعصب ہو جاتا ہے تو پھر اسے اپنے مطلب کی چیز کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ جب دین تعصب کی نظر ہو جاتا ہے تو ہر کوئی اپنے مطلب کی بات نکالنے لگتا ہے۔ وہ دو طبقے جو حب صحابہ اور حب اہل بیتؓ کے نام پر افراط و تفریط کا شکار ہوئے ان میں سے ایک طبقے نے مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے اس میں سے حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو نکال دیا۔ گویا انہوں نے اہل بیت میں سے اہل بیت مسکن کو نکال دیا۔ جب اہل بیت میں سے بیویاں ہی نکل جائیں تو پھر اولاد کا گھر سے کیا تعلق رہا؟ بہر حال انہوں نے ازواج مطہرات کو نکال کر کہا کہ اہل بیت سے مراد حضرت علیؓ شیر خدا' حضرت فاطمۃ الزہراؓ' حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ ہیں۔

بے شک مذکورہ چاروں ہستیاں اہل بیت میں شامل ہیں اور آقا ﷺ نے انہیں چادر تطہیر میں چھپایا اور ان کے اہل بیتؓ نبی ﷺ ہونے کا انکار فرمان مصطفیٰ ﷺ کا انکار ہے مگر سمجھانا یہ مقصود ہے کہ ایک طبقے نے کچھ اہل بیت مراد لئے اور باقی چھوڑ دیئے۔ اس کے رد عمل کے طور پر دوسرے طبقے نے کہا کہ اہل بیت سے مراد صرف حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں، حضرت علیؓ، سیدہ دو عالم حضرت فاطمہؓ الزہراءؓ اور حسنین کریمینؓ اہل بیت میں شامل ہی نہیں۔ دونوں طبقوں نے قرآن پاک کو گویا سکول کا رجسٹر داخل خارج سمجھ لیا ہے کہ جسے چاہا داخل کر دیا اور جسے چاہا خارج کر دیا۔ من مانی تاویلیں کر کے امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور نہ صرف امت بلکہ نسبت مصطفیٰ ﷺ کو بھی متنازعہ بنا دیا۔

ارے نادانو! جو گھر والا ہے وہ تو ہر گھر والے کو پیارا ہے اور وہ ذات مصطفیٰ ﷺ ہے پھر جو بھی حضور ﷺ سے نسبی تعلق والا ہے، آپ کے گھر میں ہے یا آپ کی نسل پاک میں سے ہے اور اہل ایمان ہے۔ اسے آقائے دوجہاں ﷺ کا اہل بیت اور ہر ایک کو پیارا ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ سے نسبی تعلق ہونا، آپ کے گھر میں ہونا یا آپ کی اولاد پاک میں سے ہونا تو ایک طرف حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ جو کہ حضور ﷺ کے گھر صرف خدمت کرتے تھے اور سودا سلف لا کر دیتے تھے انہیں بھی آپ ﷺ نے اپنے اہل بیت میں شامل فرمایا ہے حالانکہ نہ تو ان کا حضور ﷺ سے نسبی تعلق تھا نہ وہ اہل بیت مسکن میں سے تھے اور نہ ہی وہ آپ کی اولاد پاک میں سے تھے، بیت کی تینوں نسبتیں مفقود تھیں مگر اس کے باوجود چونکہ ان کا گھر آنا جانا تھا اور وہ آپ کی خدمت کرتے تھے لہذا محبوب خدا ﷺ نے رحمت کے ہاتھ بڑھاتے ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بھی اہل بیت میں شامل فرما لیا۔ حضور ﷺ نے جب اپنے اہل بیت میں سے کسی ایک طبقے کو خارج نہیں کیا تو ہم کسی ایک طبقے کو خارج کر کے کیا آپ ﷺ سے انصاف کر رہے ہیں؟ یقیناً یہ انصاف نہیں بلکہ محض جہالت اور تعصب ہے۔

سنی اور شیعہ دونوں فریقوں کو باہم دست و گریباں کرنے والے نام نہاد مولویوں اور ذاکروں کا حال یہ ہے کہ خود وہ کبھی بھی آپس میں دست و گریباں نہیں

ہوئے' وہ آپس میں ایک دوسرے کی دعوتیں کرتے ہیں اور اکٹھے تحریکیں چلاتے ہیں مگر عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے وہ جلسوں اور جلوسوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کی آگ کو ہوا دیتے ہیں۔ اختلافات کی خلیج وسیع کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔

قابل غور نکتہ

یہ بات قابل غور ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بھی کوئی کام رد عمل کے طور پر شروع ہو گا اس میں اعتدال نہیں ہو گا۔ اس میں افراط و تفریط اور انتہا پسندی ہو گی۔ وہ کام اعتدال اور میانہ روی کے اس تصور سے ہٹ کر ہو گا جس کا اسلام نے درس دیا ہے۔ اسلام کی اصل تعلیم اعتدال اور میانہ روی ہے۔ امت مسلمہ کو امت وسط بھی دراصل اسی لئے کہا جاتا ہے کہ باری تعالیٰ نے امت مصطفوی کو وہ وقار اور کردار عطا کیا ہے جو توسط و اعتدال پر مبنی ہے۔ اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ' ۲: ۱۴۳)	اور اس طرح ہم نے (اے مسلمانو!) تم کو اعتدال پر رہنے والی ایک امت بنایا تاکہ لوگوں پر نگران رہو۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ امت محمدیہ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا جس کا معروف معنی راہ اعتدال پر چلنے والی امت ہے یعنی ایسی امت جو راہ حیات پر چلتے ہوئے ہر معاملے میں توازن کو برقرار رکھتی ہے اور صراط مستقیم سے ادھر ادھر نہیں بھٹکتی۔ جس طرح ایک ترازو کے دو پلڑے ہوتے ہیں اور دونوں میں وزن برابر رہتا ہے' کوئی پلڑا ایک طرف نہیں جھکتا بعینہ یہ امت آخریں متوسط رہتے ہوئے اعتدال و توازن کو قائم رکھتی ہے۔

حضرت علیؓ کا ارشاد

راہ اعتدال کو چھوڑ کر افراط و تفریط کا راستہ اپنانے والوں کے لئے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا درج ذیل فرمان ایک تازیانے کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجھہ الکریم فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک مشابہت ہے۔ ان سے یہود نے بغض کیا یہاں تک کہ ان کی والدہ ماجدہ پر زنا کی تہمت لگائی اور نصاریٰ ان کی محبت میں ایسے حد سے گزرے کہ ان کی خدائی کے معتقد ہو گئے۔ ہوشیار! میرے حق میں بھی دو گروہ ہلاک ہوں گے۔

محب مفرط یفرطنی بما لیس فی ومبغض یحملہ شنانی علی ان یبھتنی

(مشکوۃ المصابیح بحوالہ احمد' ۵۶۵)

ایک زیادہ محبت کرنے والا جو مجھے میرے مرتبے سے بڑھائے گا اور حد سے تجاوز کرے گا۔ دوسرا بغض رکھنے والا جو عداوت میں مجھ پر بہتان باندھے گا۔

خود شیعہ مذہب کے نزدیک معتبر کتاب "نہج البلاغہ" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے

سیھلک فی صنفان محب مفرط یذھب بہ الحب الی غیر الحق ومبغض مفرط یذھب بہ البغض الی غیر الحق وخیر الناس فی حالا النمط الاوسط فالزموہ والزمو السواد الاعظم فان ید اللہ علی الجماعۃ وایاکم والفرقۃ فان الشاذ من الناس للشیطان کما ان الشاذ من الغنم للذئب

(ترجمہ وشرح نہج البلاغہ جلد اول' ۳۸۳)

میرے معاملہ میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے۔ ایک محبت کرنے والا' حد سے بڑھانے والا۔ وہ محبت اس کو غیر حق کی طرف لے جائے گی۔ دوسرا بغض رکھنے والا حد سے کم کرنے والا' وہ بغض اس کو خلاف حق کی طرف لے جائے گا اور سب سے بہتر حال میرے معاملہ میں میانہ رو جماعت کا ہے پس اس میانہ رو جماعت کو اپنے لئے ضروری سمجھو اور (بڑی جماعت) سواد اعظم کے ساتھ وابستہ رہو کیونکہ اللہ کا ہاتھ اسی جماعت پر ہے اور خبردار! اس جماعت

سے الگ نہ ہونا کیونکہ جو شخص
جماعت سے الگ ہو گا وہ اسی طرح
شیطان کا شکار ہو گا جس طرح ریوڑ
سے الگ ہونے والی بکری بھیڑیے کا
شکار ہوتی ہے۔

بغض اہل بیتؓ اور بغض صحابہؓ کی علامت

آج وہ لوگ جو حب علیؓ میں افراط کی وجہ سے راہ اعتدال کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور وہ لوگ جو بغض علیؓ کی بناء پر راہ اعتدال پر نہیں رہے یعنی وہ لوگ جو حب علیؓ اور حب اہل بیتؓ کے نام پر دلوں میں بغض صحابہؓ رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو حب صحابہ کرامؓ کے نام پر دلوں میں بغض علیؓ اور بغض اہلبیتؓ یا حب اہل بیتؓ کے نام پر دلوں میں بغض صحابہؓ رکھتے ہیں؟ تو کوئی بھی اس بات کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہو گا اور زبان سے کبھی اس بات کا اقرار نہیں کرے گا کہ وہ حب اہل بیت کے نام پر دل میں بغض صحابہؓ یا حب صحابہؓ کے نام پر دل میں بغض اہل بیتؓ رکھتا ہے۔

وہ شخص جو ان دو گروہوں میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتا ہے اس کے زبانی اقرار نہ کرنے کے باوجود بھی بڑی آسانی سے اس کی پہچان ہو سکتی ہے۔ آپ اس کے سامنے صحابہ کرامؓ کی تعریف کریں اور تھوڑی دیر کرتے رہیں۔ اگر اس کے ماتھے پر بل آ جائے' اس کی طبیعت مکدر ہو جائے اور کوئی خوشی محسوس نہ کرے تو سمجھ لیں کہ اس شخص کا تعلق اس گروہ سے ہے جو حضرت علیؓ کی محبت میں زیادتی کے دعوے کی وجہ سے راہ حق چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے سامنے حضرت علیؓ' حضرت امام حسینؓ اور اہل بیتؓ کا ذکر کیا جائے تو اس سے اس کی طبیعت گھٹن اور بے چینی محسوس کرے تو سمجھ لیں کہ اس شخص کا تعلق اس گروہ سے ہے جو حضرت علیؓ کے بغض کی وجہ سے راہ حق چھوڑ بیٹھے ہیں۔

مذکورہ بالا صورت تو اس وقت ہے جب کسی شخص کے بارے میں اشتباہ پیدا ہو اور اس کے بارے میں یہ پرکھنا مقصود ہو کہ اس شخص کا مذکورہ گروہوں میں سے کس گروہ کے ساتھ تعلق ہے مگر آج تو صورت حال بڑی واضح ہو چکی ہے اور دونوں

گروہوں کی پہچان کچھ مشکل نہیں رہی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک گروہ ایسا ہے جو سارا سال اپنے مذہبی اجتماع فقط سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے حوالے سے کرتا ہے۔ اس گروہ نے نہ تو کبھی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے کوئی اجتماع کیا ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر کے حوالے سے 'اہل بیت کے علاوہ انہوں نے ہر ایک سے اپنا تعلق قطع کر لیا ہے اور دوسرا گروہ ایسا ہے جو سارا سال مدح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام پر اجلاس اور اجتماع کرتا ہے۔ اس گروہ کی کیفیت یہ ہے کہ محرم الحرام کے مہینے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن بھی کبھی اہل بیت اور شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر اجتماع نہیں کرتا۔ جس طرح پہلے گروہ نے اہل بیت پاک اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ اسلام کے باقی تمام موضوعات چھوڑ دیئے ہیں اسی طرح دوسرے گروہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موضوع کے علاوہ باقی تمام موضوعات سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ دونوں طرف رد عمل ہو رہا ہے اور اعتدال کی راہ چھوٹی جا رہی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق

اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلِ بیت پاک رضی اللہ عنہم دونوں کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق پر غور کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں نے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر کسی بھی موقعہ پر جان قربان کرنے سے گریز نہیں کیا۔ اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے بخوبی ہو جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس رات مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی اس رات کفار اور مشرکین مکہ ننگی تلواریں لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا تو اس وقت تک اکثر مسلمان مدینہ ہجرت کر چکے تھے تاہم ابھی تک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت نہ کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوچا کہ حکم خداوندی سے ہجرت کرنے سے قبل اپنے پاس پڑی ہوئی لوگوں کی امانتیں کسی کے سپرد کر جاؤں۔ آپ کی نگاہ انتخاب حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں مدینہ ہجرت کرنا چاہتا ہوں تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ' میرے پاس کچھ لوگوں کی یہ امانتیں پڑی ہیں' تم یہ امانتیں انہیں واپس کر کے بعد میں آ جانا۔

اس رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر مبارک کافروں کی تلوار کا نشانہ تھا۔

آپ کے بستر مبارک پر سونا حضور ﷺ پر جان قربان کرنے کے مترادف تھا۔ امام فخرالدین رازیؒ نے "التفسیر الکبیر" اور حجتہ الاسلام حضرت امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں بیان کیا ہے کہ ہجرت کی شب حضور ﷺ جب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے بستر مبارک پر سلا کر چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جرائیل و حضرت میکائیل علیہما السلام سے فرمایا کہ دیکھو! علیؓ میرے حبیب محمد (ﷺ) پر جان فدا کر رہا ہے، جاؤ! جا کر ساری رات اس کی حفاظت کرو چنانچہ بحکم خداوندی دونوں فرشتے آئے۔

قام جبریل علیہ السلام عند رأسہ و میکائیل عند رجلیہ و جبریل ینادی بخ بخ من مثلک یا ابن ابی طالب یباھی اللہ بک الملائکۃ و نزلت الایۃ ومن الناس من یشتری نفسہ ابتغاء مرضاۃ اللہ

(التفسیر الکبیر، ۵: ۲۲۳)

جرائیل علیہ السلام سر کی طرف اور میکائیل علیہ السلام پاؤں کی طرف کھڑے ہو گئے اور جرائیل امین علیہ السلام بلند آواز سے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے کہتے تھے "اے ابن طالب! آج تیرے جیسا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتا ہے" اور یہ آیت نازل ہوئی **ومن الناس من یشتری** .... الخ (اور لوگوں میں سے ایک وہ ہے جو اپنی جان اللہ کی رضامندی کے لئے بیچتا ہے۔)

ہجرت مدینہ کی شب رسول اللہ ﷺ کے بستر مبارک پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سونا حضرت علیؓ کے حد درجہ ایثار اور شجاعت و جوانمردی کا مظہر ہے مگر ہجرت ہی کی شب اگر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایثار کو دیکھیں تو وہ بھی اپنی مثال آپ ہی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضور اکرم ﷺ کی رفاقت میں سفر کرنا کفار اور مشرکین مکہ کے نزدیک ایک ایسا جرم تھا جس کی سزا بہر حال شہادت ہی تھی۔

کتب حدیث میں آتا ہے کہ جب ہجرت مدینہ کا حکم آیا اور اکثر مسلمان مدینہ ہجرت کر چکے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ منورہ جانے کی تیاری کر لی تو

رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم ذرا ٹھہرو کیونکہ مجھے بھی اجازت ملنے کی امید ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ عرض گزار ہوئے "میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا آپ کو بھی ہجرت کی امید ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" پس حضرت ابو بکر صدیقؓ نے رسول ﷺ کے ساتھ کی خاطر اپنے آپ کو روکے رکھا۔ آپؓ کے پاس دو اونٹنیاں تھیں۔ آپ انہیں چار ماہ تک کیکر کے پتے کھلاتے رہے۔

(صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینہ)

امام حسن عسکریؒ نے اپنی تفسیر میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ ہجرت کی رات حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، حضرت ابو بکر صدیقؓ باہر آئے اور آپ کو دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ رات کو کیسے تشریف لائے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ابو بکر! مجھے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم آگیا ہے، کیا تم میرے ساتھ چلنے اور میری خاطر ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کو تیار ہو؟" حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ اگر ایک طرف ساری دنیا کی بادشاہی ہو اور دوسری طرف آپ کی خاطر عمر بھر کی تکالیف ہوں تو رب ذوالجلال کی قسم! آپ کی خاطر تڑپ تڑپ کر جان دینا مجھے ساری دنیا کی شہنشاہی سے زیادہ پسند ہے۔" یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سینے سے لگالیا اور اپنے ساتھ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے تعلق کو ناقابل شکست قرار دیا۔

اہل بیتؓ اور صحابہ کرامؓ کا باہمی تعلق

راہ اعتدال سے ہٹ جانے والے دونوں گروہوں کے لئے دنگا فساد کی فضا ختم کرنے اور امن و سلامتی کی فضا قائم کرنے کے لئے یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ اہل بیتؓ اطہار اور صحابہ کرامؓ کی آپس میں کوئی لڑائی نہ تھی بلکہ یہ سب ایک دوسرے سے محبت کرنے والے، پیار کرنے والے اور ایک دوسرے پر جانیں قربان کرنے والے لوگ تھے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عمل سے دلیل

شیعہ مذہب کی معتبر کتاب "کشف الغمۃ فی معرفۃ الآئمۃ" میں عروہ بن

عبداللہ سے مروی ایک واقعہ مذکور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقرؒ سے سوال کیا کہ تلواروں کے دستے پر چاندی چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب میں آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اپنی تلوار کے دستے پر چاندی چڑھائی تھی۔

عروہ بن عبداللہ نے بھی شاید ہمارے دور کی طرح اپنے وقت کے مولویوں اور ذاکروں کو سن کر یہ رائے قائم کرلی تھی کہ اہل بیتؓ اور صحابہ کرامؓ میں مخالفت ہے چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ آپ بھی صدیق کہتے ہیں؟ راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر امام محمد باقرؒ جلال میں آکر کھڑے ہوگئے' قبلہ رخ منہ کرلیا اور فرمایا

نعم الصدیق' نعم الصدیق' نعم الصدیق فمن لم یقل لہ الصدیق فلا صدق اللہ قولا فی الدنیا ولا فی الآخرۃ

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمۃ' ۲:۳۵۹)

ہاں وہ صدیق ہیں' ہاں وہ صدیق ہیں' ہاں وہ صدیق ہیں اور جو انہیں صدیق نہ کہے گا اس کی بات کو اللہ دنیا میں بھی جھوٹا کردے گا اور آخرت میں بھی۔

حضرت علیؓ کے چہرے کو تکنا عبادت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ جب میرے والد یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ اکٹھے بیٹھے ہوتے تو میں دیکھتی کہ میرے والد اکثر حضرت علیؓ کا چہرہ تکتے رہتے' ان کی نگاہ ہر وقت حضرت علیؓ کے چہرے پر رہتی' ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ ابا جان! جب آپ خود اتنے بلند مرتبہ ہیں تو پھر آپ حضرت علیؓ کے چہرے کو کیوں دیکھتے رہتے ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ اے عائشہؓ! میں جو حضرت علیؓ کا چہرہ ہر وقت تکتا رہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کی عزت کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

النظر الی وجہ علی عبادۃ

(الصواعق المحرقۃ' ۱۷۷)

(حضرت) علیؓ کے چہرے کو (فقط) دیکھنا (بھی) عبادت ہے۔

انہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔ (المستدرک الحاکم '۱۴۶' کنز العمال ۶:۱۵۸ 'الصواعق المحرقہ '۱۲۳)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔

قال رسول ﷺ اللہ ذکر علی عبادۃ (کنز العمال ۶:۱۵۶)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علیؓ کا ذکر عبادت ہے۔

بے شک صحابہ کرام اور اہل بیت اطہارؓ کے درمیان بے حد قلبی محبت موجود تھی۔ حضرت براء بن عازبؓ اور زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ غدیر خم میں قیام پذیر ہوئے تو آپ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دو مرتبہ فرمایا "تم نہیں جانتے ہو کہ میں ہر مومن کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ عزیز و پیارا اور بہتر ہوں؟" سب نے کہا "ہاں یا رسول اللہ ﷺ

پھر آپ ﷺ نے فرمایا

اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال منٔ والاہ وعاد من عاداہ

اے اللہ! جس کا میں دوست ہوں علیؓ بھی اس کا دوست ہے۔ اے اللہ! اس سے محبت رکھ جو علیؓ سے محبت رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علیؓ سے دشمنی رکھے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا

ھنیئا یا ابن ابی طالب اصبحت وامسیت مولی کل مومن ومومنہ" (مشکوۃ المصابیح بحوالہ احمد '۵۶۵)

اے ابن ابی طالب! تم صبح و شام خوش رہو اور تمہیں ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت کا دوست ہونا مبارک ہو۔

کتب سیر و تاریخ میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں آپ کے پاس دو دیہاتی لڑتے ہوئے آئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر

دیں۔ حضرت علیؓ نے فیصلہ کر دیا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ ہمارے درمیان کیا فیصلے کرے گا؟

فوثب علیہ العمر واخذ بتلبیبہ وقال ویحک ما تدری من ھذا؟ ھذا مولاک ومولی کل مومن من لم یکن مولاہ فلیس مومن (الصواعق المحرقہ، ۱۷۹)

پس یہ سن کر حضرت عمرؓ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کا گریبان پکڑ کر فرمایا "جانتا ہے یہ کون ہیں؟ یہ تیرے اور ہر مومن کے مولیٰ ہیں اور جس کے یہ مولیٰ نہیں ہیں وہ مومن نہیں ہے۔"

حضرت شہربانوؓ حضرت امام حسینؓ کے عقد میں

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب ایران فتح ہوا تو ایران کے آخری بادشاہ یزدگرد کی بیٹی حضرت شہربانوؓ جنگی قیدی بن کر مال غنیمت میں آئیں جب مال غنیمت تقسیم ہونے لگا تو اہل مدینہ اور اسلامی لشکر سوچنے لگا کہ دیکھتے ہیں ایران کے بادشاہ یزدگرد کی بیٹی شہربانو کس خوش نصیب کے حصے میں آتی ہے۔ جب مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے شہربانو کی باری آئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ یزدگرد کی بیٹی شہزادی ہے اسے میں جس کی زوجیت میں دوں گا وہ بھی شہزادہ ہی ہو گا۔ لوگ سوچنے لگے کہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کی نگاہ میں شہزادہ کون ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے حسینؓ! ہمارے ہاں شہزادہ تو ہی ہے اور حضرت شہربانوؓ کو حضرت امام حسینؓ کی زوجیت میں دیدیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی تھے مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی کیونکہ سب صحابہ کرامؓ کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں بلکہ آپ کے اہل بیت پاک بھی دل و جان سے عزیز اور محبوب تھے۔

ایک مرتبہ حضرت حسنؓ، حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ان کے دروازے پر تشریف لے گئے اور وہاں جا کر دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑے ہوئے حاضر ہونے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ اتفاق سے ان کو حاضر ہونے کی اجازت نہ ملی۔ حضرت حسنؓ یہ خیال کر کے کہ جب انہوں نے اپنے بیٹے

کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی تو مجھے کب اجازت دیں گے' واپس آ گئے۔ حضرت عمر فاروق ؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت حسن ؓ اس خیال سے واپس چلے گئے ہیں تو آپ فوراً حضرت حسن ؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھے آپ کے تشریف لانے کی اطلاع نہ تھی۔ حضرت حسن ؓ نے فرمایا "میں اس خیال سے واپس آ گیا کہ جب آپ نے اپنے بیٹے کو اجازت نہیں دی تو مجھے کب دیں گے؟" یہ سن کر حضرت عمر ؓ نے فرمایا

انت احق بالاذن منہ وھل انبت الشعر فی الراس بعد اللہ الا انتم
(الصواعق المحرقہ' ۱۷۹)

تم اس سے زیادہ اجازت کے مستحق ہو اور یہ بال سر پر اللہ تعالیٰ کے بعد کس نے اگائے سوائے تمہارے (یعنی تمہاری بدولت ہی راہ راست پائی اور تمہاری برکت سے اس مرتبے کو پہنچا)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا

اذا جئت فلا تستاذن
(الصواعق المحرقہ' ۱۷۹)

آپ جب تشریف لایا کریں تو بغیر اجازت کے آ جایا کریں۔

مذکورہ تمام واقعات سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ صحابہ کرام اور اہل بیت پاک کے درمیان کسی قسم کی عداوت یا رنجش نہیں تھی بلکہ ان کے درمیان باہم محبت و الفت کا رشتہ تھا۔ بے شک تمام صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کا ادب و احترام اور محبت و مودت عین ایمان ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑنا بالواسطہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی ہے اس لئے یاد رکھ لیجئے کہ خواہ کوئی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھے یا ہاتھ باندھ کر' رفع یدین کرے یا نہ کرے' یہ اپنا اپنا مسلک ہے اس سے ایمان پر زد نہیں آتی البتہ اسلام کی حد کو کبھی توڑنے کی کوشش نہ کیجئے' یہ حد صحابہ کرام اور اہل بیت پاک کے ادب و احترام کی حد ہے۔ جو شخص صحابہ کرام ؓ کی طرف کفر منسوب کرتا ہے یا گالی دیتا ہے وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ کفر منسوب کرنا یا گالی دینا چاہے ظاہراً یا باطناً ہو' اشارے یا کنایہ سے ہو' بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ ہو' کیونکہ ایسے شخص کا رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے کوئی تعلق نہیں کہ وہ بالواسطہ طور پر اپنی اس گستاخی و زبان درازی کا نشانہ ذات مصطفیٰ ﷺ کو بنا رہا ہے جو یقیناً کفر ہے۔

اسی طرح وہ شخص جو صحابہ کرامؓ کی تعریف تو عمر بھر کرتا رہے' عظمت صحابہؓ کے نعرے لگاتا رہے مگر اپنے دل میں اہل بیتؓ کی محبت نہ رکھے' اس کے دل میں اہل بیتؓ کے بارے میں بغض ہو اور اہل بیتؓ اطہار کا ذکر سن کر اس کے دل میں گھٹن آئے اور اس کی روح پر کدورت چھا جائے' اس کا بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ شخص بھی بے ایمان ہے اور جہنم کا ایندھن ہے۔

آیئے شہادت امام حسینؓ سے دوسرا سبق امن کا حاصل کریں۔ ہر کسی کو یاد حسینؓ اپنے اپنے طریقے سے منانے کی اجازت ہونی چاہیۓ۔ ہر ایک کو عظمت صحابہ کرامؓ کی یاد منانے کا حق حاصل ہونا چاہیۓ کہ پاک سرزمین ہے ہی اس لئے کہ یہاں صحابہ کرامؓ کی عظمت کے ترانے گونجیں' اہل بیت اطہارؓ کی عظمت و محبت کے ترانے گائے جائیں۔ جس سرزمین پر صحابہ کرامؓ کے بے ادبی اور گستاخی ہو' صحابہ کرامؓ کو گالی دی جائے یا اہل بیتؓ پر طعن زنی ہو' الزام تراشی اور گستاخی ہو پھر وہاں مسلمان زندہ بھی رہیں تو وہ مسلمان بے غیرت ہیں' بے حمیت ہیں۔ مسلمانوں کی سرزمین پر نہ تو صحابہ کرامؓ کے خلاف زبان کھلنی چاہیۓ اور نہ ہی اہل بیت پاکؓ کے خلاف بے ادبی کی زبان کھولنے کی اجازت ہونی چاہیۓ۔

افسوس! پاکستان کی سرزمین وہ زمین ہے جس پر مدتوں سے رسول پاک ﷺ کی شان میں گستاخی ہو رہی ہے' زبان درازیاں ہو رہی ہیں' گستاخی رسول پر کتابیں لکھی گئیں' لٹریچر چھاپے جا رہے ہیں مگر آج تک کوئی گستاخ رسول پھانسی پر نہیں چڑھایا گیا۔ اس بدبختی کی انتہاء پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ اسی سرزمین پر صحابہ کرامؓ کی گستاخیاں ہو رہی ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور خلفائے راشدین کی گستاخی میں کتابیں اور لٹریچر چھاپا جا رہا ہے مگر آج تک صحابہؓ کے کسی گستاخ کو پھانسی پر نہ لٹکایا گیا۔ اہل بیت اطہارؓ کی گستاخی ہوتی رہی' اس سرزمین پر امام حسینؓ کو (نعوذ باللہ) باغی قرار دیا جاتا رہا' یزید کی خلافت اور فضیلت پر کتابیں لکھی جاتی رہیں' حضرت امام حسینؓ کے خلاف اس ملک میں زبانیں کھلتی رہیں' لوگ اپنا اور اپنے بیٹوں کا نام یزید رکھنے لگے' یزیدیت اور بغض اہل بیت فروغ پاتے پاتے انتہا تک جا پہنچا مگر اس ملک میں کسی دشمن اہل بیت کو پھانسی پر نہ لٹکایا گیا۔

ہمارا مطالبہ اور موقف یہ ہے کہ اگر آپ سرزمین پاکستان پر امن بحال کرنا

چاہتے ہیں تو محرم کی امن کمیٹیوں سے امن بحال نہیں ہو گا۔ یہ دنگا فساد ہر سال جاری رہے گا اور کبھی نہ مٹ سکے گا۔ آؤ اس فساد کی جڑ کاٹنے اور اسے اصلا مٹانے کی کوشش کریں۔ اس ملک میں یہ قانون نافذ کر دیا جائے کہ جو کوئی گستاخی رسول ﷺ کا مرتکب ہو اسے حد کے طور پر پھانسی پر لٹکایا جائے ۔ جو گستاخ صحابہ کرامؓ اہل بیت ہو اسے تعزیرا پھانسی پر لٹکایا جائے۔ شاتم رسول' شاتم صحابہ اور شاتم اہل بیت کی سزا اگر پاکستان کی سرزمین پر بلا امتیاز سزائے موت نافذ کر دی جائے تو فقط دو تین گستاخوں کو پھانسی پر لٹکانا ہو گا۔ اس کے بعد یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے اور اس لحاظ سے پاکستان میں مکمل امن ہو جائے گا۔

گستاخ رسول اگرچہ ساری عمر نمازیں پڑھتا رہے' تہجد کی باقاعدگی کرے اور شریعت کی بات کرتا رہے' وہ انسان نہیں شیطان ہے۔ اسے جینے کا کوئی حق حاصل نہیں جو شخص کلمہ تو اسلام کا پڑھے اور رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرے' اسے پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ اسی طرح جو کوئی صحابہ کرام یا اہل بیت کی شان میں گستاخی کرے' اسے بھی پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ ہر سال جو ہزاروں حق ناحق ہوتے ہیں اس کی نسبت یہ بہتر ہے کہ پانچ سات حق کے خون ہو جائیں۔ اس سے پوری امت کو قتل و غارت اور دنگا فساد سے نجات مل جائے گی اور پائیدار امن قائم ہو جائے گا۔

مذکورہ قانون کے علاوہ یہ قانون بھی ہونا چاہئے کہ جو کوئی کتاب یا لٹریچر گستاخی رسول' گستاخی صحابہ کرام یا گستاخی اہل بیت اطہار پر مبنی ملے' اسے ضبط کر لیا جائے یا جلا دیا جائے۔ پھر ایک قانون یہ بھی ہو کہ کسی دوسرے کے مسلک پر تنقید نہ کی جائے اور یہ اصول اپنایا جائے کہ اپنے عقیدے کو چھوڑو مت اور دوسرے کے عقیدے کو چھیڑو مت' نہ کسی کو گالی دو اور نہ بے ادبی کرو' ادب و احترام سے چلو' قرآن و سنت کی رو سے اپنے اپنے مسلک کے دائرے میں چلتے رہو' اپنے مسلک کی حقانیت پر خوب دلائل دو اور مسلک کی تعریف کرو مگر دوسرے کو نہ برا بھلا کہو' نہ گالی دو اور نہ تحقیر کرو۔ یہ اصولی بات ہے حتیٰ کہ قرآن پاک میں یہ ہے کہ کافروں کے بتوں کو بھی گالی نہ دو کہ کہیں وہ تمہارے سچے خدا کو گالی نہ دینے لگیں۔ اپنے مسلک اور عقیدے پر چلا جائے اور دوسرے پر طعن نہ کیا جائے۔ ان تین قاعدوں اور اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے پاکستان فرقہ وارانہ فسادات سے بچ جائے گا۔